اُذکُرُوا مَوتاکُم بِالخَیرِ

دفتر ثانی

مآثر الکرام

موسوم بہ

سرو آزاد

مصنفہ

ن الہند مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ھ

کہ بسال ۱۱۶۶ ہزار و یکصد و شصت و شش ہجری تصنیف شد

مشتمل بر احوال شعرائے متاخرین کہ بعد از ہزار ہجری تا زمان تصنیف کتاب موجود بودند

و منقسم است بر دو فصل

ِ اول در ذکر یک صد و چہل و سہ (۱۴۳) شعرائے ف

فصل دوم - در ذکر ہشت (۸) شعرائے ہندی

ح و تحشی عبید اللہ خاں و بہ اہتمام مولوی عبد الحق صاحب

خانی رفاہ عام لاہور دار السلطنت پنجاب مطبوع شدہ

از طرف مصحح از کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن شائع گردید

سنہ ۱۹۱۳ء

مولوی چراغ علی صاحب مرحوم المخاطب بہ نواب اعظم یار جنگ بہادر کی

لاجواب کتاب

"کریٹیکل اکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد" کے اردو ترجمہ

تحقیق الجہاد

مترجمہ مولانا غلام الحسنین صاحب پانی پتی مترجم "فلسفہ تعلیم" ہربرٹ اسپنسر پر

حکیم سید شمس اللہ قادری۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ایف۔ آر۔ ایچ ایس عالم آثار

ریویو

عیسائی مصنفین اسلام پر ہمیشہ سے یہ اعتراض کرتے چلے آئے ہیں کہ "مذہب اسلام دنیا
شمشیر پھیلایا گیا ہے"۔ اسلامی تاریخ میں جو واقعات غزوات۔ سرایا۔ اور بعوث کے نام سے مشہ
یہ لوگ کچھ ایسی رنگ آمیزی و ملمع سازی سے بیان کرتے ہیں جس کی بنا پر یہ مشہور ہوگیا ہے کہ
ان کے اتباع نے "ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لیکر مذہب اسلام کی اشاع
مسئلہ جہاد کے ساتھ غلامی۔ تسری وغیرہ پر بھی عیسائی دنیا کی طرف سے اعتراضات ہوا کر
تردید ہمیشہ مسلمانوں کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔ ہندوستان کی مسلمہ مشترکہ زبان اردو
موضوع پر متعدد اصحاب تصنیف و تالیف کر چکے ہیں مثلاً مولوی رحمت اللہ مرحوم۔ مولوی
مولوی عنایت رسول مرحوم ہندوستان میں مشہور مناظر گزرے ہیں۔ فخر قوم سر سید
مرحوم نے بھی عیسائیوں کے اعتراضات کے نہایت عالمانہ اور محققانہ جوابات دئیے ہیں۔ اعظم یار
چراغ علی صاحب مرحوم نے بھی مذہب اسلام کی حمایت میں ہمیشہ بے مثل کتب و رسائل
ہیں۔ ان مصنفین کی کتابیں بجائے خود نہایت عمدہ اور بہت قدر کے قابل ہیں مگر وہ ہر گئے
دیگراست مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کی تحریر میں ایک تو خصوصیت ہے کہ طرز ادا نہایت
طرز استدلال نہایت مستحکم ہوتا ہے۔ دوسرے ان سے پہلے بظاہر کسی مصنف نے مسئلہ جہاد
کتاب نہیں لکھی سر سید مرحوم کی تفسیر القرآن جلد چہارم میں اگرچہ غزوات کا ذکر بہت کچھ
ہیں جو تفسیر کی جلدوں میں محسوب اور شامل ہیں ۱۸۸۵ء مولوی چراغ علی صاحب نے
موضوع پر مندرجہ عنوان مستقل کتاب تصنیف کی۔ اس کے تین حصے ہیں۔

ت"

ن دل کشید

الایام بہ تحریر

بہ تحقیق و

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختم کتابے

نست نخست

سرمایۂ حمد نیاز مبدعے کہ ارواح معانی را با قوالب الفاظ آمیخت ہے کہ بخلعت

ک را از در قدرت آویخت و جواہر صلوات نثار امّی کہ نقش کلام نکتہ پردازی۔

رگار نشاند و محضر دعوائے زبان آوران را بہ مہر سکوت رساند و ارت۔ اما در

بادی فن ولایت و اصحاب عالیجناب کہ مطالع دیوان ہدایۂ حوالہ درانگشت

امّا بعد عرض می دارد پاشکستۂ زاویۂ گمنامی فقیر غلام علی

بنی واسطی بلگرامی کہ این دلدادۂ زلف سخن و مخلص معنی طراز سلا را واگذارد۔

بن بخدمت موزونان سلف و خلف پرداختہ و تذکرۃ الشعرا خاطر مورخان

ساختہ امّا آن نسخہ نقش انگارہ و تصویر تنگا رہ بود لہٰذا بعد فرا دفتر اوّل را درین

وادر رنگ اصلاح ریختہ شد و نقش ثانی بہ از اوّل برانگیختہ

از نشۂ شراب و سریع تر از پرتو آفتاب است ہر دو ید بیضی بر دو فصل نقرا

م رساند و جابجا پرتو رواج افشاند۔

اکنون نظر دقیقہ سنج نسخۂ ثانی را ہم سے تواند پسندید و در جمل اول در ذکر

ند سنجید طبع نیرنگ درین شیوہ معذور است و شیشۂ پر قلمو ور ذکر قافیہ سنجان

ما انگاشت می افزاید۔ ساختہ و پرداختہ پیشین تقویم پارینہ

کام عالم الغیب والشھادۃ بہ اقتضاء مصلحتے رنگ می گرداند ختم و فصحا" تاز

شے نقش ناتمام"

وما ننسخ من آیۃٍ او ننسہا نأتِ بخیرٍ منہا او مثلہا احکام ساکنانِ
مکان و فرورفتگانِ اسفل السافلین نقصان بہ طریق اولی قابل تبدیل
تعدیل تواند شد ہرچند نسخ اول ثمرۂ حکمت است و نسخ ثانی نتیجۂ غفلت
تا کہ مصنف نشۂ زندگی در سر و لباس عنصری در بر دارد و کتاب بانجام
ید و طرۂ گفتگو سر از درازی نمی تواند پیچید کہ بعد از نظر ثانی و ثالث و
نہا گل می کند و خارہا در خاطر می شکند بلے روزے کہ مصنف تمام
نیز رنگ مصنف گیرد و از لب بستنی کار سالہا صورت پذیرد۔
ند کہ رکن قلم و سخندانی عماد کاتب اصفہانی وقتے علم مناقشہ افراخت
ام استاذ البلغاء قاضی عبد الرحیم نسائی متوجہ ساخت قاضی جواب
دو بادۂ صافی بر مجلسیان عالم انصاف پیمود ملخص جوابش این کہ
نی قدما ادری اوقع لک ام لا وھو ان الانسان لا یکتب
لا یقول فی غدہٖ لو غیر ھذا لکان احسن ولو ترک ذلک
بن وعبرۃ عظیمۃ وحجۃ مستقیمۃ علی استیلاء صفۃ النقصان
ملانسان"
من پیش از تالیف کتاب نظر بر عواقب امور داشتہ ام و در عنوانِ
مۂ اعتذار این عبارت نگاشتہ :۔

"ان اصلاح چنانچہ باید و شاید ہنوز بحصول نہ پیوستہ و صورت این مدعا"
"نہ بیند اما باعث سرعت خامۂ خوشخرام در طی این مقام آنست کہ"
"طریقی است بر باد چشم بقا از وتوان داشت و پیکر جسمانی حبابے است"
"کنا بجز این دم بنفس دیگر نباید گذاشت"

"بیت پرتو عمر چراغے است کہ در بزم وجود — بہ نسیم مژہ برہم زدنی خاموش است"

الحاصل بعد تالیف ید بیضا بخاطر رسید و سرپنجۂ حب الوطن دامن دل کشید
کہ کتابے در ذکر صاحب کمالان بلگرام صَانَہُ اللّٰہُ عَنْ طَوَارِقِ الْاَیَّامِ بہ تحریر
در آید۔ و آثاریکہ در نقاب خفا متواری است جلوۂ ظہور نماید۔ لختے بہ تحقیق و
تنقیح مطالب پرداختم۔ و طاؤسان معانی را بگلدام عبارت بند ساختم کتابے
در پنج فصل صورت بست۔ و شاہدے کہ گرد خیال می گشت برکرسی نشست نخست
قرعۂ وحدت انداختم۔ و فصول خمسہ را در مجلد واحد جمع ساختم۔ و گروہے کہ بخلعت
جامعیت آراستہ اند۔ و بجواہر حیثیات پیراستہ مثل عرفان طرازی و نکتہ پردازی۔
ہم فصل فقرا را سرمایۂ طراوت بخشیدند۔ و ہم فصل شعرا را سامان نضارت۔ اما در
موضع اول دائرۂ استیعاب بر سطح ورق کشیدم و در موضع ثانی رشتۂ حوالہ درانگشت
قلم پیچیدم۔

شخصے خواست کہ نقل فصول شعرا بردارد۔ و فصلین فقرا و فضلا را واگذارد۔
درین صورت حال ارباب حوالہ معلق می ماند و کلام شاعرے بے ترجمہ خاطر مورخان
را بہ تسلی نمی رساند لہذا کتاب را بدو دفتر تقسیم کردم۔ و تفصیلیانِ دفتر اول را درین
دفتر نیز بر سبیلِ اجمال و استقلال بہ تحریر در آوردم۔

نام دفتر اول مآثر الکرام تاریخ بلگرام است مشتمل بر دو فصل فقرا
و فضلا نَوَّرَ اللّٰہُ مَضَاجِعَھُمْ

و نام این دفتر سرو آزاد است نیز محتوی بر دو فصل فصل اول در ذکر
صاحب طبعان فارسی اَیَّدَھُمُ اللّٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان
ہندی جَزَاھُمُ اللّٰہُ بِجَائِزَۃِ الْخَیْرِ

و برائے شعراء عربی انموذجے علیحدہ بزبان عربی طرح انداختم و فصحا...

را باشعراء فارسی مزج نساختم۔ کہ فارسی دانان بسیط مطالعۂ اشعار عربی را وا می گزارند۔ وکاتبان عجم زبان عرب را بہ تحریفات از صورت نوعے بر می آرند۔ وبہ تقریب مردم بلگرام جمعے دیگر را درین محفل خواندہ ام وقوافل سخن را از کجا تا بکجا رسانده۔ لمؤلفہ

این تازه سواد سرمۂ دیدار است	سرمایۂ بینشِ اُولیِ الابصار است
ہر چند تکلفے ندارد امّا	چون نقش فرنگ سادہ وپرکار است

اکنون تاریخ ترتیب کتاب ثبت می نمایم۔ ونظر ہا را بہ نہال سیرابی نضارت می افزایم ؎

خوشا مشاطۂ کلکِ ہنرمند	بہ رخسارِ ورق مالیده غازه
شنو از قمریانِ غیب تاریخ	نشاند آزاد سروِ سبز تازه

۱۱۶۶ھ

اُمید از حکماء این فن وحرکت شناسانِ نبضِ سخن آنکہ اگر خدمت نیازمند پسند اُفتد۔ نوشدار وے دعا مرحمت نمایند۔ واگر سقمے ملاحظہ شود۔ بہ معجون لطف معالجہ فرمایند۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَھُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْمُعِیْنُ

فصل اوّل در ذکر صاحب طبعان فارسی اَیَّدَھُمُ اللّٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

نخستین خامۂ زمزمہ سنج شرافت کلام موزون واصالت این دُرِّ مکنون بیان می سازد وسامعۂ سخن پرستان را باین حرف دلنشین می نوازد۔

ارباب سیر اتفاق دارند کہ در محفل اقدس رسالت پناہی ورسانندۂ نفائس وحی الٰہی عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَکْمَلُ التَّحِیَّاتِ نسیم سخن موزون می وزید وغنچۂ لعل مبارک بانبسم آشنامی گردید وہرگاہ خاطر ملکوت ناظر از استماع سخن می کشود مخاطب را بہ خواندن شعر دیگر پیہم اشارہ می فرمود۔

وموزونانِ پایۂ تخت رسالت را بہ ہجو مشرکان مامور می ساخت وطائفۂ

معنی طرازان را به انعام صلات و اقسام عنایات می نواخت خطاب[1] اُهْجُوا الْكُفَّارَ فَإِنَّهَا أَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِّنْ رَشْقِ النَّبْلِ[1] و نصب[2] منبر برائے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ و دعا[3] اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ و حدیث[4] هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاسْتَشْفٰى و عطائے[5] شیرین نام جاریہ بہ حسان رضی اللہ عنہ در وجہ صلۂ شعر و انعام[6] برد مبارک بہ کعب بن زہیر در جائزۂ قصیدہ بَانَتْ سُعَادُ مشہور است و در کتب معتبرہ مسطور۔

و در تفسیر قرطبی آوردہ قال کعب (ابْنُ مَالِكٍ) ؎

جَاءَ السَّخِينَةُ كَيْ تُغَالِبَ رَبَّهَا　　وَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود " لَقَدْ مَدَحَكَ اللّٰهُ يَا كَعْبُ فِي قَوْلِكَ هٰذَا و در روایتے آمدہ کہ حضرت فرمود اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَنْسَ ذٰلِكَ لَكَ یعنی بدرستی اللہ تعالے فراموش نکند ایں شعرے کہ تراست[7]۔

حواشی

مراد از سخینہ[8] بخائے معجمہ بروزن سفینہ قریش اند و در اصل سخینہ طعام است کہ از آرد و روغن ترتیب دہند۔ قریش این طعام را اکثر استعمال مے کردند و مردم دیگر ازین وجہ قریش را طعنہ می زدند تا حدیکہ نام ایشان سخینہ اُفتاد و لیغلبن صیغۂ مجہول است و مغالب صیغۂ اسم فاعل و غلاب صیغۂ مبالغہ یعنی آمدند قریش تا غالب شوند پروردگار خود را و ہر آئینہ مغلوب می شود غلبہ جویندہ بر کسے کہ سخت غالب است یعنی حق سبحانہ و تعالے۔

---

[8] تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۵۵ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۱ * [7] تفسیر در المنثور جلد ۵ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مصر۔ [8] مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۱ مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۲۷ ہجری۔

وشیخ جلال الدین سیوطی در خصائص کبری روایت مے کند کہ
نابغہ جعدی شعرے در حضور پُر نور حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وسلم خواندہ
فرمود اَجَدْتَ لَا یُفْضِضُ اللّٰہُ فَاكَ یعنی شعر جید گفتی نشکند خدائے تعالے
دندان ترا۔
عمر نابغہ یکصد وچند سال شد دندانے نہ ریخت[1]۔ ودر روایتے ہرگاہ
دندانے می اُفتاد بجائے آں دیگری روئید۔
وبیہقی در دلائل[2] بابے مستقل عقد کردہ وگفتہ بَابُ اُحْتِیَارِہٖ صَلَّے
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشِّعْرَ وحدیثے طویل آوردہ از جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ
حاصل مضمون حدیث آنکہ مردے نزد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم آمد وگفت
یارسول اللہ پدر من می خواہد کہ مالم بگیرد حضرت فرمود پدر خود را پیش من بیار۔
چون پدر او آمد۔ حضرت فرمود پسر تو می گوید کہ تو مال او را مے گیری۔ عرض کرد
کہ بپرس یارسول اللہ او را کہ مصرف مال او نیست مگر عمات وقرابات او۔ آیا
صرف نکنم آن را بر نفس خود وعیال خود۔ پس نازل شد جبریل علیہ السلام و
گفت یارسول اللہ این شیخ در نفس خود شعرے گفتہ است کہ تا گوش او نرسیدہ
یعنی ہنوز از زبان بر نیامدہ۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم پرسید آیا گفتی در نفس
خود شعرے۔ شیخ گفت لَا یَزَالُ یَزِیْدُنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ بِكَ بَصِیْرَۃً وَّیَقِیْنًا
یعنی ہمیشہ افزون کناد مارا اللہ تعالیٰ بتو بصیرت ویقین را۔ وہفت عدد

[1] دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ وخصائص کبری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ ہر دو مطبوعہ حیدرآباد دکن۔
[2] در نسخہ دلائل بیہقی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن تفحص نمودہ شد۔ اما این باب
حدیث مذکور بنظر نیامدہ۔ آرے این روایت مع ہفت عدد ابیات در کتاب سیرۃ محمدیہ مؤلفہ
مولوی کرامت علی دہلوی مرحوم مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۲۰ منقول است وصرف ابیات در شیخ محمد
تبریزی صفحہ ۲۰ و ۲۳ مطبوعہ یورپ بمقام برن سنہ ۱۸۲۸ء ہم موجود است۔

ابیاتے کہ گفتہ بود بعرض رسانید اولش این است ؎

غَذَوْتُكَ مَوْلُوْدًا وَّعَلْتُكَ يَافِعًا، تُعَلُّ بِمَا اُجْنِيْ عَلَيْكَ وَتَنْهَلُ

جابر رضی اللہ عنہ گوید فَبَکٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَخَذَ تَلْبِیْبَ اِبْنِہٖ وَقَالَ لَہٗ اِذْھَبْ فَاَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ یعنی گریست حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم از استماع ابیات۔ پس گرفت گریبان پسر را و فرمود برو۔ تو و مال تو پدر تر است"

مسئلہ تصرف پدر در مال پسر بقدر ضرورت ہمیں حدیث ثابت شدہ و در حدیث شریف آمدہ ذُکِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَّقَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۳)

و ابن سیرین گفت ھَلِ الشِّعْرُ اِلَّا کَلَامٌ لَّا یُخَالِفُ سَائِرَ الْکَلَامِ اِلَّا فِی الْقَوَافِیْ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَّقَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ"

مقصد آنکہ شعر فی نفسہ مذموم نیست بلکہ حسن و قبح راجع می شود بمدلول و درین امر خود نظم و نثر مساوی است۔ و معنی قبح آنست کہ مخالف شرع باشد مثل ہجو و شتم مسلمانے یا کذبے کہ موجب اضرار باشد نہ کذبے کہ محض برائی تحسین کلام آرند۔ چہ قصیدۂ بانت سعاد فراوان اغراقات دارد و متضمن تغزل با سُعاد و تشبیہ رضاب بشراب است ؎

تَجْلُوْ عَوَارِضَ ذِیْ ظَلْمٍ اِذَا ابْتَسَمَتْ ۔ کَاَنَّہٗ مَنْھَلٌ بِالرَّاحِ مَعْلُوْلٌ[۱]

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم این ہمہ را شنید و انکارے نفرمود[۲]

و ازین زیادہ تر آنکہ واصف حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم در حدیث کان

---

[۱] شرح بانت سعاد لابن ہشام الانصاری صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء

[۲] کتاب الموشی صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ یورپ ۱۳۰۲ ہجری بمقام بریل

عُنُقَهٗ جِیْدُ دُمْیَةٍ برای تصویر مدعا گردن مبارک را بہ گردن تمثال عاج تشبیہ دادہ و آن را مضایقہ ندانستہ۔

وقفال و صیدلانی کہ از اکابر علما اند گفتہ اند کہ کذب شعر کذب نیست زیرا کہ قصد کاذب تحقیق قول خود است یعنی کذب را صدق وا می نماید و قصد شاعر محض تحسین کلام است"

ازینجا ثابت شد کہ تخیلات موزونان برای تزئین اشعار و تحلیۂ بنات افکار جائز باشد و لِلّٰهِ دَرُّ الْقَائِلِ ؎

هُجْتُ بَانَتْ سُعَادُ نُوْبَ كَعْبٍ وَ اَعْلٰے كَعْبَهٗ فِيْ كُلِّ نَادٍ

و حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم گاہے مثل می زد بمصراعے و می فرمود راست ترین کلمہ کہ شاعر گفت کلمۂ لبید است ؎ اَلَاکُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ و احیانا تمثل می فرمود باین مصراع ؎ وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

و ہر جا در کلام الٰہی و حدیث رسالت پناہی ذم شعر و شعرا واقع شدہ باتفاق ائمۂ دین در بارۂ ژاژ خایان مشرکین است۔

اما نفی تعلیم شعر از حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم در کریمۂ[1] مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ از برائی آنست کہ اگر حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم فکر شعر شعار خود می ساخت پست فطرتان گمان می بردند کہ کلم مبارک بہ آیات بینات از جہت سلیقۂ زبانی است نہ سفارت ربّانی

و این نکتہ دیگر است واضح بر براعت این صناعت

معہٰذا احیانا از آن مرتبۂ جامع صلے اللہ علیہ وسلّم کلام موزون سر بر می زد۔ از انجملہ است ؎

[1] سورۂ یٰس ۳۶۔ آیت ۶۹۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

وگاہے اصلاح شعرے فرمود۔ سید محمد برزنجی مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ در بعض رسائل خود آوردہ کہ کعب بن زہیر در بیت

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ   مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٗ

سُیُوْفِ الْھِنْدِ گفتہ بود۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سُیُوْفِ اللّٰہِ ساخت۔

راقم الحروف گوید ظاہرا سبب اصلاح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آنست کہ لفظ زائد در کلام واقع نشود چہ مہند تیغے را گویند کہ مصنوع از آہن ہند باشد قَالَ الْجَوْھَرِیُّ الْمُھَنَّدُ السَّیْفُ الْمَطْبُوْعُ مِنْ حَدِیْدِ الْھِنْدِ

شبے در مدینہ منورہ عَلٰی مُنَوِّرِھَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ نکتۂ در فضیلت کلام موزون بر ضمیر این فقیر وارد گردیدہ وآن اینست کہ بخاری روایت می کند اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً۔ بر ضمائر حکمت پناہان وطبائع دقت دستگاہان ہویدا است کہ بعضے از شعر یعنی شعرے کہ شرعا محمود باشد مندرج در مفہوم حکمت است زیرا کہ مفہوم شعر اخص من وجہ از مفہوم حکمت است ومقصود ازین کلام بیان فضیلت شعر است پس سزاوار آنست کہ مخبر عنہ واقع شود ومقدم در ذکر باشد وحق عبارت این کہ گفتہ شود بَعْضُ الشِّعْرِ حِکْمَۃٌ اما حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً تقدم لفظی را بر اصل خود گذاشت برای اہتمام شان شعر وافادۂ حصر واسلوب معنوی را قلب کرد وحکمت را مخبر عنہ ساخت بجہت مبالغہ در مدح شعر یعنی ماہیت حکمت بعضے از شعر است ولازم آمد کہ جمیع افراد حکمت بعضے از شعر باشد ومندرج دران کہ اندراج ماہیت مستلزم اندراج جمیع افراد است وخبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از افادۂ حصر بتقدیم خبر وایراد کلام باسلوب تاکید چہ قدر بر مراتب مبالغہ افزود۔

---

[۱] شرح بانت سعاد لابن ہشام الانصاری صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء۔

ومدارج تفضیل شعر را تا کجا سطے فرمود پس معنی کلام شریف چنین شد کہ ہر آئینہ حکمت نیست مگر بعضے از شعر۔ لطف کلام صاحب جوامع الکلم را صلی اللہ علیہ وسلم باید دریافت کہ مبالغہ بہ شعر مناسبت داشت۔ این مناسبت شعرے را در کلامے کہ برائے مدح شعر آوردہ رعایت نمود و دستاویزے برائے جواز مبالغہ وقتیکہ مصلحتے شرعی مقتضی باشد افادہ فرمود صلی اللہ علیہ وسلم۔

وطیبی شارح مشکوٰۃ در بیان قول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا مے گوید کہ من تبعیضیہ است و مراد تشبیہ بیان بہ سحر است و حق کلام این کہ گفتہ شود ان بعض البیان کالسحر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلب کرد و خبر را مبتدا ساخت و اصل را فرع و فرع را اصل گردانید بجہت مبالغہ۔

و ابن ماجہ روایت می کند اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُمَا وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا یعنی کلمۂ حکمت گم شدۂ مومن است ہر جا کہ یابد آن را پس او سزاوارتر است بہ اخذ آن۔ و قید ہر جا یابد برای آنست کہ مے باید نظر این کس بہ مقول باشد نہ بہ قائل چنانچہ گفتہ اند اُنْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ

و در کفایۃ الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ گوید بعبارت عربی حاصلش اینکہ کلمۂ حکمت ضالۂ مومن است یعنی مطلوب است او را در کمال مطلوبیت پس لائق بحال مومن اینست کہ بجوید کلمۂ حکمت را چنانکہ می جوید کسے گم شدۂ خود را۔ این کلام بطریق ارشاد و تعلیم واقع شدہ نہ بطریق اخبار چہ بسا مومن کہ اصلا طلب ندارند یا بطریق اخبار واقع شدہ بحمل مومن بر فرد کامل انتہے و کلمۂ حکمت شامل باشد نثر و نظم را بجہت عموم لفظ۔ مؤید ثانی است اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً۔ طرفہ اینکہ اطلاق کلمہ بر قصیدہ ہم آمدہ۔ و در زمان قدیم شعر عرب ہمین قصیدہ بود۔ قَالَ الْجَوْھَرِیُّ اَلْکَلِمَۃُ الْقَصِیْدَۃُ بِطُوْلِھَا۔

اکنون باید دانست کہ در حدیث اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً اگر قطع نظر از مبالغہ کنند و اصل معنی اخذ نمایند یعنی بَعْضُ الشِّعْرِ حِکْمَۃٌ حاصل شود بانضمام او با حدیث ثانی شکل اول باین طریق بَعْضُ الشِّعْرِ کَلِمَۃُ حِکْمَۃٍ وَ اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَبَعْضُ الشِّعْرِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ۔ لفظ کلمہ در صغری زیادہ کردہ شدہ زیراکہ شعر حکمت قولی است و حجت قاطع است در اثبات نتیجہ آنچہ مسلم[1] روایت می کند کہ "گفت شرید صحابی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ردیف شدم رسول اللہ را صلی اللہ علیہ وسلم روزے فرمود آیا ہست با تو از شعر امیہ بن الصلت چیزے۔ گفتم ہست۔ فرمود بیار۔ پس خواندم بیتے را کہ خوش آمد حضرت را صلّی اللہ علیہ وسلّم و فرمود زیادت کن تا آنکہ من خواندم صد بیت

و ازین حدیث مستفاد شد استحباب طلب شعر محمود کہ نتیجۂ شکل اول است و استحباب طلب زیادت و استحباب انشاء شعر۔ و استحباب طلب از ہر جا کہ باشد چہ امیہ بن الصلت کافر بود۔ و حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمود اٰمَنَ لِسَانُہٗ وَکَفَرَ قَلْبُہٗ

در کتب سیر آمدہ کہ شعراء مدحت طراز حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صد و شصت و نہ از رجال و دوازدہ از نسا بودند و باستثناء کریمۂ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[2] سر امتیاز بآسمان می سودند۔ وہمچنین بسیارے از کبراء امت و فصحاء ملت کنوز سربستۂ عرش را بمفاتیح زبانہا کشودہ اند و نفائس معانی را باسلوب شعرا دا نمودہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

و اول کسیکہ جواہر سخن را در رشتۂ نظم کشید و این تحفۂ موزون را از خزانۂ غیب بہ قلمرو شہود رسانید آدم علیہ السلام است چون قابیل ہابیل را شربت شہادت

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر و تہذیب الاسماء صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ یورپ۔

[2] الشعراء ۲۶۔ آیت ۲۲۷۔

چشانید۔ مرثیۂ فرزند شہید در سلک نظم کشید از انست ؎

تَغَیَّرَتِ الْبِلَادُ وَمَنْ عَلَیْهَا   فَوَجْهُ الْاَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِیْحٌ

تَغَیَّرَ کُلُّ ذِیْ طَعْمٍ وَلَوْنٍ   وَقَلَّ بَشَاشَةُ الْوَجْهِ الْمَلِیْحِ

فَوَا اَسَفِیْ عَلٰی هَابِیْلَ اِبْنِیْ   قَتِیْلًا قَدْ تَضَمَّنَهُ الضَّرِیْحُ

ابن اثیر و جم غفیر این ابیات را بآدم اسناد کردہ اند و جمعے دیگر انکار نمودہ اند کہ انبیا عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ از گفتن شعر معصوم اند۔

و در تفسیر معالم التنزیل[1] از ابن عباس روایت کردہ کہ آدم علیہ السلام این مرثیہ را باسلوب نثر ادا نمود و بفرزندان وصیت فرمود کہ ہمیشہ متوارث شوند و برین مصیبت عظمیٰ رقت نمایند۔ چون بہ یعرب بن قحطان رسید۔ از زبان سریانی بلسان عربی ترجمہ کرد و موزون گردانید۔

امیر خسرو علیہ الرحمہ فرماید ؎

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم   دل باین محنت نہ از خود دادہ ایم

و مرزا صائب گوید ؎

آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود   طبع موزون حجت فرزندی آدم بود

اکثر مؤرخین آوردہ اند کہ اول کسیکہ شعر فارسی گفت بہرام گور است روزے بشکار رفتہ بود۔ شیرے را صید کرد و از غایت بشاشت این مصراع بزبانش گذشت ؎ منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ

دلارام چنگی کہ محبوبۂ او بود و ہر سخن کہ از بہرام سر بر می زد مناسب آن جواب ہم می رسانید۔ در مقابل گفت ؎ نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ[2]

---

[1] تفسیر المائدہ - ۵ آیت ۳۰ صفحہ ۸۰ جلد ۱ مطبوعہ بمبئی و مجمع الفصحاء[?] و عجم فی معاییر اشعار العجم صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ بیروت۔

[2] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۹ ۲ مطبوعہ یورپ و مجم فی معاییر اشعار العجم صفحہ ۱۶۹۔

و بعضے نوشتہ اند کہ در عہد عضد الدولہ دیلمی در کتابہ قصر شیرین کہ تا آن وقت سلامت بود۔ این بیت بزبان قدیم نوشتہ یافتند ؎

ہژیرا کیہان انوشہ بزی جہان را نگہبان و نوشہ بزی

ہژیر بضم ہا و کسر زای فارسی بمعنی خوب و نیکو و صاحب فرہنگ[1] سروری بفتح ہا گفتہ بروزن صفیر نوشتہ۔ و ازینجا بوضوح می رسد کہ وجود شعر فارسی پیش از زمان اسلام ہم بود۔

صاحب تاریخ صبح صادق نقل می کند کہ اول کسیکہ بعد از بہرام گور در عہد اسلام شعر فارسی گفت عباس مروزی است۔ چون مامون خلیفہ بمرو رفت قصیدۂ در مدح او پرداخت و صلۂ جزیل یافت۔ مطلعش اینست ؎

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین

ابتداء خلافت مامون سنہ ثلث و تسعین و مأتہ (۱۹۳) بودہ است۔

و بعضے قلمی نمودہ اند کہ یعقوب بن لیث صفّار کہ در احدی و خمسین و مأتین (۲۵۱) استیلا یافتہ پسر او روز عید با اطفال جوز می باخت ہفت جوز بہ گو افتاد و یکے بیرون ماند۔ پسر نومید شد۔ اتفاقاً جوز غلطیدہ بہ گو رسید از غایت سرور بزبان پسر گزشت ؎ غلطان غلطان ہمی رود تا لب گو[2]

این کلام بمذاق یعقوب خوش آمد و با فضلا در میان آورد۔ بعد از خوض مصراعے از بحر ہزج یافتند و مصراعے و بیتے دیگر ضم ساختہ دو بیتی نام کردند و رفتہ رفتہ رباعی نام شد اما در شعراء عرب تا حال دو بیتی نام دارد۔

و برخے آوردہ اند کہ ابتداء شعر فارسی در اسلام ابوحفص سغدی گفت و

---

[1] فرہنگ رشیدی جلد ۲ صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۷۲ء۔

[2] تذکرہ دولت شاہ صفحہ ۳۰ مطبوعہ یورپ۔

او در حدود سنہ ثلث مأتہ (۳۰۰) بودہ و شعرے کہ با او نسبت دہند اینست ؎

آہوے کوہے در دشت چگونہ دودا   یار ندارد بے یار چگونہ رودا

بالجملہ تا حدود ثلث مأتہ (۳۰۰) ہجری شرذمۂ قلیل اندک اندک شعر گفتہ بودند اما کسے بہ تدوین نپرداختہ تا در عہد سلاطین سامانیہ استاد رودکی ظہور کرد و دیوان شعر ترتیب داد و بمرور دہور پایہ سخن رسید بجائے کہ رسید

راسم اوراق درین صحیفہ جمعے از قافیہ سنجانِ متاخرین را کہ ابتداء ظہور یا انتہاء وجود ایشان بعد از ہزار (۱۰۰۰) ہجری است بر صدر بیان مے نشاند و بعد ازان موزونان بلگرام را رونق این انجمن می گرداند تا عرصۂ سخن را دستگاہے بہم رسد و نظر تماشائیان را جولانگاہے پدید آید۔ و دیوان ہر صاحب سخن کہ بدست اُفتاد و بتقریب انتخاب آن استفادہ دست بہم داد اشعار می رود و جز غزل و رباعی قسم دیگر کمتر ثبت مے شود۔

اکنون بہ تحریر تراجم روشن طبعان می پردازم۔ و چراغانے ترتیب دادہ چشم یاران را گرم تماشا می سازم۔

(۱) سحابی۔ مولانا سحابی استرآبادی

سحاب گوہر پاش اسرار است۔ و آفتاب سرگرم افاضۂ انوار و درارشاد حقائق و معارف بے نظیر اُفتادہ۔ و ارواح معانی را در چار عنصر رباعی بر وجہ احسن جلوہ داد مدت سی سال بجاروب کشی آستان نجف اشرف سعادت جاودانی اندوخت و دران فرصت قدم از روضۂ علیہ بیرون نگذاشت۔ و از حطام دنیا بہ حصیرے و ابریقے قناعت کرد و ہم دران بقعۂ مبارک در حدود سنہ عشر و الف (۱۰۱۰) فنائے صوری را بافنائے معنوی ہم آغوش ساخت۔

صاحب تاریخ صبح صادق نقل مے کند کہ وقتیکہ بکنار آبے رسید۔ خواست کہ بگذرد۔ پایش فرو رفت۔ با خود گفت این معنی از تعلق است و مرا بہیچ چیز جز دیوان شعر خود تعلقے نیست دیوان را در آب انداخت و چون پیک صبا بر روے دریا خرامان بگذشت۔

ہفتاد ہزار رباعی گفتہ بود از انجملہ قریب بیست ہزار کہ در سفائن مردم فرو دم بود باقی ماند۔ وَمِنْ اَنْفَاسِہِ النَّفِیْسَۃِ ؎

با ذات بہر صفت گرایند خوش است	نغمہ بہر آہنگ سرایند خوش است
از بہر خدا ہیچ عمل ضائع نیست	در خلد ز ہر درکہ در آیند خوش است

عالم چہ کنی و عالم آرائی را	ہمراز نگشتہ یار اسیرائی را
در خانہ اگر ہزار صورت باشد	درمان نکنند درد تنہائی را

بر خود در مدح و ذم سخنے باید زد	بیرون از صد قدم سخنے باید زد
عالم ہمہ آئینہ حسن ازلی است	مے باید دید دم سخنے باید زد

آنانکہ باصل کار نیکو بینند	کار این سو براہی آن سو بینند
زانگونہ کہ روی جامہ را خیاطان	این رو دوزند و حسن آن رو بینند

(۲) فیضی و فیاضی شیخ ابو الفیض اکبر آبادی

طوطی ہند سخن گستری است۔ و ملک الشعراء درگاہ اکبری۔ در طبقۂ سلاطین تیموریہ ہند اول کسیکہ بخطاب ملک الشعرائی تحصیل مباہات نمود غزالی مشہدی است کہ از پیشگاہ اکبر بادشاہ باین خطاب نامور گردید۔ و بعد رمیدن او از صحرائے فنا بمرغزار بقا شیخ فیضی باین لقب بلند آوازہ گشت و در عہد جہانگیر بادشاہ طالب آملی و در زمان صاحبقران شاہ جہان انار اللہ برہانہ ابو طالب

کلیم ہمدانی باین خطاب سکۂ تفاخر در آفاق زدند۔

و بر متتبعان اخبار موزونان روزگار ہویدا است کہ از شعراء ولایت ایران و توران کسانیکہ بمداحی سلاطین و امراء ہند پرداختہ دو قسم اند۔ قسم اوّل جمعے کہ از اوطان خود بگلگشت ہند شتافتہ اند۔ و صحبت ممدوحان دریافتہ مثل حکیم روحانی سمرقندی صاحب تاریخ صبح صادق گوید[1] کہ سلطان شمس الدین ایلتمش والی دہلی در سنہ ثلث و عشرین و ستمائۃ (۶۲۳) قصد رنتھنبور کرد و گرفت پس بمندور رفت و استیلا یافت۔ حکیم روحانی سمرقندی در آن آوان از بخارا بخدمت او پیوست و قصیدہ بعرض رسانید و صلۂ جزیل یافت مطلعش این است ؎

خبر باہل سما برد جبرئیل امین زفتحنامۂ سلطان عصر شمس الدین

و مثل بدر چاچی کہ در پایان عمر بہند خرامید و مشمول فراوان عنایت و رعایت سلطان محمد تغلق شاہ گردید و بہ فخر زمان مخاطب گشت۔ دیوانش بین الجمہور مشہور است۔ طور خاصے دارد و تشبیہ کنایت اکثر بکار می برد و مثل شیخ آذری اسفراینی کہ بعد تحصیل زیارت حرمین مکرمین شرفہما اللہ تعالی بسیر ہند شتافت و با سلطان محمد نبیرۂ رایات اعلی خضر خان فرمانروائے دہلی برخورد و از انجا رو بدکن آورد سلطان احمد شاہ بہمنی باعزاز و اکرام پیش آمد۔ اتفاقاً سلطان دران ایام شہر بیدر بنیاد می کرد و دار الامارۃ در کمال شکوہ طرح انداخت شعراء پاے تخت کتابۂ عمارت بنظم آوردند۔ شیخ آذری ہم چند بیت موزون ساخت۔ از انجملہ است این دو بیت ؎

حبذا قصر مشید کہ ز فرط عظمت آسمان پایۂ از سدۂ این درگاہ است

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۵۰ مطبوعہ بمبئی۔

آسمان ہم نتوان گفت کہ ترکِ ادب است ۔۔۔ قصرِ سلطانِ جہان احمدِ بہمن شاہ است

سلطان درو جہ صلہ دوازدہ ہزار بستۂ قماش عنایت نمود شیخ گفت لا تحمل عطایاکم الّا مطایاکم۔ سلطان بیست ہزار تنکہ دیگر وجہ کرایہ راہ رعایت فرمود شیخ باحمال واثقال بخراسان عطف عنان نمود[1] مثل شہیدی قمی کہ بعد فوت سلطان یعقوب بدیارِ ہند ہجرت برگزید و در دکن و گجرات زندگانی بسر برد۔ صاحب تاریخ فرشتہ گوید[2] کہ چون اسماعیل عادل شاہ در سنہ ست وثلثین وتسعمأتہ (۹۳۶) قلعہ بیدر مفتوح ساخت وخزائن را بکلید سخاوت برروئے خلائق باز کرد۔ مولانا شہیدی قمی کہ از کمال شہرت از تعریف مستغنی است درآن مدت از خطۂ گجرات آمدہ بود۔ و بواسطۂ سمت شاعری کمال تقرب نزد سلطان پیدا کرد۔ سلطان حکم فرمود کہ بخزانہ رفتہ آن قدر زر احمر کہ حملش مقدور باشد بردارد۔ چون مولانا از رنج سفر فی الجملہ ضعف و ناتوانی داشت بعرض رسانید کہ روزے کہ از گجرات متوجہ این درگاہ می شدم دوچندان این قوت داشتم چہ باشد کہ بعد از چند روز کہ آن توانائی عود نماید برین خدمت روح پرور سرافراز شوم۔ سلطان سخن پرور نکتہ گزار لب بہ تبسم شیرین کردہ گفت نشنیدۂ کہ آفتہاست در تاخیر وطالب را زیان دارد۔ باید کہ دودفعہ بخزانہ رفتہ آنچہ از دست برآید تقصیر نکنی۔ و وقت فرصت غنیمت شماری۔ چون این حکم عین مدعاے مولانا بود شگفتہ وخندان از مجلس برخاستہ دوکرت بخزانہ شتافت وہمیانہاے بیست وپنج ہزار ہون طلا بیرون آورد۔ چون خازن این خبر بسمع بادشاہ رسانید۔ فرمود مولانا راست مے گفت کہ من قوت ندارم۔ ونزاکت این کلام برارباب ادراک واضح وروشن است

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۶۲۷ مطبوعہ بمبئی وتذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۴۰۰ مطبوعہ یورپ۔
[2] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۴ مطبوعہ بمبئی۔

کہ ہم جانب خوش طبعی منظور است وہم جانب ہمت۔ قسم ثانی۔ جمعے کہ قدم سعی باین دیار نفرسودہ اند۔ وغائبانہ تحفہ گرانمایۂ مدح ارسال نمودہ۔ مثل[1] خواجہ حافظ شیرازی قدس سرہٗ کہ بدرگاہ سلطان غیاث الدین والی بنگالہ غزلے فرستاد۔ این دو بیت ازان است ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ مے رود

حافظ زشوق مجلس سلطان غیاث دین — غافل مشو کہ کار تو از نالہ مے رود

ومثل عارف[2] جامی قدس سرہٗ کہ اورا با ملک التجار خواجہ محمود گاوان امیر الامراء سلطان محمد شاہ بہمنی والی دکن ارتباط خاص بود وارمغان مدائح ارسال می فرمود۔ ازانجملہ قصیدہ ایست کہ یک بیتش این است ؎

ہم جہان را خواجہ وہم فقر را دیباجہ است — سر الفقر است لیکن تحت استار الغنا

ودر خاتمۂ غزلے می فرماید ؎

جامی اشعار دلاویز تو جنسی است لطیف — بودش از حسن ادا لطف معانی تارش

ہمرۂ قافلۂ ہند روان کن کہ رسد — شرف مہر قبول از ملک التجارش

امادر عہد اکبر بادشاہ عدد ہر دو قسم بحد کثرت رسید۔ وبازار ہر دو گروہ نہایت گرم گردید۔ طائفۂ اولی عیان اند۔ ومستغنی از اطالت بیان۔ وطائفۂ ثانی را شیخ ابو الفضل در آئین اکبری[3] بیان می کند و می گوید :-

"وآنانکہ سعادت بار نیافتند و از دور ستایش گیتی خداوند را نثار گزارند بس انبوہ چون قاسم[1] گونابادی۔ ضمیری[2] سپاہانی۔ وحشی[3] یافقی۔ محتشم[4] کاشی۔ ملک[5] قمی۔ ظہوری[6] ترشیزی رشکی[7] ہمدانی۔ ولی[8] دشت بیاضی۔ بیکی[9]۔ نظیری[10]۔ صبری[11] اردستانی۔ فکاری[12] اسفرائنی۔ میر[13] حضوری قمی۔ قاضی[14] نوری سپاہانی۔ صافی[15] بمبی۔ طوفی[16] تبریزی۔"

---

[1] ریاض السلاطین صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء۔
[2] فرشتہ جلد اول صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ بمبئی۔ [3] آئین اکبری جلد اول صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ نولکشوری لکھنؤ سنہ ۱۸۸۲ء۔

وازجملهٔ ثانی شیخ علی نقی کمرہ قصیدهٔ سی و پنج بیت در ستایش شیخ فیضی پرداخته و از صفاهان بهندروان ساخته از آن است ؎

مرا فگند بر نظم امورم پرتو فیضی — ابوالفیض آن گزینِ اکبر و شیخ کبیرِ من

ظهیر قدوهٔ پیشینیان حتے ظهیر الدین — امیر زبدهٔ اہل زمان حتی امیرِ من

اگرہستم مجیر اندر سخن او ہست خاقانی — وگر من منتجیرم آستان او مجیرِ من

کیم با او رسد در شاعری دعوائے ہمچشمی — کہ در این خانقاہم من مرید و او ست پیرِ من

زمین ہند با قربِ درش نعم النعیم دل — ہوائے خلد دور از حضرتش بئس المصیرِ من

و شیخ فیضی را وقت سفارت برہان شاہ والی احمد نگر با ملا ملک قمی و ملا ظهوری ترشیزی ملاقات واقع شد و صحبت کبری افتاد۔ بعد معاودت از جانبین ابواب محبت نامہا مفتوح بود

ملا ظهوری نثر لطیفے در مدح شیخ فیضی بقلم آوردہ۔ حکیم عین الملک شیرازی مکتوبات شیخ جمع نمودہ و در خاتمۂ مکتوبات۔ نثر مذکور مندرج ساخته۔

مرزا صائب علیہ الرحمہ او را بخوبی یاد می کند و می فرماید ؎

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت — در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

احوال شیخ فیضی تفصیلا در فصل ثانی از دفتر اول بپیرایۂ بیان پوشیدہ اینجا آنچہ مناسب منصب شاعری است سمت گذارش می یابد۔

نامش ابوالفیض است۔ سالہا فیضی تخلص کرد۔ آخر فیاضی قرار داد و اشعار باین معنی می نماید ؎

زین پیش کہ سکہ ام سخن بود — فیضی رقم نگین من بود

اکنون کہ شدم بہ عشق مرتاض — فیاضیم از محیط فیاض

پادشاہ او را بنظم خمسہ مامور ساخت۔ در مدت پنج ماہ کتاب نل دمن چهار ہزار

دو بیت بیت مقابل لیلی مجنون موزون ساخت و با اشرفیہا از نظر پادشاہ گزرانید۔ درجۂ استحسان یافت۔ حکم شد کہ نسخۂ دیگر نوشتہ مصوّر سازند۔ و نقیب خان در حضور می خواندہ باشد۔ ازان کتاب است ؎

بانگِ قلم درین شبِ تار — بس معنی خفتہ کرد بیدار

و در برابر مخزن اسرار مرکز ادوار نقش بست و آن سواد را بعد وفات او شیخ ابوالفضل بہ بیاض رسانید

و در پہلوی شیرین خسرو۔ سلیمان بلقیس و در ازاء سکندر نامہ۔ اکبر نامہ و در تقابل ہفت پیکر ہفت کشور آغاز کرد اما باتمام نرسانید

از مقطعات اوست ؎

منم فیضی کہ در میدانِ معنی — چو من چابک سوارے تیز تگ نیست

بجلد شعر من از پوست تا مغز — ہجائے مردم ناپاک رگ نیست

بدان می ماند این پاکیزہ گفتار — کہ در دیوان حافظ نام سگ نیست

شیخ محمد یحییٰ الہ آبادی در کتاب اعلام الانام گوید۔ صاحب قطعہ را این بیت بنظر نرسیدہ ؎

شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی — چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

راقم الحروف گوید در بعضے نسخ دیوان خواجہ حافظ بجائے لفظ حافظ لفظ عاشق واقع شدہ و مقطع چنین است ؎

مزاج دہر تبہ شد درین بلا حافظ — کجاست فکر حکیمے و راے برہمنے

از حسن اتفاقات اینکہ چیزے کہ شیخ فیضی مے خواست در دیوان فقیر آزاد موجود است و ازین لفظ مبراست۔

دیوان شیخ فیضی بنظر درآمد متضمن اصناف شعر است۔ بیتے چند از غزلیات

او فراگرفته شده

نماند گریه شبِ وصل بیقراران را | سهیل طلعتِ آن ماه بُرد باران را
خبر برید شبِ عید پیر مصطبه را | که راست می کنم امشب قصه رسی شب را
اگر سرِ نکشم سوی بیخودی چه کنم | مرا ز همدمے خود ملال مے گیرد
شدیم خاک ولیکن ز بوی تربتِ ما | توان شناخت کزین خاک مردمی خیزد
مژگان مپوش چون قدم از دیده میکنی | مردانِ ره برهنه نهادند پائے را
آنچه به فیضی نظرِ دوست کرد | مشکل اگر دشمنِ جانی کند

رباعی

برما چه زیان اگر صفِ اعدا زد | مشتے خاشاک لطمه بر دریا زد
ما تیغ برهنه ایم در دستِ قضا | شد کشته کسے که خویش را بر ما زد

(۳) انیسی شاملو یولقلی بیگ

نکته سنجِ یگانه است و انیس معانی بیگانه - از ایران دیار به سیر هند خرامید. ومدتها در ظل عاطفت خانخانان آرمید - وفاتش در برهان پور در سنه ثلث عشر و الف (۱۰۱۳) واقع شد -

انیسی نظم قصهٔ محمود و ایاز شروع کرده بود - هادم اللذات قطع سخن کرد و آن نقش صورت اتمام نپذیرفت - از انست در وصف چشمه

بجدے سرد کز بیم فسردن | نیارد عکس در وے غوطه خوردن
برم ما غم تو هر نفس بخانهٔ خویش | چنانکه مرغ برد خس بآشیانهٔ خویش
یادگار از ما درین عالم غم بسیار ماند | رفت اگر آتش نشانِ دود بر دیوار ماند
خبرِ گل مرسانید به مرغانِ قفس | کس چراغ مژدهٔ نوروز بزندان آرد

قاصد ادای نامہ نتواند نہ حرفِ شوق حیف از زبان کہ بالِ کبوتر نمی شود

(۴) نوعی ملا نوعی خبوشانی

نوع کلامش جنس عالی است۔ و رشحۂ اقلامش بقیمت لآلی۔ مرزا صائب گل دعای بر تربت او افشاند و می فرماید؎

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد

ابتداء حال از متوسلان شہزادۂ دانیال ابن اکبر بادشاہ بود چون او شنقار شد دامنِ دولت خانخانان گرفت و قصائد و ساقی نامہ در مدح او پرداخت و بکرات و مرات جوائز گرانمند اندوخت۔ یک دفعہ دہ ہزار روپیہ نقد و خلعت فاخرہ و زنجیر فیل و اسپ عراقی صلۂ شعر گرفت۔ ملا نسبی درین باب گوید؎

زنعمت تو بہ نوعی رسید آن مایہ کہ یافت میر معزی ز دولت سنجر

زگلبنِ املش صد چمن گلِ اُمید شگفت تا کہ بمدح تو شد زبان آور

درعہد اکبر بادشاہ نوجوان ہندوئے شبِ طوی خود را اکبر آباد از بازار سقف میگذشت قضارا سقف فرود آمد۔ نوجوان بر خاک ہلاک اُفتاد۔ عروس نامراد کہ در نہایت رعنائی و کمال خوش سیمائی بود بآئین خود قصد سوختن کرد۔ اکبر بادشاہ درحضور خود طلبیدہ ہر چند منع نمود۔ وامیدوار فراوان ناز و نعمت ساخت۔ زن بپا مُردی ہمت از جان رفت و پروانہ وار خود را بر آتش زد۔ ازینجا ست کہ شعراء زبان ہند در اشعار خود عشق از جانب زن بیان می کنند کہ زن ہندو ہمین یک شوہر می کند۔ و او را سرمایۂ زندگی می شمارد و بعد مُردن شوہر خود را با مُردہ شوہر می سوزد۔ امیرِ خسرو علیہ الرحمہ می گوید؎

خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش کز برای مردہ سوزد زندہ جانِ خویش را

واز غرائب اتفاقات آنکه در قرآن مجید قصۂ عشق زن بر مرد واقع شده یعنی قصۂ یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔

مُلّا نوعی حسب الامر شاہزادہ دانیال در واقعہ مذکور مثنوی سوز وگداز بنظم آورد۔ از انست ؎

جمالِ ناز را پیرایہ نو کرد	عبارت را تبسّم پیشہ کرد

واز ساقی نامۂ اوست ؎

بدہ ساقی آن ارغوانی نبید	کہ روز خرابان بپایان رسید
بگردان زرہ عمر برگشتہ را	چو شاہ نجف روز شب گشتہ را

وفات نوعی در برہان پور سنہ تسعۃ عشر والف (۱۰۱۹) اتفاق اُفتاد۔ دیوانش بمطالعہ در آمد و این ابیات حاصل شد ؎

زان پیش کہ صبح از شبِ اُمید برآید	بکشا دہنِ شیشہ کہ خورشید برآید
دست فرسودِ تمنا دلِ شیدائی نیست	این گل طور بود لالۂ صحرائی نیست
بادہ می خواہم بہ سیرِ ماہتابم کار نیست	ہیچ مہ چاردہ چون ساغرِ سرشار نیست
شرابِ مطرب ودلدار در مقابلہ بود	میانِ دیدہ و دیدار شرم فاصلہ بود
ما بے سواد علم معاشِ زمانہ ایم	مفلس شریک مایۂ این کارخانہ ایم
ما عاشق وجز خانہ خرابی فنِ ما نیست	خصم است بخود دہر کہ بجان دشمن ما نیست
یکروز صبا بوی گلے برد بہ یعقوب	بگریست کہ این نکہت پیراہنِ ما نیست
نسیم مصر بجاروب گل دماغم رُفت	اگر غلط نکنم بوے یار مے آید
سبوی بادہ سلامت کہ زینت دوش است	سرے کہ مائیہ در داست گو بدوش مباش
تو روی آئینہ دما قفاے آئینہ ایم	چنانکہ از تو بہ از ما نکوے نے آید
چو جام بادہ مسخر شود بدعوتِ صبح	چہ لازم است کہ تسخیر آفتاب کنند

ہر ذرہ زاجزای جہان تابع رنگے است ۔۔۔ در بادہ گرت خصم نمک ریخت شکر گیر

(۵) نظیری ۔ مولانا نظیری نیشاپوری

سخن سرسبزش نظیر فیروزۂ نیشاپور است ازانش نظیری خوانند۔ و دیوان رنگینش رشکِ نگارخانۂ فغفور است ازانش بے نظیر دانند۔

مرزا صائب گوید ؎

صائب چہ خیال است شود ہمچو نظیری ۔۔۔ عرفی بہ نظیری نرسانید سخن را

و ظاہر است کہ ترجیح دادن مرزا نظیری را بر عرفی و بر خود مطلق نخواہد بود کہ عرفی در قصائد چرب است و مرزا در غزل خود می فرماید ؎

بلبلِ خوش نوائے نیشاپور ۔۔۔ خجل از طبع بے نظیر من است

مولانا نظیری فیروزہ وار از نیشاپور برآمدہ در ہندوستان بہ یمن جوہر شناسی خانخانان نامے برآورد و قصائد غرا در مدحت خانخانان بر صفحۂ روزگار ثبت نمود۔ و صلات گرانمایہ اندوخت۔ بعد چندے بدلالت خضر توفیق احرام حرمین محترمین بربست و بعد احراز این سعادت کبری رخت عود بہ ہندوستان کشید۔ و در گجرات ۔ احمد آباد رنگ توطن ریخت۔

وقتے جہانگیر پادشاہ گنبد عمارتے امر فرمود۔ مولانا غزلے گفتہ بعرض رسانید کہ مطلعش این است ؎

این خاک درت صندلِ سر گشتہ سلاطین ۔۔۔ باد امژہ جاروب رہت تاجوران را

پادشاہ در جائزہ قریب سہ ہزار بیگہ زمین انعام فرمود۔

شیخ محمد مندوی متخلص بغوثی در کتاب گلزار ابرارے گوید ؛۔

”مولانا نظیری نیشاپوری حاجی الحرمین درویش طبیعت صوفی سیرت ۔ مہذب الاخلاق بود

"در آخر روزگار زندگانی عنان نظم تراشی بصوب طرز گفتار صوفیان وحدت گزار منعطف
"ساخته۔ نخست سواد عبارت عربی از مصاحبت نگارندۂ گلزار ابرار روشن ساخت سپس
"دوازده سال که تتمۂ عمر او بود در احمد آباد اقامت گزیده علوم دینی تحصیل کرد و تصحیح تفسیر و
"حدیث از خدمت مولانا حسین جوہری وارہ نمود و در ہزار و بیست و سہ (۱۰۲۳) بعالم
"قدس خرامید انتہیٰ۔

قبرش در تاج پورۂ احمد آباد واقع شده و بر قبرش گنبدے تعمیر کرده اند این چند بیت از دیوانش انتخاب اُفتاد ے

جز نام صنم نقش مکن لوح جبین را — تا چپ نکنی راست نخوانند نگین را

بے عشق عقل راہبرے در دماغ نیست — بد سوزد آن فتیله که از شعله داغ نیست

شرم می آید ز قاصد طفل محجوب را — بر سر راہش بہ بیند از پے مکتوب مرا

مبین بعیب و قبولم که در پناه توام — اگر بدم و دو جہانم که نیک خواه توام

وگر خدا بردای دل سر کجا داری — که یکدو روز شد آتش بزیر پا داری

جرم من است پیش تو گر قدر من کم است — خود کرده ام پسند خریدار خویش را

می گریم و از گریه چو طفلم خبرے نیست — در دل ہوسے ہست ندانم که کدام است

به مہربانی او اعتماد نتوان کرد — که تازه عاشقم و خاطرش بمن صاف است

این رسمہاے تازه ز حرمان عہد ماست — عنقا بروزگار کسے نامہ بر نشد

توان ز نامۂ من یافت اشتیاق مرا — عیار شوق باندازۂ سخن باشد

به بیع عشوه برم جان که مست ناز مرا — اہانت است که خود بر سر متاع آید

دو لنتے بود که مردیم بہنگام وداع — آن قدر زنده نماندیم که محمل برود

یک توجه از تو در کار است و صد عالم مراد — غم ندارم گر اجابت با دعا دشمن شود

تو کار خود به غمزۂ معشوق واگزار — بیطاقتی مکن که نکویان نکو کنند

مسافرانِ چمن نارسیده در کوچ اند | شگوفه می رود و شاخ بار می آرد
کمر و خدمتِ عمریست می بندم چه شد قدرم | برہمن می شدم گر این قدر زنّار می بستم
بوی یار من ازین سست وفا می آید | گلم از دست بگیرید که از کار شدم
نازم باین شرف که غلام محبتم | لافِ نسب ز نسبتِ آدم نمی زنم

(۶) سنجر میر سنجر خلف میر حیدر معمّائی کاشی

سخنش ہموار است و گہرش آبدار۔ دیوانش بنظر امعان در آمد۔ غزل و قصیدہ و مثنوی یک رُتبہ دارد۔

در سلک ملازمان اکبر بادشاہ انتظام داشت و قصائد فراوان در شناطرازی بادشاہ و شاہزادہ ہا و امراء اکبری بنظم آوردہ و با میرزا جانی والی تتہ نیز مربوط بود و زبان بمداحی میرزا جانی و میرزا غازی ترخان کشود۔

در اواخر عہد اکبری جانب بیجاپور حرکت کرد۔ و در ظل عنایت ابراہیم عادل شاہ قرار گرفت۔ عادل شاہ در ملازمت نخستین خلعت ملبوس خاص و انگشتر زمرد بیش بہا عطا فرمود۔ و شکستہ حالی او را بمومیائی لطف و احسان مداوا نمود۔

میر در اشعار خود شکایت بسیار از دستِ روزگار دارد۔ و در زمرۂ ممدوحان خود از ابراہیم عادل شاہ اظہار رضا می کند و در مدح او می گوید ؎

دو شاہ شاعر پرور بلند نام شدند | نخست والیِ غزنین دوم خدیو دکن
رسد بعہد تو شاعر بہ پایۂ ملکی | زہے نوازش شاہ و زہے ظہور سخن

اشارہ بملا ملک قمی و ملا ظہوری ترشیزی ہر دو شاعر مشہور پای تخت ابراہیمی در ایام اقامت بیجاپور فرمان طلب شاہ عباس ماضی با خلعت فاخرہ بنام او صدور یافت اما پیش از وصول فرمان۔ منشور اجل نام زد گردید و این صورت

در سنہ احدی وعشرین والف (۱۰۲۱) روداد۔ مصرع "افگند بادشاہ سخن چتر سنجری" تاریخ است۔ مؤرخ دو عدد زائد را بہ حسن تعمیہ افگندہ۔

۱۰۲۳
۲
۱۰۲۱

این چند بیت از غزلیات سنجر بہ انتخاب در آمدے

شهر حسن است بر جانب بازار مرا — تو نخواهی دگرے هست خریدار مرا

نہ تاب دیدن و نے طاقت شکیبائی است — تو چون نقاب کشی رحم بر تماشائی است

محققان کہ ز دریای علم در جوش اند — چو کوہ تا نکنی شان سوال خاموش اند

آتش خرمن منی شبنم کشت دیگران — دوزخ من چرا شدی ای تو بهشت دیگران

ای بخت صبح عشرت تا کے بخواب بینی — بردار سر ز بالین تا آفتاب بینی

راہے نبرد گوش بہ راز نہان ما — در قفل دل شکست کلید زبان ما

ناخواندہ گرچہ آمدہ ام زود می روم — طبع ترا زیادہ مکدر نمی کنم

الماس بدل پاشم و منت کشم از خود — من لذت این زخم بسوزن نہ پسندم

اگر از دامن محمل کشیدم دست بینابی — بہ پاے ناقہ افتادم بہ گرد ساربان گشتم

ما عجز دشمنیم حریفان زبون طلب — ای خون ما بہ گردن طبع غیور ما

ای غم ہجر بیش ازین جائے تو نیست در دلم — پا بگذر از ین سرا یا بنما قبالہ را

امشب ای ہمسایہ و مہمان من از خود رفتہ ام — گر کسے احوال من پرسد بگو در خانہ نیست

مہر آمد بہ تماشای تو با تیغ و ترنج — گو بیا گر ہوس دست بریدن دارد

مرا کہ سینہ زمین نمک فروشان است — داغ سوزی مرہم بہ داغ من غلط است

نیست او را سر آزادی این مرغ اسیر — ورنہ صد مرتبہ گرد اند بگرد سر خویش

این زمان بے نسیتم سنجر و گرنہ پیش ازین — دست من در زلف او گستاخ تر از شانہ بود

(۷) زمانی - ملا زمانی یزدی

علتِ این تخلص آنست کہ مذہب تناسخ داشت۔ وخود را شیخ نظامی گنجوی پنداشت
و این خام خیال را در عالم تال می آرد۔ کہ ؎

از یزد بر آمدم چو خورشید	در گنجہ فرو شدم پے دید
ہر چند فرو رود بر آید	ہر کس کہ چو مہر بر سر آید

و او دیوان لسان الغیب را غزل بغزل جواب گفت۔ و دم ہم صفیری بلبل شیراز زد و دیوان خود را نزد شاہ عباس ماضی برد و عرض کرد کہ دیوان خواجہ را جواب گفتہ ام۔ شاہ فرمود خدا را چہ جواب خواہی گفت۔ کلیات او دہ ہزار بیت است مؤلف صبح صادق سال وفات او در سنہ احدی وعشرین والف (۱۰۲۱) نوشتہ و ناظم تبریزی در تذکرۂ خود گوید" وفات او در سنہ ہزار و ہفدہ (۱۰۱۷) واقع شد"
غنچۂ تاملش باین رنگ می شگفد ؎

باین فسانہ مگر عمرِ ما دراز کنید	حکایت از قدِ آن یارِ دلنواز کنید
کہ آخرین نفسش عذر خواہی سنگ است	ہلاک شیشۂ در خون نشستۂ خویشم
وگرنہ سوسنِ آزاد در فسانۂ تست	زبانِ حال خموشان کسے نمی داند

(۸) شانی - شانی تکلو

در سخنوری شانے بلند دارد۔ و مکانے ارجمند۔ مولانا فصیحی ہروی در مدح او قطعۂ طویل الذیلے می پردازد۔ و در عنوانِ آن می طرازد ؎

زمین ببوس اگر آسمان دہد دستور	صبا بکوی دل آشفتگانِ عشق گذر
کہ ای ضمیر تو چون چشم عقل سایۂ نور	بگو بمردمکِ دیدۂ ہنر شانی

نوآن مسیح مقالی کہ ملک معنی راست   بیاض جبہۂ کلک توصبحگاہِ نشور

واواز ثنا طرازانِ پایۂ سریرِ شاہ عباس ماضی است۔ وبنظر التفات شاہ
اختصاص داشت۔ ودرصلۂ این بیت ؎

اگر دشمن کشد ساغر وگر دوست   بطاقِ ابروی مستانۂ اوست

شاہ اورا بزر کشید و مبلغ ہم سنگ عنایت کرد۔

شانی درا واخر زندگانی در مشہد مقدس گوشۂ انزوا برگزید۔ واز سرکار شاہی بوظیفہ ببیست تومان موظف گردید۔ فوتش در سنہ ثلث وعشرین والف (۱۰۲۳) واقع شد "پادشاہ سخن" تاریخ است۔

چراغ فکرش چنین پرتومی دہد ؎

چہ خوش است باد وزلفت سرِ شکوہ باز کردن   گلہ ہائے روزِ ہجران بشبِ دراز کردن
لذت آزار گر این است پیکان ترا   ہیچ اجرے نیست در محشر شہیدانِ ترا
ہر قاصد آہے کہ بسوی تو فرستم   ہمچون نفسِ باز پسین باز نیامد
چون مرغ گرفتار بہ اُمید رہائی   ہرچند کہ پرواز کنم در قفس اُفتم
نیست ممکن کہ گریزیم زغزالانِ خیال   ورنہ مجنونِ تو تنہا تر ازین می بایست

(۹) شکیبی۔ محمد رضا بن خواجہ عبداللہ صفاہانی

از نژاد خواجہ عبداللہ امامی است کہ عارف جامی در نفحات الانس بہ تحریر احوالش پرداختہ۔ واو فرزند خواجہ امین الدین حسن باشد کہ حضرت لسان الغیب اورا یادمی کند و می فرماید ؎

بر ندی شہرہ شد حافظ بسان چندین ورع لیکن   چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

شکیبی در سنہ اربع وستین وتسعمائۃ (۹۶۴) متولد شد بہ سخن علوم در شیراز و تحصیل

درصفاهان تحصیل کرد- و به ارادهٔ سیر هند درکشتی نشسته خود را به ساحل بندر چیول کشید
و از انجا به قصدِ ادراک خانخانان که دران ایام در گجرات بود- عازم گجرات شد اتفاقاً
خانخانان دران فرصت به آگره رفته بود شکیبی از گجرات به آگره شتافت- و خانخانان
را دریافت- و با او سیر سنده و دکن کرد- و در سنه ست والف (۱۰۰۶) از خانخانان
جدائی ورزید- و در سرونج از توابع مالوا رسیده بیماری صعب کشید- و نذر کرد اگر شفا
حاصل شود خود را بزیارت حرمین شریفین رساند- از برکات این نیت شفا دست بهم
داد- و در سنه اثنا عشر و الف (۱۰۱۲) کمر ایفاء نذر محکم بربست- و این سعادت عظمی را
حاصل نمود- و بعد سه سال از راه بندر سورت برگشت- و در برهان پور با خانخانان
برخورد و در سنه ثمانیه عشر و الف (۱۰۱۸) التماس گوشه نشینی کرد خانخانان برای او
سیورغال و صدارت دهلی از درگاه جهانگیری برگرفت- و باین تقریب در دار الخلافه
دهلی بدل جمعی فروکش کرد- تا آنکه در سنه ثلث و عشرین و الف (۱۰۲۳) محمل سفر بعالم دیگر بربست
شاعر خوش طبیعت صاف فکر است- ساقی نامه برای خانخانان در سلک نظم کشید
و بصلهٔ ده هزار روپیه جیب و دامن آرزو پُر کرد- ازان است ؎

بیا ساقی آن آب حیوان بده ** زسرچشمهٔ خان خانان بده
سکندر طلب کرد لیکن نیافت ** که در هند بود او بظلمت شتافت

ای خدا جنس مرا از جیب بازار سے بده ** می فروشم دل بدیدار سے خریدار سے بده
شکسته دل نشویم ار ترا سر جنگ است ** که آبگینهٔ ما هم طبیعت سنگ است
تو غنچهٔ سحر و من چراغ صبحدمم ** تو خنده برلب و من جان در آستین دارم
پروانه نیک رفت که در پیش شمع سوخت ** آنکش که سوختن نما ثبا نه چیست

رباعی

نردلیست جهان که بردنش باختن است ** نرد ادمی او ششدوکم ساختن است

دنیا بمثالِ کعبتینِ نرد است — برداشتنش برای انداختن است

(۱۰) رضی - آقا رضی اصفهانی

اُستادفن ونقادسخن بود - سیر ہندوستان کرد و برگشت و در سنہ اربع وعشرین والف (۱۰۲۴) جادۂ فنا پیمود " آہ از رضی " تاریخ است -
سنہ ۱۰۲۴

نقش سخن باین آئین می بندد ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت از غم آزاد است — کہ سرخروی گل از طپانچۂ باد است

درفراقِ توچنان است تنِ بے جانم — کہ چو فانوس بہ تحریک نفس می گردد

نخواہم زیست چندانیکہ باز آرد پیامش را — وصیت نامہ بربالِ مرغِ نامہ بربستم

(۱۱) ملک - ملا ملک قمی

مشہور سخن سرایان است - ومعروف نکتہ پیرایان - مرزا صائب سخن اورا مکرر تضمین می کند و درمقطعے می گوید ؎

این جواب آن غزل صائب کہ می گوید ملک — چشم بینش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری

درصغر سن بہ مشق شاعری اُفتاد - واز قم بہ کاشان آمد وایامے درانجا انجمن سخن گرم داشت - آخر متوجہ قزوین شد - و قریب بچہار سال درمصاحبت موزونان ومستعدانِ آن مقام گزرانید -

و در رمضان سنہ سبع وثمانین وتسعمآئۃ (۹۸۷) از قزوین برآمدہ سرے بدیار دکن کشید - واز مرتضیٰ نظام شاہ دیوانہ والی احمد نگر وبعد او از برہان شاہ اکرام وانعام فراوان یافت -

و در بیجاپور دامن دولت ابراہیم عادل شاہ والی آنجا گرفتہ - از

مقربان بساط عزت گشت۔ وثمرہا از نہال برومند دولتش برچید۔ وچون جوہر قابلیت ملا ظہوری مشاہدہ کرد فریفتہ گردید۔ ودختر خود را درحبالۂ نکاح او درآورد۔

صاحب تاریخ عالم آرای عباسی گوید:۔

"مولانا ملک قمی باتفاق مولانا ظہوری نثر شیرین کتاب نورس را کہ نہ ہزار بیت است
در بنام عادل شاہ تمام کردہ نہ ہزار ہون بالمناصفہ صلہ یافتند"

شیخ فیضی وقتیکہ از درگاہ اکبری بہ سفارت برہان شاہ والی احمد نگر مامور شد۔ در عریضۂ خود[1] از احمد نگر بہ اکبر پادشاہ می نویسد کہ:۔

"در احمد نگر دو شاعر خاکی نہاد۔ صافی مشرب اند۔ ودر شعر رتبۂ عالی دارند یکی ملا
ملک قمی کہ بکس کمتر اختلاط می کند۔ وہمیشہ مرثۂ ترسے دارد۔ دیگر ملا ظہوری کہ بغایت
رنگین کلام است۔ ودر مکارم اخلاق تمام۔ عزیمت آستان بوس دارد"

ناظم تبریزی گوید:۔

"در سنہ ہزار و بست وچہار ملا ملک فوت شد و ملا ظہوری یک سال بعد از و"

و ابو طالب کلیم گوید:۔

ملک آن پادشاہ ملک معنی — کہ نامش سکۂ نقد سخن بود
چنان آفاق گیر از ملک معنی — کہ حد ملکش از قم تا دکن بود
سوی گلزار جنت رفت آخر — کہ دلگیر از ہوائے این چمن بود
بجستم سال تاریخش ز ایام — بگفتا۔ او سر اہل سخن بود

اما این تاریخ از روایت ناظم تبریزی یک عدد زیادہ دارد۔

پیش ازین کلیات ضخیمے از ملا ملک دیدہ بودم۔ در وقت تحریر دیوان غزل

---

[1] اس عرضی کو مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے دربار اکبری میں صفحہ ۹۳ سے لغایت ۱۰۴ نقل کیا ہے دیکھو دربار اکبری مطبوعہ لاہور رفاہ عام سٹیم پریس سنہ ۱۸۹۸ء

مختصرے از و بنظر در آمد- خوش لفظ است- اما معانی تازہ کم دارد- وتشبیہ کہ رکن رکین فصاحت است در کلام او بسیار کم واقع شدہ- واشعار چیدۂ او ازین قبیل است کہ بہ تحریر می آید ے

دلم زداغِ غمت صد ہزار جا ریش است　　کسی کہ دوست بود با تو دشمن خویش است

ازین مرنج کہ بیداد کارِ محبوب است　　اگر وفا نہ نماید ستیزہ ہم خوب است

اگرچہ مجلسِ مستان تہی ز غوغا نیست　　ولیک صحبت شان خالی از تماشا نیست

مدہ رخصت کہ ریزد خونِ مردم چشمِ فتّانت　　کہ ترسم در صفِ محشر رسد دستے بداما نت

اگر با مدّعی عہدِ وفا بستی نمی رنجم　　کہ می دانم ندارد اعتبارے عہد و پیمانت

بروزِ حشر شہیدان چو خون بہا طلبند　　تبسّمے کن وخاموش کن زبانِ ہمہ

باحتیاط میِ عافیت بہ ساغرِ ریز　　کہ سنگِ تفرقہ خصمِ پیالہ داران است

پیامِ سست عہدان داشت سعیے　　کہ قاصد دست بر نبضِ خبر داشت

صلح کردیم من و غیر- درین بود صلاح　　زانکہ جنگِ من و او- باعث رسوائی تست

مرغِ شب کور کہ در سایۂ پروانہ گداخت　　بہتر آنست کہ تقلید سمندر نکند

صد ستم دیدی ملک یکبار سر کن شکوۂ　　نیستی شرمندۂ لطفے زبانت لال چیست

رباعی

عاشق بہوس گر بسر کارے می داشت　　جا در حرم چون تو نگارے می داشت

ای کاش ملک بو الہوسی می آموخت　　تا در نظرِ تو اعتبارے می داشت

(۱۲) ظہوری- ملّا ظہوری ترشیزی

ظہور دولت سخن در عہد او بمعارج علیا رسیدہ و نہالِ کلامِ موزون از یمنِ تربیت او سر بہ طارم اخضر کشیدہ-

مرزا صائب اورا باادب یاد می کند و می گوید ؎

صائب نداشتیم سر و برگ این غزل ۔۔۔ این فیض از کلام ظہوری بما رسید

ظہوری درین زمین دو غزل دارد۔ بیتے ازان فقیر را خوش آمد ؎

باخنجرِ کشیدہ تغافل رساندہ بود ۔۔۔ خود را بہ پیش من کہ نگاہ از قفا رسید

ساقی نامۂ ظہوری عجب صفائی و نمکینی دارد۔ و بہ نازک ادائیہا دل از دست می برد۔ گفتاۂ[1] این میخانہ بنام برہان شاہ والی احمد نگر است۔

نثر ملا ہم طرز خاص دارد۔ امّا غزلش باین رتبہ نیست۔ بعد از تحصیل حیثیات محمل سیاحت بربست۔ و بہ سیر عراق و فارس پرداختہ عازم گلگشتِ دکن گشت و از خوانِ احسانِ ابراہیم عادل شاہ فراوان نعمت اندوخت۔ وکام و زبان را بمداحی او شیرین ساخت۔

ملا ملک قمی او را بزیور کمالات محلی دیدہ طرح اُلفت ریخت۔ و صبیۂ خود را در عقد ازدواج مولانا کشید۔

و این ہر دو سخن آفرین دماغ اتحاد نوعی رسانیدند کہ تالیفہا بمشارکت فکر بہ تحریر آوردند۔ چنانچہ ملا ظہوری در دیباچہ "خوان خلیل" می طرازد کہ "ظہوری قبل ازین در پیرایش "گلزار ابراہیم" و اکنون در گستردن "خوان خلیل" سہیم عدیل ملک الکلام است"۔

وفات ملا ظہوری در دکن سنہ خمس و عشرین و الف (۱۰۲۵) واقع شد۔

نسخۂ سال پیش ازین کلیات سیر صفحات از و بنظر رسید۔ و درین وقت دیوان غزل بدست آمد و بیتے چند انتخاب افتاد ؎

شب از مژگان تر رفتم غبار آستانش را ۔۔۔ پشیمانم کہ کارے یاد دادم پاسبانش را

---

[1] مراد از کتابہ در پنجاب کٹیلی گیشن است۔

تغافل پیشهٔ صید افگنِ این سرزمین باشد
که دائم بهرِ تقریبِ نگاهے در کمین باشد

نیفتادم چنان کز کوششِ افلاک برخیزم
مگر گرد تو گردد گرد من کز خاک برخیزم

همچنان طفل مزاجیم اگر پیر شدیم
کوچه گردی است بجا گرچه زمینگیر شدیم

ازین چه باک که رسمِ وفا نمی دانی
بلاست اینکه طریقِ جفا نمی دانی

مدار خویش منه جمله بر نمے دانم
گذشت کار ز طفلی چرا نمی دانی

سعادت است بعشق تو هر نفس مردن
وکیل خضر منم عمر جاودان نذر است

تصرفِ عجبے کرد در مزاجش غیر
عجیب نیست که غیرت مزاج گو[1] شده است

نیازمود که زورِ غرور تا چند است
اگر حریف غرور است عجزِ ما اینجاست

که دیداست این چنین صیّاد قدرِ آن مروّت
که زخمِ فربه از نخچیرِ لاغر بر نگرداند

خصم گو صبر مرا عجز تصور میکن
نیستم مرد عداوت بمحبت سوگند

بجلدی چون نگاهے تیز بینان قاصدے خواهم
نشستن بر سرِ راهِ صبا از من نمی آید

بتمکین گاهِ عرضِ حال کوهِ آهنی بودم
چه دانستم حیا در غنچهٔ سیماب هم اندازد

خموشی نغمها دارد و سخن پرداز می داند
نخستین اینکه ساکت هیچگه ملزم نمی گردد

اگرچه یاد مرا رخصتِ نشستن نیست
همین بس است که بر خاطرش گذر دارد

ز حد برداست چشمِ اشکبارم قرعهٔ غلطانی
نمی دانم شکیبم از سفر کے باز می آید

سعی فرمائے که سیماب شوی از تفِ شوق
که اگر کشته شوی قدر تو افزون گردد

بردباران کوه را از کاه کمتر می نهند
ناتوانان اند لیکن در سخن بر داشتن

ذوقی است پادشاهیِ اقلیمِ دوستی
خواهم که یک دو روز تو باشی بجای من

تیغِ تو می داشت اگر آبِ مروّت
خونِ چو منے را که رساندے به بهائے

فلک گویا تلاشِ منصبِ مشاطگی دارد
وگرنه چیست از خورشید و مه آئینه گردانی

---

[1] مزاج گو کسے که موافق مزاج کسے سخن گوید (فرهنگ رشیدی جلد دوم صفحه ۲۳۲ مطبوعه کلکته سنه ۱۸۷۲ء)۔

کدام جورِ تو از لطف دلنشین ترنیست چہ احتیاج کہ تشویش انتخاب کشی

شیخ فیضی در عریضۂ[1] خود از احمد نگر بہ اکبر پادشاہ بر می نگارد کہ:-

"مولانا ظہوری نقل کرد کہ روزے درباغ یکے از شرفاء مکّہ معظّمہ مجمعے بود - اقسام"
"مردم برکنار حوض نشستہ صحبتے مے داشتند - بہ تقریبے یکے از اہالی ماوراءالنہر گفت"
"کہ فردا چہار یار بر چہار گوشۂ حوض کوثر نشستہ آب بمومنان خواہند داد محمود صباغ"
"نیشاپوری برخاستہ گفت - نامعقول مگوئید حوض کوثر مدوّر است وساقیش علی مرتضیٰ"
"دگریخت"۔

راقم الحروف گوید چون تقریب حوض کوثر درمیان آمد - رشحۂ فائدہ از سحاب قلم می تراود کہ حوض کوثر مربع است - شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی در کتاب "البدور السافرہ" می آرد اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا عَلَی الْحَوْضِ اَنْظُرُ مَنْ یَّرِدُ عَلَیَّ وَالْحَوْضُ مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ وَّزَوَایَاہُ عَلَی السَّوِیَّۃِ یَعْنِیْ عَرْضُہٗ مِثْلُ طُوْلِہٖ

(۱۳) زکی ہمدانی

زکی الخلق ذکی الطبع بود - وگوئے غزل گوئی از اقران می ربود - قوت مدرکہ بلند داشت - وبا مُلّا شکوہی درخدمت میرزا ابراہیم ہمدانی درس می خواند میرزا طاہر نصیر آبادی انتقال او درسنہ ثلثین والف (۱۰۳۰) نوشتہ و ناظم تبریزی گوید "وفات او درسنہ ہزار وبیست وپنج (۱۰۲۵) واقع شد۔

واوساز سخن باین قانون می نوازد ؎

ستمکشان محبت دم از فغان بستند گرہ زجبہہ کشادند وبرزبان بستند

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۸ء۔

ترا بہ نکہتِ پیراہنے مضایقہ نیست ولے بہ طالعِ ما راہ کاروان بستند

گر دل از غرض تمنا بمرادے نرسید این قدر شد کہ ترا بر سرِ ناز آوردم

(۱۴) فرقتی - ابوتراب جوشقانی

جوشقانی المولد - کاشانی المنشأ - از قافیہ سنجان عتبہ شاہ عباس ماضی بود - وگوی سخن از ہمداستانان می ربود -

وا و قطعۂ بنظم آوردہ پیش صادقی بیگ نقاش بہ اصفہان فرستاد - والتماس تخلص کرد - صادقی بیگ قطعۂ در جواب نوشت - وچہار تخلص تجویز نمود - از انہا فرقتی پسندش افتاد - ازان چہار تخلص یکے کلیم بود - گفتند چرا کلیم تخلص نمی کنی - گفت نخواہم کہ ظرفا گلیم جوشقانی خوانند

ارتحال او در سنہ ست وعشرین والف (۱۰۲۶) اتفاق افتاد نہال کلکش این نوع ثمر می افشاند ؎

مجنونِ ترا عار ز عریانی تن نیست پروانۂ پر سوختہ محتاجِ کفن نیست

چہ شد اگر مژہ برہم نمی تواند زد کہ لب بلب نرسیداست ہیچ دریا را

خون تراوش می کند از چاکہای سینہ ام طفلِ اشکم باز گم کرد است راہِ خانہ را

چو جادوئے کہ از بہرِ فسون لبہا بجنباند بہ افسونم زند چشمت بہم ہر لحظہ مژگان را

(۱۵) فغفور - محمد حسینؑ

از سادات لاہیجان - و در فن طبابت وشعر و خوشنویسی ممتاز زمان بود - در ایران رسمی تخلص می کرد - و بعد وصول ہند فغفور تخلص برگزید - بلے شاہ مصوّران کشور فصاحت است - وخسروِ نقش طرازانِ قلم وکتابت -

در اواخر ایام زندگانی ملازم شہزادۂ پرویز بن جہانگیر بادشاہ شد و اشعار خود را بمدحت او موشح ساخت۔

و در بلدۂ الہ آباد سنہ ثمان و عشرین و الف (۱۰۲۸) چینی حیاتش بر سنگ فنا اُفتاد۔

دیوانش قریب چہار ہزار بیت نوشتہ اند۔ نقاش فکرش باین حسن تصاویر می کشید ؎

فلک امشب بکام زند دُردآشام می گردد — عسس گو خواب راحت کن کہ امشب جام می گردد

در عشق چو ستائہ تسبیح شماران — صد عقدہ بہ پیش آمد و از راہ نگشتم

سر شوریدہ بسامان نتوان باز آورد — این نہ دستار پریشانست کہ از سر بندد

این قوم خود نما کہ نہ بینند عیب خویش — آئینہ کاش در گرو تو تیا کنند

می رسد نازت ازان چشم کہ چون غنچۂ گل — سر مژگان تو از طرف کلہ می گذرد

ملاحت تو گواہ است و شور بختی من — کہ بے نمک نسرشتند خاک آدم را

(۱۶) نظام میر نظام دست غیبی شیرازی

نسق ملک سخن طرازی است۔ و نظام قلمرو نکتہ پردازی۔ در عمر سی سالگی دنیائی پنج روزہ را وداع کرد۔ و این سانحہ در سنہ تسع و عشرین و الف (۱۰۲۹) واقع شد۔ خوابگاہش حافظیۂ شیراز۔

سحاب کلکش باین آبداری گوہر می افشاند ؎

دلم را عشق گرداند بگرد چشم بیمارش — چو آن مرغے کہ گرداند کسے برگرد بیمارش

ز دنیا بکسیر مو ہم نباشد اہل دنیا را — کہ دلگیری نباشد در قفس مرغان دنیا را

گر فلک با من ہم آغوشیش نماید دور نیست — باغبان بر چوب بندد گلبن نوخیز را

چشم چون بر عشوه کرد اول بسوی خویش دید — بادهٔ خود خورد ساقی ساغر لبریز را

دل کہ افسرده شد از سینه بدر باید کرد — مرده هر چند عزیز است نگه نتوان داشت

من آن مرغم که باشد آشیانم سایهٔ برگے — تواند جنبش بادے مرا بے خانمان کردن

(۱۷) مرشد - مُلّا مرشد یزدجردی

مرشد سالکان جادهٔ سخن است - و صاحب تلقینِ مرتاضیان این والا فن از وطن خود رهگرای هند شُد - چون بقندهار رسید - جاذبهٔ التفاتِ میرزا غازی وقاری عقال پای او گردید و در ان عتبه کرسی نشینِ عزت گشت - و مرشد خان خطاب یافت - بعد فوت میرزا غازی خود را به هند کشید - پوشیده نماند که وارد شدن مُرشد از ولایت خود بقندهار و رحل اقامت افگندن در سایهٔ عاطفت میرزا غازی هفده سال پیش ازین هنگامے که تحریر پذیر بود در میان بود - در تذکرهٔ مشاهده اُفتاد - تعیین تذکره از خزانهٔ حافظه بر آمد -

و میر تقی اوحدی صفاهانی صاحب تذکرهٔ عرفات گوید ملخص کلامش اینکه :

"مرشد وقتیکه از یزدجرد به صفاهان آمد بنده بخدمت ایشان مکرر رسیدم - از انجا"
"بشیراز رفته - مدتے سیر کرد - چون بملک سنده اُفتاد صحبت او با میرزا غازی بر آمد"
"و ترقیات نمود - و مرشد خان خطاب یافت - و چون میرزا غازی جرعهٔ شهادت چشید -"
"ارادهٔ درگاه جهانگیر بادشاه نمود - در اثنای تحریر این مقالات به آگره آمد - چند روز او را"
"دریافتم - پس در اجمیر رفته به اردوی جهانگیری واصل شد و بملازمت سلطانی مشرف"
"گردید و الحال با مهابت خان می باشد"

و همچنین میر تقی در ترجمهٔ طالب آملی که با او هم ملاقاتها دارد می نویسد که :-

"وقتیکه از ایران عزم هند کرد در سنده بخدمت میرزا غازی قیام نمود"

بر خال وخط شناسان چہرۂ تاریخ ہویدا است کہ میرزا جانی والی ننتہ پدر میرزا غازی در سنہ احدی و الف (۱۰۰۱) ناصیۂ بخت بملازمت اکبر پادشاہ[۱] برافروخت۔ و میرزا غازی در ننتہ ماند۔ اکبر پادشاہ ننتہ را بہ میرزا جانی ارزانی داشت۔ و نیابت بہ میرزا غازی عنایت شد و چون میرزا جانی در برہان پور در سنہ ثمان و الف (۱۰۰۸) جان بجہان آفرین سپرد۔ پادشاہ میرزا غازی را مشمول عواطف داشتہ ولایت سندھ را باز گذاشت۔ و در سنہ احدی عشر و الف (۱۰۱۱) سعید خان چغتا بانتزاع سندھ مامور شد میرزا غازی حلقۂ انقیاد در گوش کشید۔ ونتا بھکر رسم باستقبال بجا آوردہ سعید خان را دریافت۔ و بہمراہی او خود را بدرگاہ اکبری رسانید۔ ہمت خسروانی برحمت بحالی ملک سندھ رنگ رفتۂ او را بحالت اصلی آورد۔ و در عہد جہانگیری صوبہ ملتان در اقطاع او اضافہ شد۔ آخر بصوبہ داری قندھار سرمایۂ افتخار اندوخت۔ و ہمانجا در عمر بیست و پنج سالگی سنہ احدی و عشرین و الف (۱۰۲۱) پیمانۂ حیات او لبریز گردید۔

میرزا غازی بعد از آنکہ از سندھ بہند خرامید۔ باز بہ سندھ نرفت۔ پس ملاقات مرشد و طالب با میرزا غازی در سندھ بقول میر تقی در عہد اکبری بودہ باشد۔ واللہ اعلم

مخفی نماند کہ تذکرۂ میر تقی صفاہانی بعد تبییض این جریدہ بنظر رسید۔ اسامی شعراء ترتیب حروف تہجی مے کرد۔ عجب صلائے عامے در دادہ۔ و بہ ادنی موزونے کہ پے بردہ چہ قدیم چہ جدید در مہمان خانہ خود تکلیف نمودہ و بہ از تذکرۂ میر تقی کاشی است۔ تذکرۂ صفاہانی نسخۂ ناقص از حرف الضاد تا

---

[۱] ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۳۲۵۔

حرف الیاء بدست آمد و چند جا ضرورۃً بعضے مطالب الحاق نمودہ شد۔

مرشد در سنۂ ثلثین و الف (۱۰۳۰) از لباس عنصری برآمد منتخبے از دیوان او محتوی بر اقسام شعر بنظر در آمد۔ زبان خوبے دارد و سخن بقدرت می گوید۔ قصاید و مثنویات او بہ از غزل است و ساقی نامہ مختصرے نشہ آور از میخانۂ فکرش تراویدہ مطلعش این است ؎

بہار است و دل مست و من در خمار	خوشا جام مے خاصہ از دست یار
گیرم کہ روز حشر سر از خاک برکنم	آن دیدہ کو کہ جانب قاتل نظر کنم
من آن مرغم کہ گر یاری نماید بخت ناسازم	بود تا گوشۂ بام قفس معراج پروازم
طرۂ دلبر نیم تا کے پریشان زیستن	چشم عاشق نیستم تا چند حیران زیستن
کاش اجزای وجودم بگسلد از یکدگر	تا دو روزے جمع گردم زین پریشان زیستن
بسیار ز حد می گزرد گرمی مجلس	دلسوختۂ در پس دیوار نباشد
بے سبب مرشد ز طور من شکایت میکند	اینقدر آخر نمی داند کہ من دیوانہ ام
جوان ز بسکہ شد از فیض ابر عالم پیر	شگوفہ ریزد از شاخ بر سر نخچیر
ہمان برنگ گل افتد بخاک سایۂ گل	ز بسکہ لطف ہوا کرد در زمین تاثیر
ہوا چنان برطوبت کہ از زبان تا گوش	ہزار جا بزند ریشہ نالۂ شبگیر
چنان ز لطف ہوا گشت طبع آتش تیز	کہ شعلہ چون می گلرنگ بگذرد ز حریر

رباعی

راہے پیشم ہست نشیب است و فراز	کز انجامش خبر ندارد آغاز
چون نالۂ عاشقان پست و بلند	چون وعدۂ وصل گلرخان دور و دراز

(۱۸) زلالی خوانساری

در اختراع تازگی عبارات و نازکی اشارات بے نظیر افتادہ و بایجاد سبعۂ

سیارہ سپہر بلند خیالی را رونقے دیگر دادہ۔
عمدۂ مثنویات او "محمود و ایاز" است کہ مصنف اکثر اوقاتِ خود را صرفِ این کتاب ساختہ۔ سال آغازش کہ احدی والف (۱۰۰۱) باشد این بیت تصریح مینماید ؂
در استفتاح این منشور نامی بجو تاریخ نظمش از نظامی
۱۰۰۱ھ
و تاریخ اختتامش کہ سنہ اربع و عشرین والف (۱۰۲۴) باشد این مصرع افادہ میکند ؂
الٰہی عاقبت محمود باشد
۱۰۲۴ھ
اما ترتیب نا دادہ ورق حیات گرداند۔ شیخ عبد الحسین داماد شیخ علی نقی کمرہ در ہندوستان نسخ متعددہ فراہم آوردہ بہ تقدیم و تاخیر و طرح ابیات فی الجملہ ربطے داد۔ و ملا طغرائی مشہدی دیباچۂ نثر بہ تحریر آورد۔
وفوت زلالی در سنہ احدی و ثلثین والف (۱۰۳۱) واقع شد مصرع[1]
از جہان رفت زلالی بجنان" تاریخ یافتہ اند۔

از محمود و ایاز است ؂

مئے کز وے خرد بے برگ گردد	غم از یک جرعہ شادی مرگ گردد
جنون یک قطرہ از لائے خم او	سر بیہوشی و پائے خم او

(۱۹) نقی۔ شیخ علی نقی

از شعراء معمورۂ کمرہ و مروج نقود سرہ است۔ در آغاز سن وقوف بجد تمام بکسب علوم پرداخت۔ و در معقولات و منقولات از اکفاء و اقران مستثنےٰ برآمد و اکثر ناوک فکر بصید معانی می انداخت۔ و حبان خیال را در دام عبارت بند می ساخت۔ دیوانش مشتمل قصائد و غزلیات و دیگر جنس شعر بنظر در آمد۔ قصائد

[1] ازین مصرع تاریخ مطلوب بر نمی آید۔

غرا دارد۔ و بیشتر ثنا گستر حاتم بیگ اعتماد الدولہ است۔ و در صلۂ قصیدۂ دالیہ کہ در مدح اعتماد الدولہ گفتہ مبلغ خطیر سالیانہ مقرر گردید۔ و بعد فوت شیخ ہم چند سال آن وجہ بہ متعلقانِ شیخ می رسید۔ مطلع قصیدہ مذکور این است ؎

اہلِ صورت کہ بجمعیت صوری شادند　　فارغ از تفرقۂ معنوی اضدادند

رحلت شیخ در سنہ احدی و ثلثین والف (۱۰۳۱) اتفاق افتاد۔ این چند بیت از دیوانش فرا گرفتہ شد ؎

چندان دلم بپرسشِ چشمِ تو شاد نیست　　دانم کہ بر تواضعِ مست اعتماد نیست

کشد چو سوی چمن بی قدرتی ملال مرا　　گزد چو مار سیہ سایۂ نہال مرا

کم کن شرابِ لطف کہ پر شد ایاغ ما　　روغن چنان مریز کہ میرد چراغ ما

کردی سفید چشم نقی را ز انتظار　　این بود پنبہ کہ نہادی بداغ ما

بہنگامِ وداعش می کنم نو عہد دیرین را　　چو بیمارے کہ وقتِ مرگ ایمان تازہ میسازد

عاشقان نامی بعجز و ناتوانی داشتند　　کوہکن آخر بزور این قوم را بدنام کرد

نقی در گریہ آور د اضطرابِ عشقِ جانان را　　کہ زورِ آتشِ سوزندہ آب از چوبِ تر گیرد

من کشتۂ آن چشم کہ در عین نگہ شد　　با ہیچ مے در صددِ ناز در آید

رفتی و خموشم کہ در آغاز مصیبت　　ماتم زدہ یکچند بشیون نبرد راہ

نقدِ دل دزدی و آنگاہ بتقریب حیا　　سر بہ پیش افگنی و چشم ببالا نکنی

نیست در عشق دلِ شاد شنیدی کہ چہ بود　　پادشاہی ز غلامی پدری از پسری

وای بر جان خلائق اگر آرند بحشر　　عوضِ روزِ قیامت شبِ تنہائی را

(۲۰) طالب آملی

برادر خالہ زادۂ حکیم رکنا کاشی بود۔ جو یای معانی بلند است و غواص لآلی دلپسند

میرزا صائب گوید ؎

بطرز تازہ قسم یاد می کنم صائب — کہ جائے طالب آمل در اصفہان پیدا ست

در ریعانِ شباب از ولایت خود برآمدہ بہ نزہتکدۂ ہند خرامید چون میرزا غازی وِقاری از پیشگاہ جہانگیر پادشاہ بصوبہ داری قندھار مامور گردید۔ ونقد کمیاب قدردانی اہل کمال را رواج داد۔ طالبا خود را بآستان میرزا غازی کشید۔ و بہ التفات فراوان اختصاص یافت طالبا قصیدۂ طولانی در مدح میرزا غازی می طرازد۔ و در ان قصیدۂ رفتنِ خود از ہند پیش میرزا مفصل بیان می نماید۔ از انجاست این بیت ؎

عنایاتِ شوق تو شُد ورنہ کے دِل — زدے فال رجعت ز ہندوستانم

و بعد رحلت میرزا غازی کرت ثانی بہ گلگشت ہند شتافت و ایامے باعبداللہ خان بہادر فیروز جنگ ناظم گجرات بسر بُرد۔ آخر باعتصام ذیل جہانگیری قوی پایہ شد و در سنہ ثمان وعشرین والف (۱۰۲۸) بخطاب ملک الشعرائی بلندنامی اندوخت و درہمین سال ابوطالب کلیم ہمدانی از ہندوستان بعراق عجم معاودت نمود۔ طالب آملی در مدح جہانگیر بادشاہ و اعتماد الدولہ وزیر و نور جہان بیگم قصائد غرا دارد۔

و ستی النسا خانم ہمشیرۂ طالباست۔ ستی النسا خانم در عہد صاحبقران ثانی شاہجہان مدار المہام محل پادشاہی بود۔ و شوہرش نصیرا برادر حکیم رُکنا کاشی در ہندوستان رخت ہستی بربست۔ چون فرزندے نداشت ستی النسا خانم دو دختر کہ از طالبا ماندہ بود بہ فرزندی برگرفت۔ کلان را بہ عقد ازدواج عاقل خان و خورد را بحبالۂ نکاح حکیم ضیاء الدین مخاطب بہ رحمت خان کہ پسر حکیم قطبا برادر دیگر حکیم رکنا ست در آورد۔

ستی النسا خانم در ذی الحجہ سنہ ست وخمسین و الف (۱۰۵۶) بساط زندگانی درنوردید۔

طالبا در اوائل مُہر دار اعتماد الدّولہ بود آخر مستعفی شد و قطعۂ اعتذاری بنظم آوردہ۔ از انست ؎

دو صنف اند اہل طبیعت کہ ہرگز — ندارند باہم سرِ سازگاری
یکے را فرو مایگی کرد شاعر — یکے را بزرگی و عالی وتباری
من آن شاعرم شکر للہ کہ دارم — ز بختِ بلندِ تو اُمیدواری
کہ گر دہر یا قوتِ یکدانہ گردد — درو بنیم از چشم نا اعتباری
بہ گلزارِ معنی ہزارِ فصیحم — بمنصب چہ شد نیستم گر ہزاری
چو مہرِ تو دارم چہ حاجت بمُہرم — مرا مہر داری بہ از مُہر داری

طالبا در مدح قلیج خان ناظم لاہور قصیدۂ ہشتاد و چہار بیت در یک شب فکر کرد و بآن می نازد و می گوید ؎

منم کہ نیست چو من شاعرے ز اہلِ سخن — منم کہ نیست چو من قائلے ز اہلِ کلام
گواہ این دو سہ معنی ہمین قصیدہ بس است — کہ یافت از سرِ شب تا سپیدہ دم اتمام

اما میرزا صائب اشہب فکر از طالبا نیز تر راندہ۔ وہنگام ورود برہان پور قصیدۂ شصت و یک بیت در یک چاشت در مدح ظفر خان بنظم آوردہ و درانجا مے فرمائد ؎

ہزار حیف کہ عرفی و نوعی و سنجر — نبیند جمع بدار العیار برہان پور
کہ قوتِ سخن و لطف طبع مے دیدند — نمی شدند بطبعِ بلند خود مغرور
ہمین قصیدہ کہ یک چاشت روی داد مرا — ز اہلِ نظم کہ گفت است در سنین و شہور

اگرچہ طالبا را بیست و سہ بیت افزون است۔ اما افزونی ابیاتِ طالبا با وسعت

وقت کم است۔ وکمی ابیات مرزا باتنگی فرصت افزون۔ و این معنی از تقسیم ابیات برساعات واضح می شود۔

آمدم برین کہ نسبت بجناب مرزا صائب بے ادبی نمی توان کرد۔ امّا این ہمہ تفاخر از طالب آملی نامنظور است۔ چہ شوکت قصیدۂ قریب صد بیت در مدح میرزا سعد الدین درعرض چہار ساعت نجومی انشا نمود۔ ومطلقاً لب باظہار کمال نکشود۔ مطلع قصیدہ این است ؎

بسکہ جوشد شعلۂ حل کردہ از مینائے من ۔۔۔ شیشہ را فوارۂ آتش کند صہبائے من

ودر آخر قصیدہ می گوید ؎

شب کہ گرویدم ہم آغوشِ پریزادِ خیال ۔۔۔ چار ساعت در گذارِ شام دیو آسای من

این ہمہ اطفال معنی راکہ افکار من اند ۔۔۔ زاد کلک مریم آسای مسیحا زای من

طالبا درعین جوانی از زیبا خلعتِ زندگانی برآمد و این واقعہ در سنہ ست و ثلثین والف (۱۰۳۶) پیش از فوت جہانگیر پادشاہ بیک سال روداد۔

دیوان قصائد و غزلیات و رباعیات طالبا در وقت تحریر۔ بدست آمد فرصت وفا نکرد کہ بانتخاب پرداختہ شود۔ گل چند از گلستانش حوالۂ دست قلم می شود ؎

گر من بجائے جوہرِ آئینہ بودمے ۔۔۔ بے رو نما ترا بتو کے می نمودمے

من کیم کز شرم قتل من سرانداز د بپیش ۔۔۔ ہیکلِ خونم گرانی می کند بر گردنش

بے نیاز از در ارباب کرم مے گزرم ۔۔۔ چون سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشان گزرد

ملامت کن و فارغ شو از ملامتِ خلق ۔۔۔ کہ نخل موم ز آسیب تیشہ آزاد است

دشنامِ خلق را ندہم جز دعا جواب ۔۔۔ ابرم کہ تلخ گیرم و شیرین عوض دہم

سبک چنین کہ بگلگونِ می سوار شدم ۔۔۔ امید ہست کہ رنگ پریدہ را گیرم

خانۂ شرع خراب است کہ ارباب صلاح ۔۔۔ در عمارتگری گنبد دستار خود اند

مزۂ در جہان نے بینم   دہر گوئی دہانِ بیمار است

(۲۱) شفائی اصفہانی

اسمش شرف الدین حسین است۔ پدرش حکیم ملا طبیبے حاذق بود۔ مشارٌ الیہ مراحل کسب علوم بسرعت نوردید۔ و حکمت نظری را بیشتر ورزید۔ و مدتے مشق طبابت کرد۔ قرابادین او مشہور است۔ و عمرہا در نسخہ نویسی شعر اُفتاد و بمعاجین افکار دماغہا را تقویت بخشید۔ مرزا صائب فرماید ؎

دراصفہان کہ بدردِ سخن رسد صائب   کنون کہ نبض شناس سخن شفائی نیست

حکیم نزد شاہ عباس ماضی با فزونی قرب و منزلت امتیاز داشت تا بحدے کہ روزے درعرض راہ شاہ را بر خورد۔ شاہ خواست کہ از اسپ فرود آید حکیم مانع آمد اما امرا ہمہ پیادہ شدند تا حکیم گذشت۔

ہجو بر مزاجش غالب آمد۔ میر باقر داماد میگفت "شاعری فضیلتِ شفائی را پوشید۔ و ہجا شعر او را پنہان ساخت" لیکن در پایان عمر ازین امر نا ملائم بتوبہ موفق گردید۔

فوتش در رمضان سنہ سبع و ثلثین و الف (۱۰۳۷) اتفاق اُفتاد۔

زادۂ طبعش دیوان جد و ہزل و چند مثنوی است مثل "دیدۂ بیدار" و "نمکدان حقیقت" و "مہر و محبت" این ابیات از دیوانش ماخوذ شد ؎

در دل درآ تفرج گلہای داغ کن   از خانہ چون ملول شومی سیر باغ کن

خویش را بر قلب غم آخر دلِ بیتاب زد   این کتانِ پارہ کوس خصمی مہتاب زد

حالے تو کو کہ بر درگاہ او دادی کنیم   مشتِ خونے بجبینِ الیم و فریادے کنیم

از زبانِ خنجر کین پرسشِ دلہا مکن   عالمے را طعمۂ شمشیر استغنا مکن

اے در آغوشِ ملکت پرورده بدخوئی مکن   شکرستان زیرلب داری ترش روی مکن

بخود غمِ تو نگویم که بیم رسوائی است   نهان کنم ز خیالت که یار هرجائی است

به انتقام ابد آشتی میسر نیست   زبسکه خوے تو بر یک گناه مے پیچد

نوبهاریست که دلی نشگفد از پهلوی او   جاے آنست که پهلوی خزان بنشیند

دامنِ دیده نگهدار که در مذهبِ ما   دل چو شد کشته دیت از مژهٔ تر گیرند

یک لحظه پرداخت مرا داورِ محشر   این شکوهٔ جانسوز بمحشرِ دگر افتاد

خدا عشقِ مرا از ننگ رسوائی نگهدارد   که بدبیتابی پیرامنِ این راز می گردد

گر نقدِ جان بهاے وصالت نمی شود   از قاصدِ تو ذوقِ خبر می توان گرفت

آن دل که نامزد بوفاے تو کرده ام   کارے مکن که عربده جوئے دگر شود

تپِ غم دیده را دلسوزیِ شکر زبان دارد   تبسم را مکن شیرین که می ترسم بجان افتم

زهر پیدا دم به بزم امتحان کم کم مریز   هرچه داری بر سرم هم ریز تا یکجا کشم

پےِ شکستنِ پیمانِ همین بس است تلافی   که بهر تازگی عهد داد و دست بدستم

مرا قیمت به پنهان دیدنی کردی خورسندم   که بوی زشتی می آید از ارزان بها کردن

(۲۲) قاسم۔ قاسم خان جوینی

قاسم مائدهٔ فصاحت است۔ و ناظم جواهر بلاغت۔ منیجه بیگم خواهر اعیانی نورجهان بیگم درحبالهٔ عقد قاسم خان بود۔ و به علاقهٔ سلفیت جهانگیر بادشاه به پایهٔ امارت و رتبهٔ مصاحبت سر برافراخت۔ و به قاسم خان منیجه مشهور گردید[1] در اواخر عهد جهانگیری بحکومت صوبه اکبرآباد و حراست قلعه آن مصرے پرداخت و در آغاز دولت شاهجهانی به منصب پنجهزاری پنج هزار سوار و ایالت

[1] مآثر الامرا جلد ۳ صفحه ۷۹ مطبوعه کلکته۔

صوبۂ بنگالہ امتیاز یافت۔

و در سنہ اثنتین واربعین والف (۱۰۴۲) بعد فتح ہوگلی بندر کہ از بنادر عمدۂ بنگالہ است۔ بفاصلۂ سہ روز باجل طبیعی درگزشت۔ امیرے خیر مستجمع کرائم اخلاق بود در نماز تہجد تقید داشت۔ وہر سال دو لک روپیہ بہ مستحقان می رسانید۔

رایتِ سخن بایں شکوہ می افرازد ؎

نمونۂ جرس بیدلم صدا نہ کنم	زبس شکستہ دلم لب بخندہ وا نکنم
راہ از ہجوم گریہ بر آواز بستہ ایم	خوں خوردہ ایم طالبِ غماز بستہ ایم

(۲۳۳) شوقی۔ میر محمد حسین

از سادات سادہ است۔ وطراح سخن باحلاوہ۔ میرزا صائب کلام او را تضمین میکند ومی گوید ؎

جواب آں غزل ست اینکہ میر شوقی گفت	چو شیر از دو طرف می کشند زنجیرم

از ولایت خود بکشور ہند آمد وبشمول عواطف اعتماد الدولہ طہرانی جہانگیری گروید۔ بعد چندے سدۂ جہانگیر پادشاہ لازم گرفت۔ وبہ تقصیرے مورد عتاب شدہ در حبس افتاد۔ وبتوجہ قاسم خاں جوینی از قید رہائی یافت۔ ومدتے با او بسر برد۔ آخر بولایت ایران معاودت نمود وہمانجا درگذشت۔

طلائے سخن بایں چاشنی از معدن بیروں می آرد ؎

در عشق ہر کجا کہ بلندی ست پستِ ماست	فیروزۂ حبابی گردوں بدستِ ماست
نتواں عربدہ با چشم تو کردن آرے	بتواضع گزرانند ز خود مستاں را

(۲۴۴) فتحی اردستانی

فاتح ابواب خیال بندی است۔ وحرف شناس قفل ابجد مشکل پسندی۔ میرزا

صائب سخن او را تضمین می کند و می فرماید ؎

این جواب آن غزل صائب که فغفنی گفته است　　از فراموشان مبادا آن کس که ما را یاد کرد

فی الجمله تحصیل کرده بود - و در کمال ملایمت و نهایت پاکیزگی زندگانی میکرد - وفات او در سنه خمس و اربعین و الف (۱۰۴۵) واقع شد

گوهر سخن چنین در سلک نظم می کشد ؎

هزار نکته بمن گفت چشم غمازش　　چو سرمه خورده که بیرون نیاید آوازش

بدیده اشک شود رهنمون دل ما را　　ستاره شمع بود رهروان دریا را

فصیحی (۲۵)

از اعیان سادات هرات - و آئینۂ نقش پذیر حسن صفات بود -

خوانندۂ افسون فصاحت - نوازندۂ قانون بلاغت - میرزا جلال اسیر گوید ؎

آنانکه مست فیض بهاراند چون اسیر　　نه جرعه ز جام فصیحی کشیده اند

ابتدا حال در خدمت حسن خان بن حسین خان حاکم هرات عظیم تقرب داشت - و تخم مدحت پدر و پسر فراوان در سرزمین سخن کاشت در ان ایام ورود حکیم شفائی به هرات اتفاق افتاد - و در مجلس حسن خان با میرزا فصیحی ملاقات دست داد - و مشاعرۂ ایشان بمنازعه انجامید - خان طرف فصیحی گرفت - شفائی از هرات برآمده فصیحی را هجو کرد - فصیحی در دیوان بلند حوصلگی را کار فرمود - و اصلاً ملتفت جواب نشد - هجو فصیحی در دیوان شفائی بنظر در آمد دل نخواست که زبان قلم بکلمات رکیک آشنا شود

میر تقی وحدی صفاهانی گوید - چند نوبت عزم هند کرد مانع او شدند چون ماهچۂ لوائی شاه عباس ماضی در سنه احدی و ثلثین و الف (۱۰۳۱) سواد افروز هرات گردید میرزا فصیحی باریاب ملازمت گشت - و صحبت او دلنشین شاه افتاد - و عنایات

فراوان مخصوص گردانید۔ و ہمراہ خود بعراق عجم و مازندران برد۔ از فروغ تربیت گوہر اورا اجلائے بخشید"!

دیوان فصیحی بنظر در آمد۔ خوش محاورہ است۔ امّا مضمون تازہ بندرت دارد۔ این چند بیت از و التقاط یافت ؎

زبون در و پریشان زلف یار شدم　　نہ صید دوست کہ صید دل فگار شدم

رمزیست خطِ دوست کہ چون بخت سرآرید　　آب سیہ از چشمۂ خورشید برآمد

تو تماشا مکن آیئنہ کہ حیران نشوی　　زلف بر خویش میفشان کہ پریشان نشوی

لبے کہ ناز کی بار تبسّم برنتابد　　بخون غلطم کہ امروزش بدشنام آشنا کردم

زنبۂ حسن بلند است چہ حاجت بہ نقاب　　بہر منع نگہی کہ مژہ کوتاہ تر است

ہزار بار قسم خوردہ ام کہ نام ترا　　بلب نیاورم اما قسم بنام تو بود

خویش را بر نوکِ مژگان ستم کیشان زدیم　　آن قدر زخمے کہ دل میخواست در پیکان نبود

ما ز ہر اقلیم فصیحی نہ شہدِ ناب　　مرد طبا بچہ خوردن بال مگس نسیم

خار ترم کہ تازہ ز باغم بریدہ اند　　محروم بوستانم و مردود آتشم

تو بہار ا بشمیمِ گلِ عیشم مفریب　　کہ من این نالۂ زار و دلِ خرم دارم

مختصر وسعتی کہ ما را بود صرفِ جام شد　　گر خدا روزی کند دست دگر بر سر زنم

خاک آن کوی فصیحی ز جبیں رنجہ مکن　　از مہ و مہر بیاموز جبیں سائی را

(۲۶) شاپور طہرانی

پدرش خواجگی برادر حقیقی میرزا محمد شریف ہجری پدر اعتماد الدّولہ جہانگیری است۔ شاپور فریبی ہم تخلص میکرد۔ قصائد دلفریب دارد و غزلہا سے دیوان زیبا مرزا صائب کلام اورا تضمین می کند و می فرماید ؎

صائب این تازه غزل آن غزل شاپور است ... کہ گران می رود آنکس کہ توکل دارد

کلیات شاپور بنظر درآمد قصیدہ نسبت دیگر اقسام شعر خوبتر می گوید و داد رقت و نزاکت می دہد۔

چون قاعدۂ اغلب این جریدۂ ذکر ابیات غزل است۔ چند بیت از غزلیات او جدا نمودہ شد ؎

بہ شوخی تو سوارے بصد زرین ننشست ... تو تا سوار شدی فتنہ بر زمین ننشست

گرچہ در حاشیۂ بزم تو داخل باشم ... روخراشیدہ تر از صفحۂ باطل باشم

نہ گلی چیدم ازین بستان نہ نام یاسمن بردم ... ولے پرورد از غوغائے مرغان چمن بردم

در رہ دیار سے کز ممنونِ یاری بنشستم ... گرچہ خود را کشتہ ام بے شرمساری نیستم

بے می سرِ بیمارِ دلِ ریش ندارم ... تا مست نگردم خبر از خویش ندارم

نازک دلم چو کاسۂ چینی خدائے را ... انگشت بر لبم نزنی کز فغان پُر است

قدر من پست از بلندیہا استغنای او ست ... ورنہ دیوار من از دیوار کس کوتاہ نیست

ما و نگاہ دور کہ رندان پاکباز ... بر سر نہ زنند گلے را کہ بو کنند

سینہ بر خنجر او زن کہ شہادت اینجا ... ناقص است ار مدد کشتہ بہ قاتل نرسد

چو ابرم از پے رفع کدورت گریہ می آید ... اگر بر خاطرِ بادِ صبا بینم غبار خود

میرود رقص کنان بر دم تیغے شاپور ... دامنش را بگذارید کہ کارے دارد

گو میا ہر تلافی بسر کشتۂ خویش ... بہ کہ این صلح بہ رنجیدن پا می نکشد

ہر تیر کہ چون نیشکر از دست تو خوردم ... تا آہن پیکان ہمگی جزو بدن شد

ہیچ جرمے نیست در عالم ز غمازی بتر ... عشق معذور است گر منصور را بر دار کرد

عیب پوشِ خود نباشم عیب جوی کس نیم ... در و مندم در شکست درد مندان نیستم

نعم البدلِ وعدۂ صد سال وصال است ... آن بوسہ کہ نقد از لب پیغام گرفتم

کفِ غبارم و عریانی ست کسوت من ... نیم حبیر کہ خود را بہ پیرہن مالم

روشن نشد ز آتش ما چشمِ خانۂ ... ہمچون چراغ گور بہ ویرانہ سوختیم

فرصتِ عرضِ تمنا کو که در ایام وصل یار مستغنی و من مستغرقِ نظّاره ام

زین سرِ کف فروشان نتوان باده خریدن صفرای می از بادهٔ خوناب شکستیم

ورقِ هستیم از هم بدر اینید که من دیدهٔ ام آنقدر اصلاح که باطل شده ام

(۲۷) اسیر میرزا جلال بن میرزا مومن شهرستانی

شاعر او بلند است و موجدِ اندازهای دلپسند۔ ابوطالب کلیم گوید ؎

میرزای ما جلال الدین بس است از سخن سنجان طلب گار سخن

راستی طبعش استاد من است کج نهم بر فرق دستار سخن

و میرزا صائب سخن او را مکرر تضمین میکند و در مقطعی میگوید ؎

خوشا کسی که چو صائب ز صاحبان سخن تتبع سخن میرزا جلال کند

اسیر اگرچه تلمیذ فصیحی هروی است امّا با میرزا صائب اعتقاد تمام دارد۔ و مکرر نغمهٔ ستایشش می سنجد۔ و جای می گوید ؎

باوجود آنکه اُستادم فصیحی بوده است مصرعِ صائب تواند یک کتاب من شود

میرزا از اجلهٔ ساداتِ شهرستان صفاهان است و بمصاهرت شاه عباس ممتاز زمان پیوسته سرگرم صحبتِ اربابِ کمال بود۔ و بعلو همّت و سمو فطرت انصاف داشت۔ اما باگردش جام و شرب مدام آنقدر خوگر شد۔ که در عین جوانی بر بستر ناتوانی افتاد۔ و در سنه تسع واربعین والف (۱۰۴۹) غبار هستی بباد فنا داد۔

دیوانش سیر نموده شد۔ غث و سمین دارد۔ و مضامین تازه کم واقع شده این چند رشحه از خمستانش می چکد ؎

گرچه آن قیمت ندارد دل که پامالت شود صرف آتشبازیِ طفلان همسالت شود

رخصتِ کشتنم بده نرگسِ کم نگاه را یا مکن آشنای دل گرمیِ گاه گاه را

باُمیدِ کسے نگذاشت بیدادش دلِ مارا | خدا اجرے دہد در کشتنِ ما قاتلِ ما را

بلب ہردم ز شادی شکر این سودا نمی گنجد | کہ در دامِ تغافل غیرِ صیدِ ما نمی گنجد

پس از عمرے بسویم گر نگاہے کرد جا دارد | شہیدِ زخمِ شمشیرِ تغافل اجرہا دارد

خطِ یار گرچہ سر زد نگہ ستمگرش ہست | چہ غم خمار دارد می ناز در سرش ہست

بکدام جان بباز دیکدام سر بہ بخشد | چہ کند کسے بیکدل کہ ہزار دلبرش ہست

جولانِ دلِ شکاریش از کار بردہ است | مستانہ می رود جلوے بینوان گرفت

غیرت روا نداشت کہ تنہا گزارمش | عمرِ عزیز در قدمِ نامہ بر گذشت

نہ خوب دانم و نے زشت اینقدر دانم | کہ ہر چہ ہست بغیر از من انتخابِ من است

گرچہ استغناست ناحق کشتگان را خونبہا | چشمِ خوبان را نگاہ عذرخواہی لازم است

در پریشان کدہ پاس بود فیض رسا | سایۂ بید خوش آیندہ شمالے دارد

صبح خندان می شود بر روی تیغِ آفتاب | کاملے باید کہ از تقصیرِ جاہل بگذرد

بدوستی کہ چو در کوی او غبار شوم | نسیم را خبر از سرگذشتِ من بکنید

بگذار بید کہ بگذارم و آہے بکشم | عمرہا سوختہ ام تا نفسے یافتہ ام

گفتم بدہی دل نشنیدی سخنم را | از آئینہ دیدی چہ قدر ناز کشیدی

دستے کہ بر نگیر داز پا فتادہ را | چوں آستینِ خالی است بیکار تا بگردن

رباعی

آگاہی چیست سیرِ دنیا کردن | در ملکتِ وجود سودا کردن

چون مہر سفر کن کہ بود کارِ زنان | از سرمۂ سایہ دیدہ بینا کردن

(۳۸) ادائی ۔ میر محمد مومن یزدی

کلامش ادا ہائے خوب دارد ۔ و اندازہائے مرغوب ۔ در دیارِ خود متہم بالحاد گردید ۔

ومجال اقامت ندیده رخت بوسعت آباد ہند کشید و در سنہ ثلثین و الف (۱۰۳۰) وارد دکن شد۔ و دران الکہ مراحل زندگانی بپایان رسانید۔

سیارات ابیاتش از افق بیان طلوع می کند ؎

بے روی تو روزیکہ رہم بر چمن افتد | دیوار بہ از سایہ کہ بر روی من افتد
یک دل آزاد درین دامگہ فانی نیست | یوسفے نیست درین مصر کہ زندانی نیست
چاشنی گیر زہر کاسۂ این خوان گشتم | خوش نمک تر ز سر انگشت پشیمانی نیست

رباعی

این عمر بباد نو بہاران ماند | این عیش بسیل کوہساران ماند
زنہار چنان بزی کہ بعد از مردن | انگشت گزیدنی بیاران ماند

(۲۹) سعیدا نقشبند یزدی

نقشبند کارگاہ خوش تلاشی است۔ وصورت آفرین ہیولائے خوش قماشی میرزا صائب او را بزبان ادب یاد می کند و می گوید ؎

این خوش غزل ز فیض سعیدای نقشبند | صائب ز بحر دل بتامل رسیده است

سعید در صفاہان اقامت داشت۔ و نزد اکابر وقت معزز و محترم می زیست نقش خیال در پرند عبارت چنین می بافد ؎

کس نیست کہ خارم ز دل ریش برارد | این خار مگر آتشے از خویش برارد

(۳۰) نظیر مشہدی

نظیر عندلیب بہار است۔ و عدیل طوطی شیرین گفتار۔ در سنہ ثلثین و الف (۱۰۳۰) احرام بیت اللہ بست و بعد از ادراک این سعادت متوجہ ہند گشت۔ و

ودر اثناء راہ تشددائد بسیار کشید و کشتی او شکست - بعد محنتِ تمام بہ شہر بیجاپور رسید۔ ودر سلک مقربان عادل شاہ انخراط یافت۔

اول نظیری تخلص می کرد - باشندہای نظیر نیشاپوری نظیر قرار داد - گویند نظیری عوض حرف یادہ ہزار روپیہ بہ نظیر تسلیم کرد - و این سوال وجواب ظاہراً غلط شائع شدہ باشد - زیرا کہ نظیر بعد فوت نظیری بہ ہندوستان رسید واللہ اعلم

نظیر آہوان معانی را باین قسم شکار می کند ؎

نگذاشت زسامانِ تنم ضعف جُدائی	چندانکہ نگاہ شوم و از مژہ خیزم
درسلسلۂ بال فشانانِ ہوائی	خم ناشدہ از نامۂ من بال پرے نیست

(۱۳۱) نادم لاہیجانی

سرخروئی معرکۂ شعراست - اما از شکستِ نفس نادم تخلص می گزیند - وصدرآرای مجلس فُصحا است - لیکن از فروتنی درصفِ آخر می نشیند - الکن طلق اللسان بود - وقصب السبق از رائضانِ مضمار زبان آوری می ربود - از دیار خود بممالک دکن افتادہ - با مولانا نظیری نیشاپوری صحبت معتقدانہ داشت - بعد چندے بصوب بنگالہ خرامید - واز انجا بہ عظیم آباد پٹنہ حرکت کرد - آخر بہ اصفہان معاودت نمود وہمانجا مرحلۂ آخرت پیمود۔

ریحانِ کلامش در سرزمینِ ورق سبز می شود ؎

در کعبہ اگر دل بسوئے یار نباشد	احرام کم از بستنِ زُنّار نباشد
ہرگز این طفل مزاجی نرود از یادم	گر بنا بوت روم شوخی گہوارہ کنم
باعثِ جلوۂ گل دیدۂ بیدارمن است	بلبلان شور برآرید کہ خوابم ببرد
ہنوزش رنگ طفلی ہست گل چیدن نمیداند	بدامن آشیانِ بلبل از گلزار می آید

(۳۲) سُروری کابلی

عالم بیگ نام دارد۔ نکات رنگینش گلدستۂ سروری است۔ و خیالات دلنشینش سرمایۂ حضوری۔ در اُردوی جهانگیری بسر مے برد۔ و در زمرۂ خوش خیالان می زیست نهال فکرش باین رعنائی می بالد ؎

لطف و دشنام تو تسکین دلِ بیهوش ماست
آتش از آب چه گرم و چه خنک خاموش ماست

در رقص دست و پا زدن اختراعِ ماست
چون نبض زیر پوست تپیدن سماعِ ماست

چوگان صفت بطلب خود پشت پا زدیم
پیوندِ ما بمطلب انقطاعِ ماست

عُذرِ دست تهی است خُلق کریم
میوۂ بید سایۂ بید است

(۳۳) مطیع تبریزی

طوطی بے بدل و مطیع استاد ازل است میرزا صائب مصراع اور اتضمین می کند و می فرماید ؎

جواب آن غزل است اینکه گفته است مطیع
کلید کعبه و بتخانه در بغل دارم

مطیع تجارت پیشه بود۔ از دیار خود بسیر هند خرامید۔ روزگارے بهندا داشت طرۂ اشعارش پیرایۂ عارض ورق می شود ؎

آهے که مرا از دلِ پُر درد بر آید
چون شاهسواری است که از گرد بر آید

چو وسعت عدم در خیال می آید
ز تنگنائے وجودم ملال می آید

(۳۴) اوجی نطنزی

فکر بلندش طرفه اوجے دارد۔ و شعر آبدارش عجب موجے۔ میرزا صائب سخن

اورا تضمین می کند و می فرماید ؎

این جواب مصرع اوجی که وقتی گفته است　　پادشاهی عالم طفلی است یا دیوانگی

و اوجی نسبت بمیرزا می گوید ؎

صائب نمود جوهر شعر مرا به من　　تیغ برهنه ام که جگردار یافتم

اوجی با حسن خان شاملو حاکم هرات بسر می برد۔ و در مدح او فراوان قصائد پرداخت۔

دیوان او بمطالعه در آمد و این چند بیت بالتقاط رسید ؎

کرم گلے است که در باغ خودنمائی نیست　　کریم ساخته بودن کم از گدائی نیست

گرشامگهٔ شیب وگر صبح شباب است　　پوشیدن چشم اندو جهان یکسره خواب است

ساغر بغیر داد زرشکم خراب ساخت　　آتش بدیگرے زد و مارا کباب ساخت

نگهٔ گرم عنانم صف دیدار کجاست　　بوسهٔ بے ادبم کنج لب یار کجاست

رطل گران بقیمت جان می توان خرید　　این است آن گوهرے که گران میتوان خرید

درین زمانه پسر با پدر نمے سازد　　درین حدیث گواهم شراب انگوری است

بهر یک لب خنده نتوان منت شادی کشید　　منصب گل گر دهند غنچهٔ تصویر باش

ما حریف این قدر بار تعلق نیستیم　　می برد این رنگ را بر چهرهٔ ما بسته است

خاطر جمعی ندارم از تو آخر دیده ام　　همچو دستار پریشانم ز سر وا کرده

کے بآرایش ویرانهٔ ما مے آید　　آنکه در آئینه یک جلوه بصد ناز کند

من گرفتم خویش را بے غم تسلی ساختم　　خاطر غم را باین معنی تسلی چون کنم

با آن که قتل ما بتحمل حواله کرد　　چندان امان نداد که خاکے بسر کنم

صفاے روی عرقناک یار را نازم　　که صلح داد بهم آفتاب و شبنم را

از باده نمے توان بریدن　　زین آب گذر نمے توان کرد

اوجی این قطرۂ خونی کہ اجل خواہد ریخت ‏ ‏ ‏ حرفہ آنست کہ در گردنِ دشمن باشد

(۳۵) مشرقی میرزا ملک مشہدی

در نظم و نثر منشأ بدائع آثار است و مشرقِ فراوان انوار۔ چندے در خراسان باحسن خان شاملو گزرانید۔ آخر باصفہان شتافت۔ و در سلک منشیان شاہ عباس ماضی انتظام یافت۔ خان مذکور در مفارقت او غزلے گفتہ۔ از آن است ؎

تا مشرقی از کنار من رفت ‏ ‏ ‏ از مشرقم آفتاب رفتہ

دیوان مشرقی بملاحظ در آمد۔ قصائد غرا در مدح شاہ صفی بنظم آوردہ۔ و مقطعات ہجو بسیار گفتہ۔ محرر اوراق التزام کردہ کہ زبان خامہ را از ہجویات و ہزلیات شعرا نگاہ دارد۔

مشرقی مضامین خوب در قصائد تلاش کردہ۔ این چند بیت از غزلیات او برچیدہ شد ؎

نمی گویم کہ آتش رنگت یا گل بو بگرداند ‏ ‏ ‏ الٰہی آن گلِ آتش طبیعت خو بگرداند

دوستان بوی می از خرقۂ ما مے آید ‏ ‏ ‏ نکہتِ یوسف ازین کہنہ قبا می آید

ہمچو خورشید قدم بر سرِ دنیا دارم ‏ ‏ ‏ عالمے در تہِ یک آبلۂ پا دارم

پرتوِ شمع رخے افتاد در کاشانہ ام ‏ ‏ ‏ سوزشِ یاقوت شد خاکسترِ پروانہ ام

دل را بشمیم گل داغے نرساندیم ‏ ‏ ‏ پروانۂ خود را بچراغے نرساندیم

چو عندلیب مدارم بآہ و نالہ گزشت ‏ ‏ ‏ چو گل تمام بہارم بیک پیالہ گزشت

باغبان چون غنچۂ نرگس مراد خواہید ‏ ‏ ‏ تا بحسرت در کدامین بزم چشمے وا کنم

ز کعبہ آیم و رشک آیدم بخون تا بے ‏ ‏ ‏ کہ از زیارت دلہاے خستہ مے آید

کارِ دوبارہ عیش بتاراج دادن است	می را زخم بجام کن و در سبو مکن
مطلب زِ اضطراب بمقصد رسیدن است	از شیشہ تا بلب نرسد می رسیدہ نیست
نہ در بہار نشاطے نہ در خزان المے	فلک مرا بچہ امید در قفس دارد
نہ زخم خار کشیدم نہ بوی گل دیدم	ز عندلیب شنیدم کہ نو بہاری ہست
آبِ حیات تیغت جان داد مشرقی را	ہرگز کسے ندارد جان دادنی چنین یاد

(۳۶) منیر ابو البرکات لاہوری بن ملا عبد المجید ملتانی

صاحب طبع منیر و نظم و نثر دلپذیر است۔ در منشآت خود گوید "من بے خانمان کہ در قلمرو سخن وطن گزیدہ ام صد ہزار بیت بلند بنیاد نہادہ ام" منثورات او و شرحے کہ بر قصائد عرفی شیرازی نوشتہ متداول است۔ مولد و منشأ منیر دار السلطنت لاہور است

در عہد شاہجہانی اول با میرزا صفی مخاطب بہ سیف خان ناظم الہ آباد بسر می برد این سیف خان داماد میرزا ابو الحسن مخاطب بہ آصف خان بن میرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ طہرانی جہانگیری است۔ بعد ازان منیر با اعتقاد خان حاکم جونپور پسر خرد اعتماد الدولہ مذکور مربوط گشت۔ و از خوان احسان او زلہ برداشت۔

و ہفتم رجب سنہ اربع و خمسین و الف (۱۰۵۴) در مستقر الخلافہ اکبرآباد رخت حیات بربست۔ نعش او را بلاہور نقل کردہ زیر خاک سپردند۔

طبع منیر سواد سخن را چنین روشن می کند ؎

قدم برون ننہد ماہ من ز منزل خویش	بود چو صورت آئینہ زیب محفل خویش
سہی قدان کہ گرفتار جلوۂ خویش اند	چو نخل شمع دوانند ریشہ در گل خویش

(۲۷) قدسی - حاجی محمد جان مشہدی

جان سخن پروری است و روح معنی گستری۔ سعادتِ زیارتِ حرمین شریفین اندوخت۔ و بگلگشت ہند خرامش نمود۔ و در شہر ربیع الآخر سنہ ثنتین واربعین والف (۱۰۴۲) بتقبیل عتبۂ صاحبقران ثانی مفتخر برلب گذاشت روز اول قصیدۂ بعرض رسانید کہ مطلعش این است ؎

ای قلم برخود ببال از شادی و بکشا زبان ۔۔۔ در ثنای قبلۂ دین ثانی صاحبقران

بعنایت خلعت و انعام دو ہزار روپیہ کامیاب گشت۔ و در ذیل ثنا طرازان انخراط یافت۔ و بیومیۂ بیش قدرے موظف گردید۔ و بارہا بجوائز کام دل اندوخت

شیخ عبدالحمید صاحب شاہجہان نامہ در وقائع جشن نوروز سال ہزار و چہل و پنج ہجری می نگارد کہ:۔

"روز پنجشنبہ دوازدہم شوال سریر آرای آسمان چہارم پرتو اعتدال بر ساحت حمل"
"انداخت و افسردہ طبعان نباتات را باہتزاز در آورد۔ شانزدہم ماہ مذکور۔"
"حاجی محمد جان قدسی در جلدوی قصیدۂ کہ بمدح پادشاہی محلی ساختہ بود بر زبر"
"کشیدہ مبلغ وزن راکہ پنج ہزار و پانصد روپیہ شد باو مرحمت گردید و در اواسط شہر"
"ربیع الاول سنہ تسع واربعین والف (۱۰۴۹) بعنوان صلۂ شعر صد مہر عنایت"
"شد۔ و در جشن شفا یافتن جہان آرا بیگم بنت صاحبقران ثانی از آسیب آتش"
"در اوائل شوال سنہ اربع وخمسین والف بعنایت خلعت و دو ہزار روپیہ تمتع"
"برگرفت"۔

شیر خاں در مرآۃ الخیال می نویسد کہ:۔

"حاجی محمد جان قصیدۂ رنگین در مدح صاحبقران ثانی گفتہ بعرض رسانید پادشاہ"

"اقسام جواہر قیمتی طلبیدہ فرمود تا ہفت بار دہانش از آن پر کردند" انتہی[1]

اما مؤلفین شاہجہان نامہا مثل ملّا عبدالحمید لاہوری و ملّا علاء الملک تونی و صاحب عمل صالح کہ ہر کدام حالات پادشاہی مستوفی می نگارد وصلۂ پُر کردنِ دہانِ قدسی بجواہر بہ زبانِ قلم نیاوردہ اند۔

قدسی پادشاہ نامۂ صاحبقرانی نظم آوردہ چون نام عبداللہ خان فیروز جنگ در وزن پادشاہ نامہ نمی گنجید۔ باین حسن بیان ادا کردہ

نہنگے کہ از غایتِ احتشام　　نگنجد بجز از بزرگیش نام

بخاطر ناقص می گزرد کہ برای نگنجیدنِ نام دو تعلیل آورد۔ از غایت احتشام و از بزرگی۔ احدہما زائد است۔ اصلاح برین وجہ می تواند شد

نہنگیست از غایتِ احتشام　　نگنجد بجز از بزرگیش نام

وطورے بتکلف معنی می تواند شد کہ ضمیرِ شین را راجع بنام سازند یعنی نہنگے کہ از غایت احتشام او نام بمرتبۂ بزرگ شدہ است کہ در بحر نمی گنجد۔ و اصلاحے کہ کردہ شد معنی را صاف ادا می کند۔

مثنوی و قصیدۂ قدسی خوب است لیکن غزلش چندان رتبہ ندارد۔ انتقال او در سنہ ست و خمسین و الف (۱۰۵۶) اتفاق افتاد کلیم در مرثیۂ او ترکیب بندے گفتہ و تاریخ چنین یافتہ مصرع دور از ان بلبلِ قدسی چمنم زندان شد ۱۰۵۶ھ

شیخ عبدالحمید می گوید کہ "قدسی بعارضہ اسہال در دار السلطنت لاہور در گزشت"، و غنی کشمیری در قطعہ تاریخ وفات کلیم گوید کہ

عمرہا در یاد او زیر زمین　　خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاقِ یکدگر　　گشتہ اند این ہر سہ در یکجا مقیم

---

[1] تذکرہ مرآۃ الخیال صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ کلکتہ۔ ترجمۂ حاجی محمد جان قدسی۔

ظاہر منطوق عبارتِ ہمین است کہ ہر سہ دریکجا مدفون اند و این وقتے تواند شد کہ جسد قدسی را بکشمیر نقل کردہ باشند۔

و میر طاہر نصیر آبادی می نویسد کہ "استخوان او را بمشہد مقدس رسانیدند" دیوان قدسی بنظر تصفح درآمد و این چند بیت اختیار افتاد ؎

زود بہ کردم منِ بے صبر داغِ خویش را　　اولِ شب می کشد مفلس چراغ خویش را

در جلوہ گری مثل نرگس یاد ندارد　　نادر بود آن پیشہ کہ استاد ندارد

در مجلسے کہ یاران شربِ مدام کردند　　نوبت بما چو آمد آتش بجام کردند

اینجا غم محبت۔ آنجا جزای عصیان　　آسایشِ دو گیتی بر ما حرام کردند

در چنین فصلے کہ بلبل مست گلشن پرگل است　　گر ہمہ پیمانۂ عمر است خالی خوب نیست

ہر چہ با زلفِ تو می ماند دل از من برد　　روز عمرم در تمنائے شبِ یلدا گذشت

غم ہجوم آورد من در فکر بے سامانیم　　میزبان خجلت کشد ہر چند مہمان آشنا ست

عیش این باغ باندازۂ یک تنگدل است　　کاش گل غنچہ شود تا دلِ ما بکشاید

گر دستِ شام ہجران گیرد گلوی شب را　　مشکل کہ تا قیامت از صبح دم برآید

عشق چون قسمتِ اربابِ معیشت میکرد　　لالہ داغے ز میان برد کہ تا غم دارد

تابِ ہجرانِ شرابم نیست تا وقتِ صبوح　　پیشتر از صبح می خندد گلِ پیمانہ ام

نگذاشت بخواب عدمم شیونِ بلبل　　گل ریختہ بودند مگر بر سرِ خاکم

(٣٨) سلیم میرزا محمد قلی طرشتی

از طبقۂ اتراک و نکتہ سنجان بلند ادراک است۔ صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم۔ در سلاست عبارات ممتاز و در نزاکت خیالات بے انباز۔ ابتداء حال با میرزا عبد اللہ وزیر لاہیجان بسر می برد۔ و بمزید مصاحبت امتیاز داشت۔ درآن

ایام مثنوی رنگینے در تعریف لاہیجان انشا کرد۔
آخر الامر در عہد شاہجہانی سرے بہند کشید و مثنوی مسطور را تغیر دادہ بنام کشمیر ساخت۔ ازان است در صعوبت راہ کشمیر ؎

چنان معلوم می گردد کہ این راہ	رہِ موران بود بر خرمنِ ماہ
زبس رہرو درو سنگین خر آمد	ز پا بیش رشتۂ پنداری بر آمد
ہمانا کافرست این کوہ خونخوار	کہ دارد بر کمر زین راہ زنّار
معلطان سنگ ازو تا مے توانی	کہ باشد بد بلائے آسمانی
بسامان رفتنِ این راہ زشت است	مجرّد شو کہ این راہ بہشت است

بعد ورود ہندوستان ندیم میر عبد السلام مشہدی شد و در مدح او قصائد بلند پرداخت۔ میر عبد السلام از عمدۂ امرا شاہجہانی است و در عہد شاہزادگی بمنصب شایستہ و خطاب اختصاص خان اختصاص داشت و بعد سریر آرای سلطنت اول بخشی دوم شد۔ پس ازان ناظم گجرات و عقب آن ناظم بنگالہ۔ سپس بخطاب اسلام خان و والا پایۂ وزارت مباہی گشت۔ و چون نوبتِ وزارت بہ سعد اللہ خان رسید پادشاہ اسلام خان را بایالت ممالک دکن سرفراز فرمود وہم در زمانِ حکومت دکن سنہ سبع وخمسین والف (۱۰۵۷) جہان فانی را وداع نمود۔ مقبرۂ او در سواد اورنگ آباد معروف است عمارتے دلنشین دارد۔

محمد قلی سلیم در رکاب اسلام خان بسرمے برد۔ و در سالے کہ اسلام خان فوت کرد یعنی سنہ سبع وخمسین والف (۱۰۵۷) او ہم در کشمیر رخت سفر از ین عالم بر بست۔ و در دامن کوہے کہ مشہور بہ "تخت سلیمان" است مشرف بر تالاب ڈل خلوت نشینِ خاک گردید۔

این چند بیت از دیوان سلیم بر ارباب ذوق سلیم عرض می شود ؎

مگذار ز دستم که گلِ باغ وفایم — بر دستِ تو شایسته تر از رنگ حنایم

تا چند دیر و کعبه مخوان این فسانه را — همچون کمانِ حلقه یکی کن دو خانه را

بدست آئینه از عکس رخش گلدسته را ماند — نه شانه زلف او هندوی ترکش بسته را ماند

ای تازه روز زخم خدنگِ تو داغ ما — از روغنِ کمانِ تو روشن چراغ ما

در قفس رفت چو قمری چمن از یاد مرا — بهتر از سرو بود سایهٔ صیاد مرا

مدعی گر نکند بحث سخن دلگیر است — در جدل گوش و زبانش سپر و شمشیر است

تا سحر امشب شراب ناب می باید گرفت — خونبهائے شمع از مهتاب می باید گرفت

نارسائی به هنرور همه جا همراه است — جامهٔ سرو ز موزونی او کوتاه است

جدل از خصم هنر باشد و از من عیب است — چون رگِ لعل ز دانا رگِ گردن عیب است

هما نصیب تو از من چنانکه خواهی نیست — که استخوانِ مرا مغز همچو ماهی نیست

امشب که ز بختم بسوی بزم تو راه است — چون شمع سراپای تنم وقف نگاه است

صید ما را از خدنگش در دل و جان آتش است — ناوکِ او را اگر چون شمع پیکان آتش است

ساقیِ گلفام صحنِ باغ را میخانه ساخت — از طرب چون صبح صوفی سبحه را پیمانه ساخت

واقف کسے ز شیوهٔ آن کجکلاه نیست — چون صورتِ فرنگ نگاهش نگاه نیست

نیم بلبل که فصلِ گل بگلشن آشیان گیرم — دهم صد گل که همچون شمع یک برگِ خزان گیرم

چو بلبل باعثِ شوریدهٔ گفتاری نمی دانم — چو گل تقریب این آشفته دستاری نمی دانم

باوجودِ صد هنر لافم ز شعرِ دلکش است — خامه در دست هنرور تیر روی ترکش است

روزیِ کس را خورد کمے دیگرے زان چوب را — آب نتواند فرو بردن که رزقِ آتش است

هر کدام از یک لطف می کنی خوب است — که داغهائے دلم را ز هم جدائی نیست

راحتِ مردان هم از سرپنجهٔ مردانگی است — شیر را در وقت خفتن دست و بازو متکاست

ذوقے از دیدنِ معشوق بدلگیری نیست — غنچه در چاکِ قفس قفلِ درِ زندان است

نگردد گریهٔ مستانه ام کم | که این بارانِ شب سینه گرفت است

نتوان نمود نقش ترا آنچنانکه هست | آئینه پیش روی تو چون صبح کاذب است

خنده بر سرو مکن این همه در محفل خویش | جامهٔ کوته اش اولی است که قد مشتگار است

تسلیم از همه نو حالِ آسمان پیدا است | نشانِ مرکبِ طفلان رکاب کوتاه است

چون تند روی کاشیان تبدیل ساز میشود | قالبِ مجنون تهی لیلی چو در محمل نشست

به بزم باده مرو بے صحیفهٔ شعرے | سفینهٔ بطلب تا توان در آب نشست

دوران بجا نه دیر چو ماند عزیز نیست | کوتاهی زمانه ز عمرِ درازِ ماست

گر سرو بود کجکله و بر زده دامان | منعش نتوان کرد از بنها که جوان است

هیچ کس حالِ سر ما را نمی داند که چیست | عالمے را چشم همچون صبح بر دستار ماست

شاهان چرا تسلیم پرورشک مے برند | ملکِ سخن چو بیش ز یک گوشواره نیست

دل درونِ سینه ام می نفصد از حرف و طلب | هیچ سازے ماهیان را چون صدا اشکسته نیست

تیغ او پیش از اجل می سازدم از غم خلاص | راه پل دور است می باید مرا بر آب زد

از یار مصلحت نیست آهنگِ شکوه کردن | چون دف شکفته ما دیوار گوش دارد

در مقامِ عشق دل را از تعلق پاک کن | مانند آئینه را نتوان به پشت شاه داد

تسلیم گفت کردارم بطرز است مستحسن | بخنده گفت که بیهوده زبان چه می داند

یوسف من چشمِ طفلان نیست تنها بر رسن | شوقِ مکتوب تو پیران را کبوتر باز کرد

هیچ کس پروردهٔ خود را نمی خواهد زبون | آب آتش را نسوزد بر سرِ خاشاک شد

اعتبارے دولتِ جمشید را پیدا نشد | تاک تا از دودمانِ خود یادِ دختر نداد

نسبتِ در عاشقی ما را به تیغ قتل است | تا از ما صیاد مرغ گرفت ما را سر نداد

نیست در ایران زمین سامانِ تحصیل کمال | تا نیامد سوی هندوستان حنا رنگین نشد

با خبر باش از زبانِ خود که اشیایِ راز | از خموشی حلقه در گوشِ سخن چین کرده اند

جهانِ سفله اگر داد جرعهٔ آبے　　همان نفس چو آن آبروی من آورد

از عهد نیست هرگز دلگیرِ وعدهٔ او　　کاهل همیشه خواهد همراهِ لنگ باشد

شانه می آید بکارِ زلف از آشفتگی　　آشنایان را درایام پریشانی بپرس

چو تند بادِ حوادث شود غبار انگیز　　پناه مردم بے دست و پا چو مژگان باش

بسکه وارم ذوقِ جستن از فضاے رونگار　　درمیانِ خانه همچون تیرِ صیدان می کشم

سفرِ اوّلِ شوق است بکوئیت مارا　　صید بازو ندتوان کرد که نو پرو از یم

حیف باشد که زبے مهریِ او شکوه کنیم　　ماکه معشوق پران همچو کبوتر بازیم

چنان قناعتِ فقر است سازگار مرا　　که چون حباب شوم فربه از هوا خوردن

عهد کردم که گراین بار بکوی تو رسم　　سرمهٔ دیده کنم سایهٔ دیوار ترا

مخفی نماند که در تتبع فقیر اول کسیکه تضمین چنان در مقطع غزل طرح انداخت سلیم است - می گوید ؎

سلیم امشب بیادِ تربتِ حافظ قدح نوش است　　اَلَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی اَدِرْ کَاسًا وَّنَاوِلْهَا

وے گوید ؎

گفتِ حافظ دید چون کلک بیانم را سلیم　　بلبلے برگِ گلے خوش رنگ در منقار داشت

زبان زدِ خلق است که او معانی بیگانه را باخود آشنا می ساخت - چنانچه مُلّا وارسته گوید ؎

دخلے که نکردی بکلام الله است　　بیتے که نبردهٔ تو بیت الله است

طرفه اینکه سلیم از دستِ دیگران می نالد و می گوید ؎

دیوانِ خود بدستِ حریفان مده سلیم　　غافل مشو که غارتِ باغِ تو می کنند

و نیز می گوید ؎

دیوان کیست از سخنانم تهی سلیم　　تنها نه من ازیشان از دستِ شان خدا

نام میرزا صائب را تصریح کردہ اما بالغ نظران می دانند کہ میرزا صائب خیلے صاحب قدرت سیر بضاعت است۔ حاشا کہ باخذو جر بپردازد۔ و متاع بیگانہ را دستمایۂ خود سازد۔ مضامینے کہ از سلیم و صائب ہمسایہ یکدیگر واقع شدہ و بنظرِ تتبع این نارسا رسیدہ در ینجا ثبت می نماید۔ و چون تاریخ وفات سلیم مقدم است اول شعر سلیم مذکور می شود۔

سلیم ؎ مشاطہ را جمالِ تو دیوانہ می کند	کآئینہ را خیالِ پریخانہ می کند
صائب ؎ دل را نگاہ گرم تو دیوانہ می کند	آئینہ را رُخِ تو پریخانہ می کند

غنی کشمیری نیز این مضمون را می بندد کہ ؎

ہرکس کہ دید روی تو دیوانہ می شود	آئینہ از رُخِ تو پریخانہ می شود
سلیم ؎ چشمِ تو ام زہوش تہیدست می کند	یک سرمہ دان شراب مرا مست می کند
صائب ؎ از چشمِ نیم مستِ تو با یکجہان شراب	ما صلح کردہ ایم بیک سرمہ دان شراب
سلیم ؎ صدا چگونہ برآید کہ این سیہ چشمان	بسنگ سرمہ شکستند شیشۂ ما را
صائب ؎ نماند نالۂ دل در دہ پیشۂ ما را	بسنگ سرمہ شکستند شیشۂ ما را

مُلّا طاہر غنی نیز این مضمون بستہ است ؎

ز بیم آنکہ مبادا صدا بلند شود	زسنگِ سرمہ شکستیم آبگینۂ خویش
سلیم ؎ ز آشفتگیِ طُرّۂ مقصود خبر داد	ہر فال کہ از شانۂ شمشاد گرفتیم
صائب ؎ خواہد فتاد دامنِ لفظش بدستِ من	این فال را ز شانۂ شمشاد دیدہ ایم
سلیم ؎ زینت اربابِ معنی جوہرِ ذاتی بس است	لالہ در کوہِ بدخشان گر نباشد گو مباش
صائب ؎ شمع بر خاکِ شہیدان گر نباشد گو مباش	لالہ در کوہِ بدخشان گر نباشد گو مباش
سلیم ؎ اگر بچشمِ حقیقت نظر کنی دانی	کہ طوقِ فاختہ بر پاے سرو خلخال است
صائب ؎ حسن بالادست را آرایشے چون عشق نیست	طوقِ قمری سرو را بہتر زخلخالِ زر است

سلیم ~ سلیم ہندِ جگرخوار خورد خونِ مرا ‌‌‌‌ چہ روز بود کہ راہم باین خراب فتاد

صائب ~ صائب از ہندِ جگرخوار برون می آیم ‌‌‌‌ دستگیرِ من اگر شاہِ نجف خواہد شد

آما ملا نوعی خبوشانی پیش از ہر دو می گوید ~

گداخت ہندِ جگرخوارم ای اجل مپسند ‌‌‌‌ کہ استخوانِ ہمائی غذای زاغ شود

و ملا مشرقی نیز ہند را باین صفت یاد می کند و می گوید ~

دلم در آرزوے ہند خون شد ‌‌‌‌ کہ خون باد دلِ ہندِ جگرخوار

مقتضای حُسنِ ظن آنکہ اشتراک مضامین را حمل بر توارد کنند و تاکہ محل حسنی داشتہ باشد چرا در پے محل دیگر روند۔

علامۂ تفتازانی در مطول نقل می کند ملخص کلامش اینکہ :۔

"حکم سرقہ وقتے کردہ میشود کہ اخذ ثانی از اول یقینی باشد و الا احکام سرقہ مترتب نمی تواند"

"شد و از قبیل توارد خواہد بود۔ و در صورتے کہ اخذ ثانی از اول معلوم نباشد باید"

"دگفت کہ فلان شاعر چنین گفتہ است و دیگرے سبقت بُردہ چنین یافتہ۔ و باین حُسن"

"تعبیر مغتنم داند فضیلت صدق را۔ و محفوظ دارد خود را از دعوی علم بغیب و نسبت"

"نقص بغیر انتہیٰ"

و اگر کسے بنظرِ تفتیش ملاحظہ کند کم شاعرے را از توارد مضامین خالی یابد چہ احاطۂ جمیع معلومات خاصۂ حضرت علم الٰہی است تعالیٰ شانہٗ۔ خامۂ معنی نگار تیرے بتاریکی می افگند چہ داند کہ صید وارستہ است یا بال و پر بستہ ابو طالب کلیم خوب گفتہ و گوہرِ انصاف سُفتہ ~

منم کلیم بطُورِ بلندیِ ہمت ‌‌‌‌ کہ استفادۂ معنی جز از خدا نکنم

بخوانِ فیضِ الٰہی چو دسترس دارم ‌‌‌‌ نظر بکاسۂ دریوزۂ گدا نکنم

۱؎ مطول جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ بحث سرقہ مطبوعہ

دلے علاجِ توارد نمی توانم کرد   مگر زبان بسخن گفتن آشنا نہ کنم

فقیر جزوے از اشعارِ توارد فراہم آوردہ۔ چند بیت از تواردات سخن سنجان متاخرین بسبیل استشہاد عرض می شود

امیر خسرو — بستم دلِ اسیران یکجا گریزد از تو   بحوالیِ دو چشمت چشم بلا نشستہ

صائب — بحوالی دو چشمت چشم بلا نشستہ   چون قبلہ کرد لیلی ہمہ جا بجا نشستہ

بابا فغانی — قضا کہ بر لبِ او خطِ عنبریں دارد   برای کشتنِ من زہر در نگبین دارد

صائب — امید جانِ شیرین داشتم از لعلِ سیرابش   ندانستم کہ از خط زہر در زیرِ نگین دارد

میر نجرہ — دمِ واپسین زلیخا بہمین ترانہ تن زد   کہ بہ جذبۂ محبت پسر از پدر گرفتم

نقی — چہ غم از فریبِ دشمن کہ محبت زلیخا   بکشا کشِ نہانی پسر از پدر برآرد

سلیم — شوق روش ہر کس را بغریبی دارد   سبب این است جلاے وطنِ آئینہ را

کلیم — چند در خانہ اش آتش فتد از پرتوِ او   زین ستم آینہ در فکرِ جلائے وطن است

سلیم — چون کشم بارگرانِ غمِ دوری کہ ضعف   نگہ خود نتوانم ز رخت بردارم

کلیم — ز ناتوانیِ خود اینقدر خبر دارم   کہ از رخت نتوانم کہ دیدہ بردارم

اسیر — نیست جوہر بہ تیغِ یار اسیر   بہرِ قتلم نوشتہ دارد

میر صیدی — نیست جوہر کہ بشمشیرِ تو تصویر شدہ است   رقمِ قتلِ جہانے است کہ تحریر شدہ است

ملا غنی — قضا جدا از تو خونم چرا نمے ریزد   مگر ز دستِ قضا این قدر نمے آید

اسیر — یار ہرگز بسر نمے آید   از قضا این قدر نمی آید

سلیم — مگر از صبحِ محشر رخ دہد این روشنی یابد   کہ شبہائے سیاہم ابروی پیوستہ را ماند

واعظ — چون دو ابروی سیاہ کہ بہم پیوستہ است   بے تو شبہائے درازم ہمہ برہم بستہ است

حزنی — مرا بسادہ لوحیہا حزنی خندہ می آید   کہ دارد چشمِ لطف از دلبرِ نامہربانِ من

فطرت — مرا بسادہ لوحیہا فطرت خندہ می آید   کہ عاشق گشتہ و چشمِ وفا از یار ہم دارد

تسلیم سے آنکہ پیغامی بردار نامسوی او دل است
نامۂ بے طاقتان بر بالِ مرغ بسمل است

فطرت سے می توان از دل تپیدن یافت احوالِ ما
نامۂ بے طاقتان بر بالِ مرغ بسمل است

صائب سے سرچشمۂ حیات لبِ میگکانِ اوست
عمرِ دوبارہ سایۂ سروِ روانِ اوست

فطرت سے عیشِ ابد بکامِ دلِ دردمندِ تست
عمرِ دوبارہ سایۂ سروِ بلندِ تست

صائب سے صحبتِ ناجنس آتش را بفریاد آورد
آب چون در روغن افتد میکند شیون چراغ

علی سے آب چون در روغن افتد نالہ خیزد از چراغ
صحبتِ ناجنس را باشد ثمر آزار ہا

مشرقی سے برگِ حنائیم و بامید رنگ و بو
در دستِ دیگرے است خزان و بہار ما

خالص سے ما را خبر ز شادی و غم نیست چون حنا
در دستِ دیگرے است بہار و خزان ما

واعظ سے مدعا از دل برون کن تا بر آید مدعا
شد نگین با نام تا افگندہ از خود نام را

وحید سے دور فگن نام را کہ نام فگندن
صاحبِ نام و نشان نمود نگین را

ناظم معراج سے چنان بگذشت زین سقفِ شفاف
کہ سیلابِ نگہ از عینکِ صاف

وحید سے زچشم مہ سوے بالا سفر کرد
چو نورِ دیدہ از عینک گذر کرد

فیاض سے بباغ بسکہ ز شرمِ رخت گل آب شود
غلافِ غنچۂ گل شیشۂ گلاب شود

وحید سے بگلشنے کہ رخِ دوست بے نقاب شود
ز شرم غنچۂ گل شیشۂ گلاب شود

دانش سے لب تشنۂ تیغیم بگو قاتلِ ما را
کو آب کہ شیرینیٔ جان زد دلِ ما را

قاسم دیوانہ سے دم آبے ز تیغت مستمندم
دلم می سوزد از شیرینیٔ جان

صائب سے ہمیشہ صاحبِ طولِ امل غمین باشد
کہ چین بقدرِ بلندی در آستین باشد

بیدل سے دستگاہت ہر قدر بیش آگلفت بیشتر
در خورِ طول است چینہائے کہ دارد آستین

وحید سے بالِ مرا شکستگی پر بستہ است
پرواز ما چو رنگ ببالِ شکستہ است

بیدل سے مالا فِ ہمت از مددِ جرمے زنیم
پرواز ما چو رنگ ببالِ شکستہ است

حنا گلشن انہ سے عدم آئینہ عالم عکس انسان
چو چشم عکس در وے شخص پنہان

جہان انسان شدو انسان جہانے ازین پاکیزہ تر نبود بیانے

انسان سہ ہستی شخص و عدم چو آئینہ بہ پیش عالم بمثال عکس بے خویش و بخویش
انسان بمثل چو چشم عکس است درو آن شخص عیان نمود پاک از کم و بیش

این مضمون توضیحے میخواہد لہٰذا بشرح رباعی پرداختہ می آید۔

شرح

ہستی را کہ در اصطلاح صوفیہ صافیہ عبارت از حقیقت حق است تعالیٰ شانہٗ تشبیہ می دہد بشخصے کہ خود را در آئینہ مشاہدہ می کند۔ جہت جامع آنکہ ہر دو محتوی بر نوعے از کثرت اند۔ کثرت در ذات رائی باعتبار اعضا و در ذات حق عزّ شانہٗ بحسب شیونات ذاتیہ چنانچہ می فرماید کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا۔ و ہر دو خواہان ظہور اند آن تناسب اعضا می بیند و این کمال اسمائی و صفاتی جلوہ می دہد چنانچہ می فرماید فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔

و عدم را کہ در اصطلاح این طائفہ علیہ عبارت از علم حق است جل برہانہٗ تشبیہ می دہد بہ آئینہ۔ بعلاقۂ آنکہ ہر دو منشاء انکشاف اند۔

و عالم را بعکس آن شخص۔ وجہ تشبیہ آنکہ حقائق عالم کہ نزد صوفیہ صور علمیہ است در مرتبۂ علم متجلی می گردد چنانچہ عکوس در مرآت منطبع مے شود و بر ارباب بینش ہویدا ست کہ چنانچہ در آئینہ عکس جمیع اعضا می اُفتد عکس چشم نیز می اُفتد۔ و در عکس چشم عکس آن شخص بتمامہ نمودار می گردد پس حقیقت انسان را کہ از جملہ حقائق عالم مخصوص بجامعیت و مظہریت اتم است تشبیہ می دہد بعکس چشم کہ آن ہم ممتاز است از عکوس سائر اعضا کہ آئینہ داری آن شخص می کند و او را باو باز می نماید بخلاف عکوس دیگر وَ ھٰذَا مَعْنٰی کَلَامِ الشَّیْخِ الْاَکْبَرِ قُدِّسَ سِرُّہٗ وَکَانَ اٰدَمُ ھِیَ الْمِرْاٰۃُ الْمَجْلُوَّۃُ۔

واشتراک اسم مشبہ ومشبہ بہ یعنی انسان وانسان العین لطفے خاص دارد وتخلص شاعر کہ انسان است این لطف را دوبالا کرد۔

پس معنی رباعی چنین باشد کہ ہستی یعنی ذات حق کہ جامع جمیع شیونات است درمرتبۂ علم کہ بمنزلۂ آئینہ است جلوہ نمود وعالم بمثال عکوس وظلال آن شخص متمثل شد۔

ومعنی بے خویش وبخویش آنست کہ عالم را مانند عکس دوجہت پیدا شد۔ ازین رو کہ موجود علیحدہ می نماید وبوصف غیریت بنظر می آید بے خویش است یعنی ہیچ زیرا کہ آن شخص درحقیقت خود برخود مشہود می گردد وعکس را جز درو ہم غلط نما وجودے نیست۔ وازین رو کہ عکس درحقیقت خود اوست کہ برخود متجلی است بخویش یعنی موجود فی حدذاتہ۔

اما حقیقتِ انسان از جملہ حقائق عالم مانند چشم عکس است یعنی عکس چشم کہ ذات حق درو جلوہ فرمود با جمیع مراتبے کہ درعالم متجلی است۔

ومعنی پاک از کم وبیش آنست کہ ظہور حق تعالیٰ درحقیقت انسان وظہور او درتمام عالم باہم متضاد ومتناقض نیست مگر بحسب اجمال درانسان وتفصیل درعالم۔ چنانچہ صورتِ آن شخص درآئینہ ودرچشم عکس تفادتے ندارد الا بہ اعتبار کبر درمرآت وصغر درچشم عکس۔ وبنظر ہمین انسان را عالم صغیر می نامند وعالم را انسان کبیر۔

این معنی برطبق اصطلاح مشہور است واگر بر مکشوف حضرت مجدد قدس سرہٗ حمل کنند نیز می تواند شد۔

نزد مجدد قدس سرہٗ حقائق عالم اعدام است وصفات عالم اعدام صفات الٰہیہ بشرط آنکہ وجود حق جل شانہٗ ووجودات صفات دراعدام متجلی شوند بحیثیتے کہ اعدام بمنزلۂ مواد باشند۔ ووجودات بلکہ عکوس آنہا بمثابۂ صورہ وہریک حقیقت ازین مادہ وصورت ترکیب یافتہ واللہ اعلم۔"

درین مقام دو کلمہ ترجمہ صاحب رباعی بقلم می آید نام آنسان شیخ غلام مصطفےٰ است
و اصلش از کنبو و مولد و منشأ او مراد آباد از توابع شاہجہان آباد۔ انسانِ کامل
بود و در احاطہ علوم عقلی و نقلی ممتاز اماثل تحصیل معقولات بیشتر از مُلّا قطب الدّین
شہید سہالوی نمود و نبذے در خدمت شیخ غلام نقشبند لکھنوی تلمذ کرد و سلسلۂ
سند حدیث بہ شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رسانید۔ و رسمِ ارادت در طریقۂ
قادریہ بجناب شیخ جان محمد شاہجہان آبادی بجا آورد۔

شیخ جان محمد از کملاءِ عصر بود و در عزلت و استقامت یگانۂ وقت می زیست۔
شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی می فرمود کسیکہ دریافت صحبتِ اسلاف تمنّا داشتہ باشد۔
صحبتِ شیخ جان محمد دریابد۔

شیخ غلام مصطفےٰ در فنون دیگر سوای علوم درسی نیز دستگاہ عالی داشت مثل
طب و نجوم و خوشنویسی و فنون حرب و علم نشانہ بینی و علوم ہندی بحیثیتے کہ
اکثر برا ہمہ حل غوامض از خدمتِ شیخ می کردند و شعر ہندی نیز خوب می گفت۔ صنادید
شعراء ہندی در حضور او سر فرود می آوردند۔ و اصلاح کبت و دوہرہ می گرفتند۔

کتب جمیع فنون در لوح سینہ محفوظ بود۔ و کراسی از کتب در ملک نداشت۔ و
استعارہ ہم نمی کرد۔ وقت درس سوائے حل کتاب آن قدر فوائد زوائد بقدر حوصلۂ سمع
ذکر می کرد کہ ہرگاہ این کس رجوع بحواشی می نمود فوائد مسموعہ را از فوائد مکتوبہ زیادہ
می یافت و ہر کس از ارباب فنون بخدمت شیخ می رسید بہر فنے کہ مناسب آن کس می
دید صحبت می داشت۔

اکثر عمر بعنوان نوکر پیشگی گزرانید۔ در عہد عالمگیر پادشاہ بہ علاقۂ منصبداری
از ہند بدیار دکن خرامید۔ و مدتے درین دیار بسر برد آخرہا ترک نوکر پیشگی کردہ
در بلدہ ایلچپور پائے اقامت افشرد۔

می فرمود در ایام طالب علمی با جوانے تعلقِ خاطر پیدا شد۔ جوان در قصبۂ از قصبات سکونت داشت۔ خود را بمسکن محبوب کشیدم و دست از تحصیل باز کشیدم قضا را جوان فوت شد و من سر بصحرا دادم وقتے مولانا قطب الدین را گزرے بران قصبہ اُفتاد و از مردم استفسار حال بندہ نمود۔ صورت واقعہ بعرض رسانیدند۔ فرمود کسی برود و اورا بیارد مردم گفتند او بآبادی زنہار نمی آید۔ حضرت ملا قلم گرفتہ بر شقۂ نوشتہ اَطْرِقْ کَرَا اَطْرِقْ کَرَا اِنَّ النَّعَامَةَ فِی الْقُرٰی[1]

این کلام افسونِ عرب است کہ بآن جانور وحشی را صید کنند۔ استعمال این کلام درین مقام نظر بحال شیخ و حضرت ملا کہ اُستاد بود بسیار بموقع واقع شد۔

بمجرد دیدنِ شقہ سَمْعًا وَطَاعَةً بخدمت ملا شتافتم و سعادت ملازمت دریافتم

شیخ پیش از انتقال بسہ سال لباس را تغیر داد و لبس قمیص اختیار کرد۔ شب اول در خواب دید کہ گویندۂ می گوید رَجُلٌ خَیْرٌ یَعْمَلُ خَیْرًا

انتقالِ او در سنہ اثنین و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۲) واقع شد۔ مدفن ایلچپور

اکنون گلگون قلم بر جادۂ مدعای اصلی می خرامد۔

بقیہ بحث

گرفتیم کہ شاعرے جمیع دواوین زبانے را احاطہ کرد دواوین زبان دیگر را چہ علاج می تواند کرد۔ و جامع السنۂ مختلفہ بودن خود بسیار نادر است مثلاً علامۂ چلپی متخلص بفارغ گوید

جرم از طرفِ غیر و ملامت ہمہ بر من ۔۔۔ گوئی سرِ انگشتِ ملامت زدگانم

این مضمون بعینہ در شعر ابن شرف قیروانی واقع شدہ کہ می گوید

غَیْرِیْ جَنٰی وَ اَنَا الْمُعَاقَبُ فِیْکُمْ ۔۔۔ فَکَاَنَّنِیْ سَبَّابَةُ الْمُتَنَدِّمِ

ابن شرف این شعر خود را بر ابن رشیق خواند و پرسید کہ مثل این مضمون شنیدۂ۔

---

[1] تاج العروس جلد ۶ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ مصر شرح ملا جامی صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۳ھ۔

گفت بلے شنیدہ ام و بیت نابغہ ذُبیانی برخواند ؎

فَكَلَّفْتَنِي ذَنْبَ امْرِءٍ وَتَرَكْتَهُ　　كَذِي الْعُرِّ يُكْوَى غَيْرُهُ وَهُوَ رَاتِعُ

عُر بضم عین مہملہ مرضے است کہ در شتر میشود و شتر صحیح را داغ کنند تا سرایت نکند۔

ابن رشیق بعد خواندنِ شعر با ابن شرف گفت کہ تو این مضمون را از نیجا گرفتہٴ و فاسد ساختۂ زیرا کہ معاقب غیر جانی باید۔ در بیت تو ہر دو یکے است و در بیت نابغہ جدا است۔

راقم الحروف گوید در شعر ابن شرف تقابل عضو با عضو است نہ شخص با شخص مثلاً زبان ناگفتنی گفت و این کس انگشت گزید پس می بایست کہ زبان را تعذیب می کرد۔ وہمچنین چشم نادیدنی دید یا گوش ناشنیدنی شنید۔ وشاعر را این اعتبارات کفایہ می کند۔ ملّا محمد سعید اشرف مازندرانی گوید ؎

نگاہ گوشۂ چشمی سوی ما می توان کردن　　نماز وقت بیماری بایما می توان کردن

و برہان الدین قیراطی در ہمزیۂ خود گوید ؎

كَسَلَامٍ بِالطَّرْفِ مِنْهَا عَلَيْنَا　　كَصَلٰوةِ الْعَلِيْلِ بِالْاِيْمَاءِ

و شوکت بخاری گوید ؎

تا کیم مژگان چشم داغ باشد تیر او　　دیدۂ زخم مرا ابرو بود شمشیر او

و ابن نباتہ مصری گوید ؎

خَلَقْنَا بِاَطْرَافِ الْقَنَا فِي ظُهُوْرِهِمْ　　عُيُوْنًا لَهَا وَقْعُ السُّيُوْفِ حَوَاجِبُ

طرفہ آنکہ شاعرے پیش از ابن نباتہ این مضمون را یافتہ۔ چنانچہ علامہٴ تفتازانی در خاتمۂ فن ثالث از مطول بیان کردہ۔

و سید حسین خالص گوید ؎

خونے ز دم تیغ تو ای شوخ چکیدہ است　　آن خال کہ بر گوشۂ ابروے تو پیدا است

ومؤلف کتاب پیش از اطلاع این بیت گفتہ ؎

لَبِسَتْ مِنَ الْمِسْكِ خِلَالَ بُوجْنَتِہٖ ۔۔۔ دَمٌ تَقَاطَرَ مِنْ صِمْصَامِ لَحْظَتِہٖ

وعلماء گفتہ اند کہ اگر ثانی از اول در بلاغت افزون باشد محمود است و اگر دون باشد مذموم ۔ و اگر مساوی باشد فضیلت اول را ست و ثانی بعید از ذم است ۔ بشرطیکہ آثار سرقہ ہویدا نباشد ۔

عارف جامی قدس سرہ در بہارستان تحت ترجمۂ سلمان ساوجی میفرماید کہ ۔

وے در سلاست عبارات و دقت اشارات بے نظیر افتادہ ۔ در جواب استادان قصائد دارد ۔ بعضے از اصل خوبتر و بعضے فروتر و بعضے برابر ۔ وی را معانی خاصہ بسیار است و اکثرے از معانی استادان بتخصیص کمال اسمٰعیل در اشعار خود آورد چون ثانی در صورت خوبتر و اسلوب مرغوب تر واقع شدہ محل طعن نیست ؎

معنی نیک بود شاہد پاکیزہ بدن ۔۔۔ کہ بہر چند دو جامہ دگرگون پوشند

کسوت عار بود باز پسین خلعت او ۔۔۔ گرنہ در خوبیش از پیشتر افزون پوشند

ہنر است این کہ کہن خرقۂ پشمین ز برش ۔۔۔ بدر آرند و در و اطلس و اکسون پوشند

و مضمون این قطعہ را محرر کلمات در بیتے آوردہ و بر منطوق قطعہ شاہدے گذرانیدہ ۔ بیت این است ؎

شاہد معنی کہ باشد جامۂ لفظش کہن ۔۔۔ تکمۂ دانے گر حریر تازہ پوشاند خوش است

(۳۹) کلیم ابو طالب

ہمدانی المولد کاشانی الموطن ۔ عارج طور معانی است و مقتبس نور سخندانی ۔ بیضۂ سخنش ید بیضا است و خامۂ سحر شکنش ہمدست عصا ۔ در جمیع اسالیب نظم قدرت عالی دارد و ہمہ جا داد سخنوری می دہد و لہذا جمعے اورا خلاق المعانی ثانی گفتہ اند

دوبار بسیر هند شتافت کرت اولی در عهد جهانگیری رسید و با شاه نواز خان بن میرزا رستم صفوی صحبت کوک گردید۔ بعد چندے (اورا) یاد وطن دامنگیر شد و در سنه ثمان وعشرین والف (۱۰۲۸) بعراق عجم صرف عنان نمود و "توفیق رفیق طالب" ۱۰۲۸ تاریخ مراجعت خود یافت لیکن بیش از دو سال در آنجا نه استاد۔ و کرت ثانی شد بعزم جانب هند جلوه ریز ساخت و با میر جمله شهرستانی متخلص بروح الامین مصاحب و مربوط گشت و تحفے بر داشت۔ و در مدح او و شاه نواز خان قصائد غرا پرداخت آخر دست بدامن دولت صاحبقران ثانی شاهجهان اَنَارَ اللّٰهُ بُرْهَانَهٗ زد و در ثنا گستران توام سریر خلافت رتبه سر حلقگی بهم رساند۔ و بخطاب ملک الشعرائی بلند آوازه گشت۔ و سالها در رکاب والا مشمول عواطف بود۔

صاحبقران وقتے که از سفر اول کشمیر لوای معاودت برافراخت و چتر سلطنت در قرب مستقر الخلافه اکبر آباد سایهٔ وصول انداخت ساعت در آمدن شهر و جلوس بر تخت مرصعے که حسب الامر بصرف یک کرور روپیه زینت ترتیب یافت۔ و در عرض هفت سال صورت اتمام پذیرفت۔ و شعراء پای تخت اشعار آبدار در تعریف این سریر بے نظیر پرداخته اند۔ و مورخان روزگار برخے ازان اشعار در تاریخ نامها ایراد ساخته۔ باختیار انجم شناسان روز جمعه سوم شوال سنه اربع واربعین والف (۱۰۴۴) مقرر شد۔ و تا رسیدن ساعت در نزدیکی شهر توقف نمود۔ و غرهٔ شوال این سال نیر اعظم در نزهتکدهٔ حمل خرامید۔ و معانقهٔ عید و نوروز نشهٔ سرور جهانیان را دوبالا ساخت۔ پادشاه بتاریخ مقرر داخل شهر شد۔ و بر تخت مرصع جلوس نمود۔ و تا نه روز جشن عالی انعقاد یافت۔

ابوطالب کلیم در تهنیت اربع و توصیف تخت مرصع قصیدهٔ نظم کرده به پایهٔ سریر اعلیٰ معروض داشت مطلعش این است ؎

خجسته مقدم نوروز غرهٔ شوال   نشانده اند چو گلها ستے نقش بر سر سال

قصیده درجۂ قبول یافت۔ وکلیم بمیزان عنایت خسروی سنجیده شد۔ مبلغ پنج هزار و پانصد روپیه هم سنگ برآمد۔ و بآن زبدۂ موزونان انعام شد۔

و در جشن نوروز سال دیگر یعنی خمس و اربعین و الف (۱۰۴۵) حاجی محمد جان قدسی در مقابلۂ قصیده بزر سنجیده شد۔ و همین قدر مبلغ هموزن برآمد چنانچه در ترجمۂ او گزارش یافت۔

و در سنه ست و اربعین و الف (۱۰۴۶) باقیا تا یمنی قصیدۂ تهنیتِ نوروز بعرض صاحبقران رسانید و بزر برکشیده شد۔ و مبلغ پنج هزار روپیه مساوی وزن حاصل کرد۔

و بوضوح پیوست که قدسی و کلیم بپایۂ سریر شاهی چنانچه در میزانِ اکرام هم سنگ بودند در میزانِ انعام هم رتبۂ مساوات داشتند۔ و چنانچه این هر دو از باقیا در موزونِ معنوی راجح اند در موزونِ صوری نیز رجحان داشتند۔

و در جشن وزن شمسی سنه ثمان و اربعین و الف (۱۰۴۸) در دار السلطنت لاهور کلیم را هزار روپیه بصیغۂ جائزۂ شعر عنایت شد

کلیم در آخر ایام حیات خود نظم فتوحات صاحبقران تقریب ساخته رخصتِ کشمیر حاصل کرد۔ و در آن خطۂ بهشت آئین رنگِ اقامت ریخت و بتقرر سالیانه از سرکارِ پادشاهی آسوده حال می گزرانید۔

چون الویۂ صاحبقران در سنه خمس و خمسین و الف (۱۰۵۵) بصوب کشمیر ارتفاع یافت۔ و غرۂ ربیع الاول این سال ظل ورود بر خطۂ کشمیر انداخت۔ ابوطالب کلیم قصیدۂ در تهنیتِ مقدم بسمع پادشاه رسانید و بمرحمت خلعت و دویست اشرفی طلا سے احمر بهره مند گردید۔

و همچنین روزے که موکب سلطانی موافق چهارم شعبان همین سال از

گلگشتِ کشمیر عطف عنان نمود. کلیم را در صلهٔ قصیده دو بیست مهر انعام شد۔

فوت کلیم پانزدهم ذی الحجه سنه احدی وستین والف (۱۰۶۱) وقوع یافت
و در نزدیکی قبر محمد قلی سلیم مدفون گردید ؎

گفت تاریخِ وفاتِ او غنی   طورِ معنی بود روشن از کلیم
۱۰۶۱ھ

این چند بیت از دیوانِ کلیم نقل می شود ؎

دل دامنِ مجاورتِ چشمِ تر گرفت   با طفلِ اشک صحبتِ دیوانه در گرفت

زان چشم ندیدم که نگاهی بمن افتد   بیمار عجب نیست اگر کم سخن افتد

نه رحم کرد که خونِ دلِ خراب نخورد   غرورِ او ز سفالِ شکسته آب نخورد

کی تمنای تو از خاطرِ ناشاد رود   داغِ عشقِ تو گلی نیست که بر باد رود

دماغ بر فلک و دل بزیرِ پائی بتان   ز من چه می طلبی - دل کجا - دماغ کجا

گر قفس تنگ است از بیرحمی صیاد نیست   صید از ذوقِ گرفتاری بخود بالیده است

دیدهٔ امید را کردی سفید از انتظار   دوستداران را نبود این چشم از دلدادست

هر آنچه رفت ز چشم برون ز دل هم رفت   میانِ دست و دلم چون قلم جدائی نیست

از جهان بی بهره را نبود تمنا عمرِ خضر   روز کوتاه از برای روزه داران بهتر است

تو پادشاهِ حسنی - شمارِ بوسه بر ما   زیرا که عیبِ شاهان دانستنِ حساب است

هر که خودبین و خودآرا - ز هنر محروم است   همچو طاؤس که از زینت و کم پرواز است

سر برتنِ صدف بود زانکه روزگار   یکجا بهیچ کس سروسامان نمی دهد

کبابِ حسنِ توام قدرِ خط نکو دانم   ز سایه ذوق نکرد آنکه آفتاب نخورد

اغنیا بهره ز اندوختهٔ خود نبرند   که همین تشنه لبی قسمتِ دریا باشد

مژه را او ز کفِ چشمِ تو در آخرِ حسن   ترکِ مفلس چو شود تیغ به بازار برد

دوستان نازک مزاج و طبعِ نازک دماغ   چون کسی اوقات صرفِ پاسِ خاطرها کند

بتان زصحبتِ ہم می کنند کسبِ غرور | ترا بآینہ ہم آشنا نمی خواہم
دشنام و بوسہ ہرچہ عوض می دہی بدہ | حاشا کہ با تو بر سرِ دل گفتگو کنم
چون رشتۂ گلدستہ بگردِ ہمہ خوبان | گردیدم و یک یارِ وفادار ندیدم
آخر زبانِ ناخنۂ ام شد گلو کبود | زمنت زخلق بسکہ بگردن گرفتہ ام
از ادای خارج ہرکس خجالت می کشم | باکمالِ بے دماغی من وکیلِ عالمم
نہالِ سرکش و گل بے وفا و لالہ دورو | درین چمن بچہ اُمید آشیان بندم
مکشای زبان بہ زخودے راچو بہ بینی | زنہار کہ شمعِ شبِ مہتاب نباشی

(۴۰) معصوم۔ میر معصوم

پسر میر حیدر معمائی کاشی و برادر میر سنجر است۔ صاحب ذہن ثاقب۔ و ہم طرح ابوطالب کلیم و میرزا صائب بود۔

میرزا صائب غزلے می فرماید و یکرنگی ہر سہ معنی طراز باہم بیان می نماید ؎

خوش آن گروہ کہ مستِ بیانِ یکدگرند | زجوشِ فکر میِ ارغوانِ یکدگرند
نمی زنند بسنگِ شکست گوہرِ ہم | پے رواجِ متاعِ دکانِ یکدگرند
زنند بر سرِ ہم گل زمصرعِ رنگین | زفکرِ تازہ گلِ بوستانِ یکدگرند
سخن تراش چوگردند تیغِ الماس اند | زنند چو طبع بکندی فسانِ یکدگرند
بغیرِ صائب و معصومِ نکتہ سنج و کلیم | دگر کہ زاہلِ سخن مہربانِ یکدگرند

میر معصوم مدتے با حسن خان حاکم ہرات بسر بردہ در عہد شاہجہانی قصد ہند کردہ در نواحی بنگالہ اُفتاد۔ اعظم خان ناظم بنگالہ میرزا باعزاز و احترام پیش آمد۔ ولوازم قدرشناسی بتقدیم رساند۔ اعظم خان جدّ ارادت خان واضح است۔ احوال او مجملاً در ترجمۂ واضح سمت وضوح می پذیرد۔

میر معصوم مدتی رفاقتِ اعظم خان برگزید۔ واز موائد احسان او کامیاب گردید

سکهٔ سخن باین خوش عیاری رواج می دهد

مرا کشایشِ خاطر نه از گلستان است — کلیدِ قفلِ دلم برّهٔ بیابان است

ای که همراهِ موافق ز جهان مے طلبی — آن قدر باش که عنقا ز سفر باز آید

خرابِ همتِ خویشم که صبح چون گردون — گر آفتاب بدستم فتاد شام نماند

نازم قاصد چون برآمد قالب من شد تهی — مرغِ روحِ من جوابِ نامهٔ دلدار بود

بعد تحریر سرو آزاد معلوم شد که میر معصوم در سنه اثنین وخمسین والف (۱۰۵۲) در هند وفات یافت۔ و قطعهٔ تاریخ فوتش در دیوانِ میرزا محمد علی ماهر بنظر در آمد۔ مادهٔ تاریخ این است مصرع معصوم نزد حیدر و شجر قدم نهاد۔

۱۰ھ ۵۲

(۴۱) شیدا

مولد و منشأ او فتحپور از توابع اکبرآباد است۔ صاحب ذهن رسا و فکر آسمان پیما بود و شعر را بسرعت تمام میگفت۔ و بچشم زدن جواهر فراوان می سفت۔ طبعش در مسلک سخن طرازی اگرچه راست می رفت اما از جادهٔ حُسن خلق انحراف داشت۔

قصیدهٔ اعتراضاتے که در مقابلهٔ قصیدهٔ حاجی محمد جان قدسی بنظم آورده شهرت تمام دارد۔ و طالبائے آملی و میر الهی و دیگر مردم را هجو کرد۔ چون شیوهٔ هجا شعار خود ساخته بود، خود نیز هدف ناوک حریفان می شد۔ مناظرهٔ شیخ فیروز با شیدا مشهور است۔

صاحب تاریخ صبح صادق روایت می کند "عدد اشعارش بصد هزار رسید" در اوائل حال چندے رفیق خانخانان بود و بعد ملازم آستانهٔ شهریار گیتی ستان جهانگیر پادشاه۔ بعد از آن در سلک ملازمان صاحبقران ثانی شاه جهان۔

أنار الله برهانه منخرط شد۔ و در زمرۂ احدیانِ سرکار والا داخل گردید۔ و چون مطلع او کہ

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے　　حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

بسمع پادشاہ رسید در غضب آمد بجہت آنکہ اُم الخبائث را در لباسے کہ نباید وصف کرد۔ وحکم صادر شد کہ از ممالک محروسہ اخراج نمایند۔ شیدا قطعہ عذری املا نمود۔ و قول عارف جامی قدس سرہ استشہاد آورد کہ

از صراحی دو بار قلقل مے　　پیش جامی بہ از چہار قل است

پادشاہ از سر عتاب درگزشت

الحق در عہد اکبر پادشاہ و جہانگیر پادشاہ وہنے در بنیاد اسلام راہ یافتہ صاحبقران ثانی از سرِ نو مؤسسِ قوانین شریعت شد و سلطان اورنگ زیب عالمگیر متمم۔ و این ہر دو پادشاہ غفران پناہ حق عظیمے بر اسلامیان ہند ثابت کردہ اند۔

شیدا آخر حال در خطۂ کشمیر گوشہ گیر شد و مواجبے از سرکار صاحبقرانی موظف گشت۔

از منظوماتِ اوست مثنوی مسمی بہ دولت بیدار در برابر مخزن اسرار مطلعش این است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　آمدہ سر چشمۂ فیض عمیم

درین چمن گل و لالہ شبنم اندود است　　کہ خندۂ گل این باغ گریہ آلود است

بیک دل کے تواں اندیشۂ دنیا و دین کردن　　کہ نتوان ہر دو دست خویش در یک آستین کردن

گفتن دعا بہ لف تو تحصیل حاصل است　　با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

فسونگر وار آن خاکے کہ از وی بوی مار آید　　شناسم بوی زلفت را اگر در مشک تر پیچی

هوایت ور سرے گنجد کہ در زیرِ دم تیغت — چو شمع از جیب خود ہر دم سرِ دیگر برون آرد
شہیدِ حسرتِ آغوشت ای نازک بدن گشتم — بجائے موے سر در ماتمم بند قبا بکشا

(۴۲) ادہم میرزا ابراہیم بن میر رضی

از اجلۂ سادات ارتیمان من توابع ہمدان است پدرش میر رضی نیز صاحب سخن بود۔ دیوان مختصرے از و بنظر درآمد۔ طور قدما دارد۔ ساقی نامۂ او شیرین افتادہ از ان است ؎

دماغم زمے خانہ بوئے شنید — حذر کن کہ دیوانہ ہوئے شنید
بگیرید زنجیرم اے دوستان — کہ پیلم کند یاد ہندوستان

دور از ان در اشک بیتابم بمژگان آشناست — دست با سر سر بزانو۔ پا بدامان آشناست

ادہم بیانے خوش دارد و زبانے دلکش۔ میرزا صائب سخن او را تضمین می کند و می گوید ؎

این جواب آن غزل صائب کہ ادہم گفتہ است — گر منش دامن بگیرم خون من خود مردہ بہ

ادہم از جانب مادر صفوی نژاد است۔ در ریعان شباب قصدِ گلگشتِ ہندوستان کرد۔ و در عہد شاہجہانی درین دیار رسیدہ۔ بذریعہ حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خان کہ از امراء عمدۂ شاہجہانی بود باریاب محفل خلافت گردید۔ و نوئینان عظام نظر بہ نجابت خاندان طرف مراعات او نگاہ می داشتند۔ لیکن از بسکہ برندی و بیباکی مجبول بود ۔ وسودائے نیز در سر داشت۔ و علانیہ مرتکب مناہی می شد۔ و با اعیان شوخیہا می کرد۔ از مرتبہ افتاد۔ و چون با تقرب خان ہم بے ادائیہا از حد گزرانید۔ خان مذکور او را بمجلس فرستاد۔ تا در سنہ ستین و الف (۱۰۶۰) در دار الخلافہ شاہجہان آباد زندان ہستی را پدرود نمود۔

بهار سخنش چنین جوش می زند

رسائی بین که چون برخیزد از جا قدِّ رعنایش   فتد گیسوئی او چون سایهٔ شمشاد بر پایش

(۴۲۳) الهی - میر الهی

از سادات اسد آباد من توابع همدان است - کلامش لطافتی دعذوبتی دارد - و مذاقها را لذتی خاص می بخشد -

در صفاهان بسیار بوده - و با حکیم شفائی و آقا رضی صحبت داشته - آخر به نزهتکدهٔ هند شتافت و در سلک ملازمان شاهجهانی انتظام یافت - بسیار خوش خُلق و درویش مزاج بود - و نزد اکابر معزّز و محترم می زیست -

فوتش در سنه اربع وستین و الف (۱۰۶۴) واقع شد غنی کشمیری این مصرع تاریخ یافت - مصرع بُرد الهی زجهان گوی سخن

سیف کلکش جوهرها این خوبی عرض می کند

زمانه بسکه مرا خاکسار مروم کرد   زآب دیدهٔ من می توان نیم کرد

رباعی

از دوری ای تازه گلِ باغ مراد   چون غنچه چیده خنده ام رفته زیاد

گریان چو پیالهٔ پُرم در کفِ مست   نالان چو سبوی خالیم در رهِ باد

(۴۲۴) یحیی - میر یحیی کاشی

شاعرے است احیاءِ معانی کارش - و جان در کالبد سخن دمیدن شعارش - از ولایت خود در عصر صاحبقران ثانی شاهجهان رهگرائے هند شد و در ذیل ثنا طرازان شاهی منسلک گردید -

مُلّا عبد الحمید مؤلف شاهجهان نامه گوید :-

"غرهٔ ذی القعده سنه تسع و خمسین و الف (۱۰۵۹) میر یحیی شاعر را صله مهر انعام شد. انتهی"

و چون قلعه ارک دار الخلافه شاهجهان آباد با سائر عمارات بصرف مبلغ شصت لک روپیه در سنه ثمان و خمسین و الف (۱۰۵۸) انجام گرفت۔ و صاحبقران وقت داخل شدن درین عمارات جشن عالی ترتیب داد۔ میر یحیی تاریخ بر آورد که ع

شد شاهجهان آباد از شاهجهان آباد
۱۰۵۸ھ

دران جشن تاریخ از نظر شاهی گزشت و هزار روپیه صله مرحمت شد[1]

انتقال او در شاهجهان آباد پانزدهم محرم سنه اربع و ستین و الف (۱۰۶۴) اتفاق افتاد۔

نخل سخن بایں نازکی می بندد ؎

به بوریا نه تهی پا کز فقیران است   قدم منه به نیستان که جای شیران است

ز روی آدمیت پند من ناصح نمی داند   که من با آن پری خو کرده ام آدم نمی خواهم

مده ز دست گریبان گوشه گیری را   که مومیائی پای شکسته دامان است

هر چه یابم تا نیفشانم نمی گیرم قرار   در کف زال فلک پیچ و چون پرویزنم

نرمی بسیار خواهد با درشتان ساختن   مغز خود تنها خورد تا در استخوان جا کرده است

همچون غلاف گرد و موافق بیکی شوند   با تیغ شان ز هم نتوان ساختن جدا

حیاتم بس بود چندان که یکشب با گلی باشم   شود چون روز روشن عمر چون شبنم نمی خواهم

ببر آن نی که از زور ناخن دل کرده بود آخر   برای فرش ایوان قناعت بوریا کردم

نیم از نازکی صهبا و آگه - اینقدر دانم   که جای داغ اگر خواهی بجانم می توان کردن

دو لب دو ناخن هر واست تا بهم پیوسته   گره ز خاطر خود وا نمی توان کردن

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحه ۹۶۹ مطبوعه کلکته ۱۸۹۱ء

(۴۵) دانش میر رضی بن میر ابو تراب رضوی مشهدی

شاعرِ عالی جناب است و معنی تازه یاب۔ زلال فکرش در کمال صفا و شیرینی و نهال بیانش در نهایت تازگی و دلنشینی۔

در عهد شاهجهان پادشاه با والد خود عازم هند گردید و در اشتیاقِ هند گفت ؎

راهِ دورِ هند پا بستِ وطن دارد مرا چون حنا شب در میانِ رفتن بهندستان خوش است

بعد وصول هندوستان باریابِ محفل شاهجهانی گشت۔ و در شعبان سنه خمس و ستین و الف (۱۰۶۵) قصیده در مدح پادشاه بعرض رسانید۔ و دو هزار روپیه صله عنایت شد۔ بیتے ازان قصیده این است ؎

بخوان بلند که تفسیر آیۂ کرم است خطے که از کفِ دستِ مبارکش پیداست

و چندے خود را در ملازمان شاهزادۂ دارا شکوه در آورده به الطاف خاص نوازش یافت۔ شاهزاده را این بیت او که ؎

تاک را سرسبز کن ای ابر نیسان در بهار قطره تا می می‌تواند شد چرا گوهر شود[1]

بسیار خوش آمد و لک روپیه بهاے شعر مرحمت نمود۔

و ایامے در بنگاله با شاهزاده محمد شجاع بن شاهجهان نیز بسر برد۔ از انجا رخت سفر به حیدر آباد دکن کشید۔ و نزد عبدالله قطب شاه والی آنجا اعتبار تمام بهم رسانید۔

میر ابو تراب والد میر رضی هم طبع نظم داشت و فطرت تخلص می کرد۔ و در حیدر آباد سنه ستین و الف (۱۰۶۰) بر بستر تراب خوابید۔ قبر او در روا اثر[illegible]

---

[1] مراة الخیال صفحه ۲۵۸ مطبوعه کلکته ۔

میر محمد مومن استرآبادی دیده شُد۔ بر لوح مزار او کنده اند که این رباعی را دم آخر بنظم آورده[1]۔ رباعی

فطرت بتو روزگار نیرنگی کرد | نواخت بمهر خارج آهنگی کرد
آن سینه که عالمے درو می گنجید | اکنون ز تردد نفس تنگی کرد

و رباعی دیگر از میر رضی که در فراق والد خود گفته هم بر لوح مزار میر ابوتراب تحت رباعی مذکور نقش است۔ رباعی

دانش مکن اعتماد بر عمر دراز | کاید بزمان کم بسر عمر دراز
گیرم که چو عیسےٰ بفلک بر شدهٔ | آید بچه کار بے پدر عمر دراز

آخر الامر سلطان عبدالله قطب شاه میر رضی را نائب الزیارة خود مقرر نموده در سنه اثنین وسبعین والف (۱۰۷۲) رخصت مشهد مقدس ساخت که در روضهٔ رضویه از جانب سلطان مراسم زیارت بتقدیم رساند و در ازاء این خدمت دوازده تومان تبریزی سالیانه از سرکار سلطان باو می رسید۔ نقل فرمان تقرر سالیانه در منشآت حاجی عبد العلی طالقانی که منشی سلطان عبدالله بود۔ بنظر رسید۔

انتقال میر رضی در سنه ست وسبعین والف (۱۰۷۶) واقع شد۔ منتخب دیوانش بملاحظه در آمد و این اشعار منتخب گردید ؎

نمک شناس اسیران گر از قفس رستند | بہ تخلِ خانهٔ صیاد آشیان بستند
روی ماهِ نوبروی بادهٔ گلگون بہ بین | آب عمر افزا بنوش و حُسن روز افزون بہ بین

[1] همین رباعی با ادنی تغیر در مآثر الامرا جلد دوم صفحه ۵۸۸ مطبوعه کلکته در ترجمه علامه فیضی مذکور است و وفات او در سنه یک هزار و چهار اتفاق افتاده میر ابوتراب در سنه یک هزار و شصت روداده پس ازینجا باید فهمید که حقیقت حال این رباعی چیست۔

دربزم کنم سیر که جائے دگرم نیست
از حلقہ برون چون قدح می سفرم نیست

بتار ساز درین بزم نسبتے داریم
خوش اند اہل نشاط از ضعیف نالیہا

بپرحذر از آفت ہم صحبت دیرینہ باش
کاش از اول نبودے شیشہ با سنگ آشنا

صفحۂ دشت بامداد رفیقان طی کن
چون قلم بے دوسہ یارے بسفر نتوان رفت

کشادہ روئی خوبان در آخر حسن است
درین چمن ہمہ جا موسم خزان باز است

متاب رخ نفسے تا بجائے خود باشیم
چو عکس آئینہ ما زندہ از نگاہ تو ایم

شب عید آمد می بینم قدح و دست رنگینش
شبستان حنا امشب چراغ روشنے دارد

(۴۶) مسیح حکیم رکنا کاشی

مسیح و مسیحا و مسیحی تخلص می کند۔ شاعری ست عیسیٰ نفس۔ در تشخیص مزاج معنی زود رس خادم طبیعت سخن۔ روح آفرین قوالب کہن۔

میرزا صائب نام اورا بتعظیم میگیرد و می گوید ؎

این آن غزل حضرت رکناست کہ مورے
پائے ملخے پیش سلیمان چہ نماید

درفن طبابت نیز ید طولیٰ داشت۔ و آثار تخلص خود بظہور می رسانید۔

سالہا از مصاحبان خاص شاہ عباس ماضی بود۔ شاہ مکرر منزل اورا بپرتو قدوم برافروخت۔ آخر مزاج شاہی منحرف شد۔ حکیم کم التفاتی شاہ مشاہدہ کردہ از ولایت برآمد و درین باب گوید ؎

گر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش
شام بیرون می روم چون آفتاب از کشورش

وخود را بدار الامن ہند کشید۔ و در آستانۂ اکبر بادشاہ بآسودگی می گزرانید[۱] و در عہد جہانگیری نیز قرین کامرانی و بار یاب محفل سلطانی بود تا آنکہ بتقریبے جانب

---

[۱] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۳۸۲ مطبوعہ کلکتہ۔ ترجمہ رحمت خان۔

الہ آباد رفت۔ وچندے دران مصر رحل اقامت افگند۔

آخر بار سفر بصوب حیدرآباد دکن بربست۔ میر محمد مومن استرآبادی وکیل السلطنت محمد قلی قطب شاہ بدیدن حکیم تشریف آورد حکیم برسم تواضع شیشۂ گلاب را غلط کردہ شیشۂ شراب بر میر افشاند۔ میر آزردہ گشت و حکیم غرقِ عرقِ انفعال شدہ راہ بیجاپور گرفت۔ ودرانجا نیز زمانہ موافقت نکرد۔ ناگزیر بہ اردوی جہانگیری معاودت نمود۔ وبا مہابت خان ملازم گشت۔

چون صاحبقران ثانی شاہجہان بر اورنگ فرمانروائی بر آمد حکیم قطعۂ تاریخی املا کردہ بعرض رسانید و بانعام دوازدہ ہزار روپیہ کامیاب گردید ازان قطعہ است ؎

پادشاہِ زمانہ شاہ جہان   خرم وشاد وکامران باشد

بہرِ سالِ جلوس او گفتم   درجہان بادشاہ جہان باشد
۱۰۳۷

ودر سنہ احدی واربعین والف (۱۰۴۱) بنابر کبر سن التماس رخصتِ مشہد مقدس نمود۔ وقتِ رخصت بعنایت خلعت و پنج ہزار روپیہ کام دل اندوخت و در رفتن توفیق زیارتِ حرمین شریفین یافت و با یران دیار برگشت۔ اوجی نطنزی گوید ؎

میانِ ہمنفسان خواستم مسیحا را   ہزار شکر کہ دیدم حکیم رکنا را

سفینۂ سخن از ورطہ برکنار آمد   گذر بساحلِ ایران فتاد دریا را

کہن شراب جوان نشۂ طبیعت او   نوید عمر طبیعی دہد احبّا را

زہے صبا وتہی دست ساقئے کہ رسانید   بپای بوس صراحی پیالۂ ما را

بعد ادراک زیارت روضۂ رضویہ بجاذبۂ حب الوطن متوجہ کاشان گردید۔ دایامے توقف کردہ بارادۂ درگاہ شاہ صفی رو باصفاہان آورد و از شاہ چندان التفات نیافتہ بشیراز آمد۔ پس از چندے باز رخت سفر بہ کاشان کشید۔

میرزا امینائی قزوینی مؤلف شاہجہان نامہ می طرازد کہ:۔

”حکیم رکنا بعراق مراجعت نمودہ بدعائے دولت ابد پیوند مشغول گشت۔ و چون در“
”سلک مدحت سرایان این دودمان علیہ انتظام داشت۔ و دارد۔ در اکثر سنوات“
”او را از روی مرحمت بہ انعامے یاد و شاد می فرمایند۔“

وفاتش در سنہ ست وستین والف (۱۰۶۶) واقع شد۔ این مصرع تاریخ یافتہ اند[۵]

رفت بسوی فلک بازمسیح دوم
۱۰۶۶

کلیاتش قریب بصد ہزار بیت است۔ معجون سخن چنین مرتب می سازد؎

اگر خواہی کہ سنجی زور فقر و سلطنت باہم	بہ جبینہای فغفوری بزن کشکول چوبین را
سبزہ پامال است در زیر درخت میوہ دار	در پناہ اہل دولت ہست خواری بیشتر
در ہجر یکدو روز صبورم کہ از فراق	چون شاخ نو بریدہ ندارم خبر ہنوز

رباعی

ہرگز نشدم بسوزنی یار کسے	وین دیدہ ندوخت چشم بر تار کسے
صد شکر کہ در جہان نبستم ہرگز	تحت الحنکی بقصد دستار کسے

(۴۷) حاذق حکیم حاذق بن حکیم ہمام گیلانی

واقفِ فن است و نبض شناس سخن۔ میرزا صائب بتضمین مصراع او مے پرواز دو می فرماید؎

جواب آن غزل حاذق است این صائب | بہار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم

مولد حاذق فتحپور سیکری است و در عہد جہانگیری بمنصب شایستہ سرفرازی داشت و چون حکیم ہمام باتفاق میر سید صدر جہان پہانوی در زبان اکبری

[۵] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۵۸۸۔

بسفارت عبداللہ خان والی توران نامزد شدہ بود۔ صاحبقران ثانی شاہجہان در سال اول جلوس خود حکیم حاذق را بہمان اعتبار نزد امام قلی خان والی توران رخصت فرمود۔ حکیم حاذق بعد ادای سفارت مراجعت نمود و از درگاہ خلافت بمنصب سہ ہزاری و خدمت عرض مکرر بمعرض امتیاز درآمد۔

در پایان عمر در مستقر الخلافہ اکبرآباد گوشۂ انزوا گرفت و بسالیانۂ پانزدہ ہزار روپیہ از سرکار پادشاہی مؤظف گردید۔ وتا سنہ اربع وخمسین و الف (۱۰۵۴) سالیانہ او باضافہای متعدد بچہل ہزار رسید۔

حکیم در شوال سنہ سبع وستین و الف (۱۰۶۷) در اکبرآباد شربت فنا چشید۔

ادہم خامہ را باین روش جولان می دہد ~

زگردش فلک اسرار مہر ومہ شد فاش ... بیک کلاہ دو سر مشکل است پوشیدن

ما قدر جوانی چہ شناسیم کز اول ... تصویر کشان قامت ما پیر کشیدند

بقول من نرسید است فعل من ہرگز ... خوشا کسے کہ دراز است از زبان دستش

دریں جا مجملے احوال سید صدر جہاں[1] کہ در ترجمۂ حاذق ضمناً مذکور شد بزبان خامۂ تقریب جو حوالہ می شود

صدر جہاں

مولد و منشأ سید پہانی است بکسر بائے فارسی و یائے تحتانی در آخر قصبہ ایست از توابع لکھنؤ۔ سید فاضل جید بود۔ وطبعے ظریف و نکتہ سنج داشت۔

ابتداء حال بوساطت شیخ عبد النبی صدر بملازمت اکبر بادشاہ رسید و منصب افتاء ممالک محروسہ بوے قرار گرفت۔

و در سنہ اربع وتسعین وتسعمائہ (۹۹۴) پادشاہ او را باتفاق حکیم ہمام نزد عبداللہ خان والی توران بایلچی گری فرستاد و بعد تقدیم سفارت معاودت نمودہ

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۳۴۸۔

در خطهٔ کابل پادشاه را دریافت۔

و پس از چندے بعطاے منصب صدارت کل بر صدر عزت نشست و رفته رفته بپایهٔ امارت و منصب دو هزاری متصاعد گشت

جهانگیر پادشاه در ایام شاهزادگی چهل حدیث در خدمت سید بخواند۔ شاهزاده او را بسیار دوست می داشت۔ روزی سید از قرضداری خود شکایت کرد۔ شاهزاده با سید وعده فرمود که اگر نوبت سلطنت بمن می رسد۔ قرض شما را ادا می کنم۔ یا هر منصبے که خواهید مید هم۔ بعد جلوس سید را اختیار کرد۔ او منصب چهار هزاری درخواست پادشاه بمنصب مذکور نوازش فرمود۔ و صدارت را نیز بحال داشت۔ و **قنوج** را در اقطاع او تنخواه کرد۔

سید محسن الزمان نافع الخلق بود۔ در صدارت عهد جهانگیری چندان مدد معاش بمستحقان مقرر نمود که **میرزا جعفر آصف خان** بعرض پادشاه رسانید که آنچه عرش آشیانی **اکبر پادشاه** در عرض پنجاه سال بخشید۔ سید در عرض پنج سال بمردم حواله کرد۔ صد و بیست (۱۲۰) سال عمر داشت۔ اصلاً در عقل و حواس او فتورے راه نیافت[1] انتقال او در سنه سبع و عشرین و الف (۱۰۲۷) واقع شد مشهور است که هرگاه سید بسفارت **توران** رفت پادشاه و امراء آنجا سید را در فنون بسیارے امتحان کردند مثل خوشنویسی و تیراندازی و شطرنج وغیره۔ سید در هر باب کامل عیار بر آمد و مردم آن دیار را در حیرت انداخت

اما ملا **قاطعی** رساله در باب ایلچی گری **حکیم همام** و سید صدر جهان ترتیب داده دران رساله جمیع هنرها نسبت به حکیم همام نوشته الا علم مجلس که آن را نسبت بسید نقل کرده۔ و سید بر علماء آنجا غالب آمده۔

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحه ۳۴۸ تا ۳۵۱ مطبوعه کلکته۔

(۴۸) فرج - ملا فرج اللہ شوستری

تازہ دماغ نشئۂ زود رسی - و انجمن افروز سخن عربی و فارسی است - سید علی معصوم مکی در سلافۃ العصر کہ تذکرۃ الشعراء عرب جمع کردہ احوال ملا را بطمطراق می نویسد[1] و میرزا صائب مکرر او را در مقاطع یاد می کند - از انجملہ است ؎

ہمین ز خاک فرج کامران نشد صائب ۔ کہ فیض ہم بظہوری ازین جناب رسید

از وطن مالوف بسیر ممالک دکن خرامید - و در خدمت سلطان عبد اللہ قطب شاہ والی حیدر آباد منزلت و ثروت تمام بہم رسانید۔

پری زادان سخن را چنین تسخیر می کند ؎

مغان کہ دانۂ انگور آب می سازند ۔ ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

در ہوائے بادۂ گلرنگ بیتابیم ما ۔ سالہا شد کز ہواداران این آبیم ما

از رہ بیابانگ ہرزہ درایان نے روم ۔ کہ می دہد فریب صدائے جرس مرا

گر زیر سپہریم عجب نیست کہ دریا ۔ در زیر حباب است و فزون تر ز حباب است

ہمیشہ می خورم از خود شکست پنداری ۔ کہ نیمۂ دلم شیشہ نیمۂ سنگ است

و از اشعار عربی اوست ؎

لَا غَرْوَ اِنْ لَمْ تُفْصِحِ الْاَیَّامُ لِیْ ۔ اَلدَّهْرُ اِبْنُ عَطَا وَاِنِّیْ الرَّآءُ

وَبِذَا جَرَیٰ طَبْعُ الزَّمَانِ وَاَهْلِهٖ ۔ دَفْنُ الْكَلَامِ وَاَهْلُهٗ اَحْیَاءُ

اشارہ است بہ واصل ابن عطا معتزلی کہ الثغ بود یعنی حرف راء را نطق نمی توانست کرد - و لوی سخن ادا می نمود کہ حرف راء در کلام او نمی آمد و عیب لثغہ بر سامعان منکشف نمی شد تا بحدے کہ ضرب المثل شد - و شعراء در اشعار خود استعمال کردند[2]

---

[1] سلافۃ العصر نسخۂ قلمی ورق ۴۰۴ فہرست کتب خانۂ آصفیہ فن تراجم نمبر ۵ - [2] ابن خلکان نمبر ۱۹ حرف الواو مطبوعہ یورپ و کامل مبرد صفحہ ۷۴۵ مطبوعہ یورپ۔

ابو محمد خازن گوید در مدح صاحب ابن عباد وزیر ؎

نَعَمْ تَجَنَّبَ لَا یَوْمَ الْعَطَاءِ کَمَا　　تَجَنَّبَ ابْنُ عَطَاءٍ لُثْغَةَ الرَّاءِ

و دیگرے گوید ؎

وَجَعَلْتَ وَصْلِی الرَّاءَ لَمْ تَنْطِقْ بِهٖ　　وَقَطَعْتَنِی حَتّٰی کَاَنَّکَ وَاصِلٌ

(۴۹) احسن۔ ظفر خان

میرزا احسن اللہ نام احسن تخلص بن خواجہ ابوالحسن تربتی۔ خواجہ در عہد اکبر بادشاہ وارد ہند شد و بوزارت شاہزادۂ دانیال و دیوانِ دکن اختصاص یافت۔ و چون جہانگیر بادشاہ سریر آرا شد خواجہ را از دکن طلبیدہ اول بخدمت میر بخشیگری نواخت و آخر بتفویض وزارت اعلیٰ و منصب پنج ہزاری ممتاز ساخت و در سنہ ثلث و ثلثین و الف (۱۰۳۲) حکومت دار الملک کابل ضمیمۂ وزارت مقرر گشت و ظفر خان از جانب پدر بہ حکومت کابل مامور گردید۔

و چون نوبت دارائی ہندوستان بہ صاحبقران ثانی شاہجہان رسید۔ خواجہ را بمنصب شش ہزاری شش ہزار سوار سرفراز فرمود۔

و در سنہ اثنتین و اربعین و الف (۱۰۴۲) صوبۂ کشمیر مرحمت شد۔ و نظر بر آق سقالی و دولت خواہی خواجہ را از رکاب جدا ننمودہ ظفر خان را بہ نیابت پدر رخصت کشمیر فرمود۔

و چون خواجہ نوزدہم رمضان سنہ اثنتین و اربعین و الف (۱۰۴۲) در سن ہفتاد سالگی ودیعت حیات سپرد صوبۂ کشمیر اصالۃً بہ ظفر خان تفویض یافت و منصب سہ ہزاری و علم و نقارہ مرحمت گردید۔

لہ ماثر الامرا جلد اول صفحہ ۲۷۷۔

ظفر خان مدتے بہ حکومت کشمیر پرداخت۔ وملک تبت رامفتوح ساخت[1]۔ و پایانِ عمر دردارالسلطنت لاہور فروکش کرد و در سنہ ثلث و سبعین و الف (۱۰۷۳) محمل بہ صحراے فنا کشید۔

ظفر خان صاحب جوہر و جوہر شناس بود۔ و سرے بصحبت و تربیت ارباب کمال داشت۔ افتخارش ہمین بس کہ مثل میرزا صائب مادح آستانِ اوست۔

ظفر خان چند جا در مقاطع غزل میرزا را یاد می کند از انجملہ است ؎

طرز یاران پیشِ احسن بعد ازین مقبول نیست ۔ تازہ گوئیہای او از فیض طبع صائب است

ہشت عدد قصیدۂ میرزا در مدح ظفر خان بنظر در آمد۔ میرزا تعریف سخندانی او بسیار می کند و پاس غمگسارگی بجا می آرد۔

دیوان مختصرے از ظفر خان مطالعہ اُفتاد۔ از انجاست ؎

دلم بکوی تو اُمیدوار می آید ۔ نگاہ دار کہ روزے بکارے آید

در گوشۂ میخانہ ہمین گفت و شنید است ۔ یاران برسانید دماغے شب عید است

در بتانِ ہند چون او دلبر خودکام نیست ۔ رام رامم گرچہ می گوید ولیکن رام نیست

شادم بدل شکستگیِ خود کہ پیشِ من ۔ قدرِ دلِ شکستہ چو زُلفِ شکستہ است

گوشۂ چشمی اگر ساقی بما دارد بجاست ۔ عمرہا در گوشۂ میخانہ خدمت کردہ ام

(۵۰) آشنا۔ عنایت خان

میرزا محمد طاہر نام آشنا تخلص بن ظفر خان مذکور۔ در عہد شاہجہانی منصب ہزار و پانصدی داشت۔ و احوال سی سالہ شاہجہان را ملخص بقید قلم آورد[2]۔

---

[1] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۷۵۸۔ [2] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۷۶۲۔

بعد جلوس خلد مکان در کشمیر زاویۂ عزلت گزید و در سنہ احدی و ثمانین و الف (۱۰۸۱) رخت بہ نہانخانہ عدم کشید

دیوانش مشتمل بر قصائد و غزلیات و مثنویات و دیگر قسم شعر بنظر در آمد۔ مثنویہاے قصیر متعدد دارد و از انجملہ است ساقی نامہ۔ این بیت ازان است ؎

حکیمانہ ساقی بہ مجلس نشست　　چرا نبض مینا نگیرد بہ دست

این چند بیت از غزلیات او فراگرفتہ شد ؎

الفت میانۂ دو ستمگر نمی شود　　دندانِ مار قبضۂ خنجر نمے شود

بسکہ در راہِ فنا با خاک یکسان شد تنم　　میتوان ہمچون غبار افشاند از پیراہنم

از حوادث گوہرِ مردانگی کمتر نشد　　تیغ اگر در آب و آتش رفت بے جوہر نشد

ہر دم نوید لطف دگر مے دہد مرا　　دل مے برد ز دست و جگر می دہد مرا

گر پوستم چو نافہ کشد آسمان بجاست　　مو شد سفید و تیرگیِ دل ہمان بجاست

کشتنئ بدست آورد فتِ کشتِ مہتاب نیست　　مدعاے میخواران سیرِ عالم آب است

کدام چیز عزیزان زیکدگر گیرند　　بغیر این کہ ز احوال ہم خبر گیرند

بیا در روی تو شبہا کنم نظارۂ ماہ　　زرِ سفید بود از براے روز سیاہ

خلقِ خوش مرا بہ ثنا خوانی آورد　　گل عندلیب را بسخندانی آورد

دولت بوقتِ تیرگیِ بخت نکبت است　　جاروب وقتِ شام پریشانی آورد

تیرہ طبعان بسینہ صاف بد اند　　ذوقِ آئینہ نیست بد رو را

ما بزندانِ غمت خو باشستن کردہ ایم　　گاہ گاہے نالہ برخیزد از زنجیر ما

لقمۂ چربِ خوشامد نکند رام مرا　　دلِ من از سگِ کوی تو وفادار تر است

مردانِ آسانی باعثِ فنا گردد　　زود بگسلد از ہم رشتۂ کہ بیتاب است

از بسکہ دستِ من ز تعلق بریدہ است　　رنگِ گرفتہ را بہ حنا باز می دہد

سامانِ دل ز قطعِ تعلق شود زیاد | گل بیشتر دہد چو کُنی شاخ را قلم
عقل ناچار کشد زحمتِ آلایشِ نفس | دایہ پرہیز کند طفل چو بیمار شود
طرزِ آئینہ خوشش نہ کرد دلم | عیب پوشی بہ از نمد پوشی است
ز دور ساختن ابرام سفلہ گردد بیش | کہ زود دُرستنِ مو از پےِ تراش بود
ہر کجا بود مرا نشہ صفت با خود داشت | ہرگزم می نتوانست کہ بیخود سازد
تا درون پر بود از تفرقہ دل وا نشود | چون پرآشوب بود شہر دکان نکشایند
چشم بسانِ آئنہ در عیب خلق نیست | پیوستہ ہمچو عکس خودم در کمینِ خویش
نیست نازک طینتان را طاقتِ سیاہی خویش | دیدۂ نرگس ندارد تابِ سیاہی چراغ
چند چون رشتۂ تسبیح شوی سرگردان | نتوان کرد سرِ رشتہ ز تقدیر برون

(۵۱) صائب۔ میرزا محمد علی تبریزی اصفہانی

امام غزل طرازان و علامۂ سخن پردازان است۔ ازان صبحے کہ آفتاب سخن در عالم شہود پرتو افشاندہ بمعنی آفرینی باین اقتدار سپہر دوار ہیم نرساندہ۔ چنانچہ خود گوے دعوی در میدان می انداز د و می طراز د ے

ز صد ہزار سخنور کہ در جہان آید | یکے چو صائب شوریدہ حال برخیزد

حامل لواے فصاحت۔ منشأ اعلاء کلمۂ بلاغت۔ نور نجابت از ناصیۂ کلامش پیدا و لمعۂ شرافت از سیماے بیانش ہویدا۔ فوج فوج مضامین برجستہ منقاد جنابش خیل خیل معانی بیگانہ بندۂ حاضر جوابش۔ ذوق سلیم در حدیقۂ اشعارش بنو بر کردن مسرور و ذہن صحیح در خزینۂ افکارش بدولت تازہ اندوختن مغرور۔ فکر نیرنگش موجد عبارات رنگین جعل بسیطش مخترع تراکیب دلنشین۔ زلال تقریرش در کمال روانی۔ لآلی تعبیرش در نہایت غلطانی پاے دقت خیال باوجِ کمال رسانیدہ۔ معہذا اصلا اثر تکلف گرد کلامش نگردیدہ

و این کیفیت درکلام فصحاء دیگر کمتر توان یافت:-

قصیده و مثنوی ہم دارد اما مشاطۂ فکرش بہ تزیین عروس غزل بیشتر پرداختہ۔ و این غزل رعنا را بطرز تازہ و انداز خاص جلوہ افروز ساختہ۔ چنانچہ خود می فرماید ؎

غزل گوئی بہ صائب ختم شد از نکتہ پردازان | رباعی گر مسلم شد ز موزونان سحابی را

و نیز می فرماید ؎

غزل نبود بایں رتبہ ہیچگہ صائب | نوائے عشق درایام من کمال گرفت

و از جملہ شرائف اوصاف میرزاست کہ باوصف این جلالت شان از شعراء معاصرین و متقدمین ہرکرا در اشعار خود یاد کردہ بخوبی یاد کردہ و تیغ زبان را بازخم ہیچکس آشنا نساختہ و خود می فرماید ؎

بہ مور وقت سخن دست طرح دہ صائب | گرت ہواست سلیمان این جہان باشی

پدرش از کدخدایان معتبر تبارزۂ عباس آباد اصفہان است میرزا در دارالسلطنت اصفہان نشو و نما یافت۔ و بہ کمتر فرصت در شش جہت عالم کوس سخندانی زد۔ و در عین شباب آخر عہد جہانگیری متوجہ ہندوستان گردید۔ چون وارد دارالملک کابل گشت۔ ظفر خان کہ بہ نیابت پدر خود خواجہ ابوالحسن تربتی ناظم کابل بود۔ میرزا را بہ کمند حسن خلق صید کرد[1]۔ و لوازم قدر شناسی نوعے کہ باید بہ تقدیم رسانید۔ چنانچہ شمۂ ازین ابیات میرزا مستفاد می شود ؎

کلاہ گوشہ بخورشید و ماہ می شکنم | بایں غرور کہ مدحت گر ظفر خانم
ز نو بہار سخایش چو قطرہ ریز شوم | قسم خورد بسر کلک ابر نیسانم
بلند بخت نہالا بہار تربیتا | کہ از نسیم ہواداریت گلستانم
حقوق تربیتت را کہ در ترقی باد | زبان کجاست کہ در حضرتت فرو خوانم

---

[1] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۷۶۱۔

تو پای تخت سخن را بدست من دادی   تو تاج مدح نهادی بفرقِ دیوانم
ز روی کرم تو چو شبد خونِ معنی من   کشید جذب تو این لعل از رگ کانم
تو جان ز دخل بجا مصرعِ مرادادی   تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم
ز دقّتِ تو بمعنی شدم چنان باریک   که میتوان بدلِ مور کرد پنهانم
چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود   نداشت طرۂ شیرازہ روی دیوانم
تو غنچه ساختی اوراق باد بردۂ من   وگرنہ خار سخن ماند از گلستانم
تو مشت مشت گہر چون صدف بمن دادی   چو گل تو زر بسپر ریختی بدامانم

چون حکومت کابل در اوائل جلوس صاحبقران ثانی شاهجهان به لشکرخان تفویض یافت۔ و ظفرخان به ادراک عتبۂ خلافت شتافت میرزا نیز به رفاقت ظفرخان به شہر ہند خرامید

چون رایات صاحبقران در سنہ تسع و ثلثین و الف (۱۰۳۹) جانب دکن باهتزاز درآمد۔ میرزا با ظفرخان در رکاب موکب سلطانی سرے بدیار دکن کشید از انجا کہ شہر برہان پور گرد بسیار دارد میرزا در حق این شہر مے فرماید ؎

توتیا ساز دغبارِ آگرہ و لاہور را   چشم من تا خاکمالِ گرد برہان پور خورد

و چون سید لشکر محمد عارف از مشاہیر اولیا درین شہر آسودہ اند توجیہ گرد از خاطر فقیر چنین برخاست ؎

فتاد بسکہ گذر لشکرِ محمد را   غبار خیز بود کوچہائے برہان پور

و در ایام اقامت برہان پور پدر میرزا خود را از ایران بہ دیار ہندوستان رسانید تا او را بوطن مالوف برد۔ چون خبر قدوم پدر بمیرزا رسید۔ قصیدۂ در مدح خواجہ ابوالحسن انشا کرد و رخصت وطن التماس نمود و در آنجا می گوید ؎

شش سال بیش رفت کہ از اصفہان بہند   افتادہ است توسن عزم مرا گذار

هفتاد ساله والد پیر است بنده را | کز تربیت بود بمنش حق بیشمار
آورده است جذبهٔ گستاخ شوق من | از اصفهان به آگره و لاهور اشکبار
زان پیشتر کز آگره بمعمورهٔ دکن | آید عنان گسسته تر از سیل بے قرار
این راه دور را ز سرِ شوق طے کند | با قامتِ خمیده و با پیکرِ نزار
دارم امید رخصتی از آستانِ تو | ای آستانت کعبهٔ امید روزگار
مقصود چون ز آمدنش بردنِ من است | لب را بحرف رخصتِ من کن گہر نثار
با جبههٔ گشاده تر از آفتاب صبح | دستِ دعا بدرقهٔ راه من برار

اتفاقاً موکب صاحبقران عنقریب درسنہ احدی واربعین والف (۱۰۴۱) از دکن به اکبرآباد عطف عنان نمود۔ ہژدہم محرم سنہ اثنین واربعین والف (۱۰۴۲) ظفر خان را حکومت کشمیر به نیابت خواجه ابوالحسن مفوض گردید۔ میرزا محل سفر با ظفر خان بربست وپس از گلگشت کشمیر جنت نظیر عازم ایران دیار گشت وتا آخر ایام حیات نزد سلاطین صفویه مکرم ومبجل زیست۔ ودر مدائح ایشان قصائد غرا پرداخت۔

وفاتش درسنہ ثمانین والف (۱۰۸۰) اتفاق افتاد ودر اصفهان مدفون گردید وغزل میرزا که مطلعش این است ؎

در هیچ پرده نیست نباشد نوای تو | عالم پر است از تو وخالیست جائے تو

برطبق وصیت برسنگ مزار او که یک قطعهٔ سنگ مرمر است کنده شد

راقم الحروف گوید ؎

عندلیبِ نغمه پرداز فصاحت صائبا | رفت ازین عالم بسوی روضهٔ دارالسلام
خامهٔ آزاد انشا کرد سالِ رحلتش | بلبل گلزار جنت صائبِ عالی کلام
۱۰۸۰ھ

دیوان میرزا قریب هشتاد هزار بیت بخط ولایت بنظر رسیده ومیرزا اسمی وسه

غزل متفرق بخط خاص برحواشی آن نسخهٔ قلمی فرمودهٔ اشعارش عالمگیر است و مستغنی از تحریر۔ چند بیت بنابر التزام پیرایهٔ این مقام می شود ؎

زبانِ لاف رسوامی کند ناقص کمالان را
که رو بر خاک مالد پرفشانی بسته بالان را

نه از رویِ بصیرت سایهٔ بالِ هما افتد
سیه‌مست است دولت تا کجا خیزد کجا افتد

از تماشایِ پریشانِ جهان دلگیر باش
واله یک نقش چون آئینهٔ تصویر باش

هیچ همدردی نمی یابم سزائے خویشتن
می نهم چون بید مجنون سر بپایِ خویشتن

رنگین‌تر از حناست بهار و خزانِ ما
بر دستِ خویش بوسه زند باغبانِ ما

جلوهٔ برق است در میخانه هشیاری مرا
از پیِ تغییر بالین است بیداری مرا

می خورد با دیگران مستانه بر ما بگذرد
در فرنگ این ظلم و این بیداد حاشا بگذرد

ای که فکرِ چارهٔ بیماریِ دل مے کنی
نسبتِ خود را بچشم یار باطل می کنی

عشق سازد ز هوس پاک دلِ آدم را
دزد چون شحنه شود امن کند عالم را

سخت می خواهم که در آغوش تنگ آرم ترا
هر قدر افسردهٔ دل را بفشارم ترا

از جوانی داغها در سینهٔ ما مانده است
نقش پایِ چند زین طاؤس برجا مانده است

ز پیریِ حرص و بنا نفس طامع را دوبالا شد
گدا را کاسهٔ دریوزه از کوزی مثنی شد

پا از گلیم خویش نباید دراز کرد
تیغ ستم به بین چه بزلف ایاز کرد

که حالِ دردمندان پیشِ چشم یار می گوید
که حرفِ مرگ بر بالین این بیمار می گوید

اهلِ کمال را لبِ اظهار خاموشی است
منت پذیر ماه تمام از هلال نیست

ای خوبیِ امید باین دستگاهِ حسن
این یک دو بوسه گر نه شماری چه می شود

رمزی ست ز پاسِ ادبِ عشق که مرغان
شب نوبتِ پرواز به پروانه گذارند

نقش پایِ رفتگان هموار سازد راه را
مرگ را داغِ عزیزان بر من آسان کرده است

مکن اعانتِ ظالم ز ساده لوحیها
که تیغ سنگ فسان را سیاه می سازد

در طلب ما بے زبانان اُمّتِ پروانه ایم سوختن از عرض مطلب نزد ما آسان تر است

عقل کامل می شود از گرم و سردِ روزگار آب و آتش می کند صاحب برش شمشیر را

زندق و کذب سخن سنج را گزیری نیست چو صبح تیغ جهانگیر ما دو دم دارد

با خبر باش که دل از خم زلفت نبرد دُرِّ گوشِ تو یتیمی است که در عالم نیست

مصرعِ رنگین بمطلع می رساند خویش را هر که کسبِ آدمیت کرد آدم مے شود

ما حجاب آلودگان را جرأتِ پرواز نیست گرد سر گردیدنِ ما گردِ دل گردیدن است

صفای سینه مرا در حرم کند قندیل چه شد برون ز فرنگ آمد است شیشهٔ ما

نیرنگ چرخ بین گُلِ رعنا درین چمن خونِ دل از پیالهٔ زر می دهد مرا

صائب ز ملائک مطلب رتبهٔ انسان آئینهٔ بے پشت چه دیدار نماید

(۵۲) غنی۔ مُلّا محمد طاهر اشئوی کشمیری

اشئی قبیله ایست از قبائل معتبر کشمیر۔ از بدو شعور در حلقهٔ درس مُلّا محسن فانی کشمیری تلمذ نمود۔ چون طبع بلند داشت در کمتر روزگار حیثیتے شایسته بهم رسانید۔ آخر بغواصی بحر سخن اُفتاد و جواهرے که بنقد جان توان خرید بیرون آورد۔ میرزا صائب کلام او را تضمین می کند و می فرماید ؎

این جواب آن غزل صائب که می گوید غنی یاد ایامی که دیگ شوق ما سرپوش داشت

غنی بغناء طبیعی مجبول بود و با وصف بے دستگاهی بحضور خاطر بسر می برد۔ ازینجاست که غنی تخلص میکند

مُدّةُ العُمر در شهر خود گزرانید۔ و در سنه تسع و سبعین و الف (۱۰۷۹) دامن از عالم سفلی برچید

دیوانش سائر و دائر است۔ چند بیت بنا بر ضابطه ثبت اُفتاد ؎

عاشقان را جنبشِ مژگانِ چشمِ یار کشت | عالمے را اضطرابِ نبضِ این بیمار کشت
توانگران نه زیبد لب بخواهش آشنا کردن | چون نبود دست خالی بد نما باشد دعا کردن
سیلی نخوری تا ز کفِ اہلِ زمانہ | چون مُہرۂ شطرنج مرو خانہ بخانہ
تا توانی عاشقِ معشوقِ ہر جائی مشو | می کند خورشید سرگردان گل خورشید را
سایہ گر سایۂ کوہ است سبک می باشد | کسب تمکین نکند سفلہ ز ارباب وقار
با تو نزدیکم ولے دورم ز فیضِ عام تو | موم در زیرِ نگین خالی ست از نقشِ نگین
از کشتہ شدن چہرۂ عاشق نشود زرد | این داغ بہ پیشانیِ سیماب نہادند
ور دم صبح غنی پیر فلک مے گوید | کہ قضا نان دہد آن وقت کہ دندان گیرد
نیست چون مُہرۂ نردم ہوسِ قصر بلند | خانہ ام ساختہ از ریختن رنگ بود
خاطرِ او از غبارِ لشکرِ خط جمع نیست | ہر دم آن زلف پریشان شانہ بینی می کند
رفتیم سوی یار و ندیدیم روی یار | مانند رہروے کہ رود سوے آفتاب
گر تیغ بر سرم رود از جائے روم | لیکن چو کوہ نالہ ز زخمِ زبان کنم
غنی چو سایۂ مرغ پریدہ در رہِ شوق | اگر بخاک بیفتم نیفتم از پرواز
چشمِ کرم مدار ز شاہان کہ جز نمد | آئینہ خلعتے ز سکندر نیافت است
از نزاکت اوفتد مضمونِ من | گر بمضمونِ کسے پہلو زند
چراغِ مجلسم نبود مرا تابِ جدل باکس | اگر در پیش من دم میزنی خاموش می گردم
ز مضمون بردنِ یاران نمی باشد غمے مارا | چنان بستیم معنی را کہ نتواند کسے بُردن
سعی بہر راحتِ ہمسایہ کردن خوش است | بشنود گوش از برای خوابِ چشم افسانہ را

راقم الحروف راہم مضمونے مناسب مضمونِ غنی بہم رسیدہ کہ

تحفۂ ہمسایہ بر خود گرفتن خوش نماست | از برای چشم بینی زیر بارِ عینک است

مخفی نماند کہ چنانچہ گوش از استماعِ افسانہ افادۂ خوابِ چشم می کند خط خود ہم

کہ سمعِ قول مرغوب باشد مستوفی می گیرد۔ بخلاف بینی کہ عینک را حسبۃً للہ بر می دارد۔ و برای نفع ہمسایہ دیدہ و دانستہ خود را در شکنجہ می کشد۔

(۵۳) ناظم ہروی

عمدۂ ناظمان جواہر معانی۔ و زبدۂ گہر نبدان عرائس سخندانی است۔ در خدمت عباس قلی خان ولد حسن خان شاملو اعتبار عظیم داشت۔ و ہمت بفیض رسانی مردم می گماشت

برہان استعدادش مثنوی[۱] "یوسف زلیخا" ست کہ یوسف سخن را از چاہ و زندان وارہاندہ و بمصر بلند پایگی بردہ بر تخت نشاند۔ اتمام این کتاب در سنہ اثنین و سبعین والف (۱۰۷۲) شدہ است سنبل نثرش کاکلے می افشاند ؂

خواہم کہ رخش بدعمل زہد پے کنم — تسبیح تازیانۂ گلگون مے کنم

زسیر باغ و زندان بر نیاید کام سودایم — نہ شاخ سنبلے بر سر نہ زنجیری است در پایم

کنی تا چند خواب ای مستِ غفلت نالۂ سر کن — سرِ مینای دل بکشا دماغ دیدۂ تر کن

پیالۂ مَی ازین شیوہ آبرو دارد — بدستگیری اُفتادگان ز پا منشین

قطرۂ آبی کف خونی شد و بر خاک ریخت — آدم خاکی چہ طرف از عالم ایجاد بست

بیقراری عضو عضوم را بکام دل رساند — زخم تیغت بر تنم چون ماہ نو سیارہ شُد

بسکہ از بے اعتباریہای خود شرمندہ ام — آنچنان سوی تو می آیم کہ گویا مے روم

(۵۴) واعظ میرزا محمد رفیع قزوینی

نوادۂ مُلا فتح اللہ واعظ قزوینی است۔ پایۂ تعریفش ازان رفیع تر کہ بسلم قلم

---

[۱] این مثنوی از بسکہ نادر الوجود است و در کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن موجود۔

توان رسید۔ وشرذمۂ توصیفش ازان بلند تر کہ ببال اوراق توان پرید۔ لآلی منظومانش درکمال خوش جلائی۔ وجواہر منثوراتش درنہایت بیش بہائی۔

حجّت کمالش کتاب **ابواب الجنان** است کہ قماش سخن را درنہایت نازکی بافتہ۔ وباتفاق جمہور کتابے باین خوش بیانی درباب مواعظ ترتیب نیافتہ۔ اما عمرش باتمام این کتاب وفانکرد۔ فرزندش **میرزا محمّد شفیع** کہ تلمیذ والد خود است مجلد ثانی بہ انجام رسانید۔ این مجلد دربیان فضائل اعمال است لیکن بہ آن رنگینی وخوش انشائی نیست

مطالعۂ دیوان واعظ طبع رادر اہتزاز آورد۔ این چند غزال ازختن افکارِ مش مے آید ؎

از زبانِ کلکِ نقاشان شنیدم بارہا
بے زبانِ نرم کے صورت پذیرد کارہا

این قدر طولِ امل رہ میدہی دردل چرا
مصحفِ خود را باین خط می کنی باطل چرا

آزادہ بہراہی کس بند نگردد
خاصیّت سرو است کہ پیوند نگردد

بریدن ازجہان سرمایۂ از زندگی باشد
کہ افزون قیمت شمشیر از جُبر زندگی باشد

حرفے اگر بعاشق بے تاب مے زند
شرمش طپانچہ برگلِ سیراب مے زند

سر بہ دل آورد عکس اندرونِ آئینہ گفت
فیضِ صحبت می تواند سنگ را آدم کند

نیک خواہان درجہان مکروہ طبع مردم اند
جز ترش روئی نہ بیند شربت از بیمارہا

روزگار آخر ستمگر را ستمکش مے کند
شیشہ می سازد مکافات شکستن سنگ را

اگر خورشید رخسارِ تو در پیشِ نظر باشد
چو ماہِ نو زپیری می روم سوی جوانیہا

دست بر داشتن وقت دُعا ایمائیست
کہ شفاعتگرِ ما پیشِ خدا دستِ تہی است

زابنای جنس خود بحذر باش زانکہ آب
باآن سرشتِ پاک بآئینہ دشمن است

فروتنی بجدا زود تر کند نزدیک
کہ زود قطع شود راہ چون سرازیر است

فیض پروانگیِ محفلِ ما چون نکند که چراغش زصفائیِ قدم یاران است

غم گوارا نبود آزادگان را از سرور آب تلخی بید را باشد به از آبِ نبات

سخنوری نتوان بے سخن شنو کردن سخن بگوش بود بیش از زبان محتاج

شود از عزل - طبعِ ظالم معزول ظالم تر کمان را زہ گرفتن بیشتر پر زور می سازد

آزاد نیستند بدولت رسیدگان گردید پاے بند نگین تا سوار شد

گر تہی دستی نہ واعظ مایۂ دیوانگی است چیست باعث کز درختان بید مجنون میشود

گشت داغم دلنشین تر در ہواے نو بہار زانکه بہتر مہر گردد صفحہ چون نم مے شود

باشد از بے خانمانان برگِ عیشِ اغنیا زندگانی شہر از پہلوی صحرا مے کند

یاد گیر از بید مجنون شیوۂ اُفتادگی گر گزارند افسر بر فرقِ تو سر بالا مکن

ظالم چو اُفتد از کار اُستادِ ظالمان است سر حلقۂ کمانہاست چون شد کمان دہ

صد حیف که ما پیرِ جہان دیدہ نبودیم روزیکه رسیدیم به ایّام جوانی

ظاہر آرائی نباشد شیوۂ روشن دلان میرد آتش از برائی جامۂ خاکستری

نیست جز خجلت از احباب تہی دستان را بید را جز عرقِ بید نباشد ثمرے

(۵۵) رفیع میرزا حسن

شاعرِ رفیع المقدار و منشی کامل عیار بود - اصلش از قزوین است - مدتہا باقامت مشہد مقدس سعادت حاصل کرد لہذا به مشہدی شہرت گرفت

بعد از آن که منازل علوم رسمی طی کرد و دستا به فنون بہم رساند - نزد نذر محمد خان والی بلخ رفت - و بمنصب انشا امتیاز یافت -

آخر عازم ہند شد و چہاردہم رجب سنہ اربع و خمسین و الف (۱۰۵۴) باستان بوس صاحبقران ثانی شاہ جہان دولت تازہ اندوخت و در ملازمت اول بخلعت

و انعام سه هزار روپیه کامیاب گشت- و در سلک بندگانِ درگاه درآمد- و در جشن وزن شمسی بیست و چهارم ربیع الاول سنه ست و ستین و الف (۱۰۶۶) مثنوی تهنیت جشن بعرض رسانید- و مبلغ هزار روپیه بر سبیل جائزه مرحمت شد-

و در عهد عالمگیری بخدمت دیوانی و بیوتاتی کشمیر مامور گردید- انجام کار بعد ز کبرِ سن از نوکری استعفا نمود و از سرکار پادشاهی وظیفه تقرر یافت- و در دار الخلافه شاهجهان آباد وظیفه حیاتش منقطع گردید-

عندلیب قلم زمزمهٔ او می سراید ؎

آنها که خواب راحت برخود حرام کردند — چون شمع کار خود را یک شب تمام کردند

سهل باشد لذتِ خاری که در پیراهن است — داغم از ماهی که او در خارها جز و تن است

دل منه بر اُلفتِ دشمن که تا گرم است — گرچه می جوشد با آتش لیک با او دشمن است

خار را آتش توان زد تا نگیرد دامنے — من بیایم علاجِ خار دامنگیر چیست

نیم بسمل شده مرغی بکف آرم که مرا — در خورِ حالتِ خود نامه بری در کار است

بدامِ زلفِ تو عالم تمام در بند است — کسی که باز بود دیدهٔ تماشائی است

قفای آینه را به ز روی آینه دان — که رو برو نشود با کسے که خود بین است

(۵۶) ناصح میرزا عرب تبریزی

نکته طراز ممتاز است و مصداق ترانهٔ عندلیب شیراز که مصرع

"هر آنچه ناصحِ مشفق بگویدت بپذیر"

یعنی کلام او شنیدنی است- و جرعهٔ جام او چشیدنی-

میرزا صائب مکرر شعر او را تضمین می کند و در مقطعی می فرماید ؎

این جواب آن غزل صائب که ناصح گفته است — تا لبِ ساغر بخون من گواهی می دهد

فی الجملہ تحصیل کردہ در عباس آباد متوطن بود۔ و بشیوۂ تجارت اشتغال داشت۔ اشعار بسیار از ناصح بنظر رسیدہ۔ سواد کلامش سرمہ در چشم ورق می کشد ؎

بہ سرمہ رام نگردید چشم جادو یش | کہ از دو میل سیاہی رمید آہویش
در زندگی بمرگ کشیدہ است کارِ ما | خواب گرانِ ماشدہ سنگِ مزارِ ما
در حقیقت دلِ بیرحم ندارد مغزے | پستۂ را کہ نباشد لبِ خندان پوچ است

رباعی

نادان غلطش زسُستی رائے خود است | بے قدریش از پستی کالای خود است
بر مرکب چوبین چو شود طفل سوار | خوش راہی و بد راہیش از پای خود است

(۵۷) سالک محمد ابراہیم قزوینی

سالکِ مسالک خوش بیانی۔ و مخترع عجائب و غرائب معانی است مدتے در صفاہان اقامت داشت۔ و با صاحب کمالانِ آنجا سرگرم صحبت بود۔ آخر عازم ہندوستان گردید و بواسطۂ ربط قدسی و کلیم سرمایۂ جمعیتے اندوخت و بوطن مانوس مراجعت کرد۔ خویشانِ او آنچہ داشت ہمہ را واکشیدند۔ ناگزیر کرت ثانی خود را بہ ہندوستان رسانید و مدتے اقامت گزید و باز بجاذبۂ وطن بہ قزوین برگشت۔ و ہمانجا در گزشت۔

عنبرِ کلامش چنین بو می دہد ؎

مہر و کین شوخیِ چشمانِ ترا آئین است | این دو بادام یکے تلخ و دگر شیرین است
چہ ذوق چاشنیِ دردِ عافیت جو را | کہ شیر ہم شکر آب است طفل بدخو را
عرق سعی محال است بجائے نرسد | ابر را آبلۂ دست گہر می گردد
فرصت بہ پیشہ بستیِ قاتل ندادہ ایم | گلگون دواندہ بردم شمشیر خون ما

استخوانِ من ومجنون بہ تفاوت بردار	اے ہما چاشنیٔ درد فراموشش مکن
بے برگیٔ من فکرِ سر انجام ندارد	چون شمع تمام است بیک ترک کلاہم

(۵۸) سالک یزدی

رہ نوردِ قلمرو خوش مقالی است و تیز رو جادۂ باریک خیالی۔

آغاز حال در شیراز بود۔ شانہ رنگ می کرد۔ آخر بکسوت درویشان برآمدہ سرے بہ صفاہان کشید۔ و چندے رحل افگند۔

ازانجا بولایت دکن افتاد و در خدمت قطب شاہ والی حیدر آباد می گزرانید چون طائفۂ مغلیہ را ازانجا برآوردند بدار الخلافہ شاہجہان آباد آمد۔ ملّا شفیعائی یزدی بپاس ہموطنی رعایت بسیار نمود۔ و در سنہ ست وستین و الف (۱۰۶۶) بہ ملازمت صاحبقران ثانی شاہجہان رسانید۔ و در سلک مدحت گزاران منتظم ساخت۔

ملّا شفیعائی یزدی مخاطب[1] بہ دانشمند خان در عہد شاہجہانی بمنصب سہ ہزاری فائز بود۔ و در زمان عالمگیری بمنصب پنج ہزاری و الامر تبۂ میر بخشیگری متصاعد گشت و در سنہ احدی وثمانین و الف (۱۰۸۱) در گزشت۔

سہیل طبعش عقیق سخن را چنین رنگ می دہد ؎

در ہوائے عشق پرورد دلِ دیوانہ را	چون سپند از بہر آتش سبز کردم دانہ را
آشنائی کہنہ چون گردید بے لذت بود	کوزۂ نو یکدو روزے سرد سازد آب را
نوای نالہ نے می رسد بغارتِ ہوش	تو برق تازیِ این نے سوار ادریاب
در خور ہیچ بود خلل زدیوان قضا	نرود تا نفسے کے نفسے می آید

[1] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۳۰-

زبانِ ہرزہ درایان توان بنرمی بست　　که پنبہ سرمۂ خاموشی جرس باشد

(۵۹) صیدی - میر صیدی طہرانی

صید بند وحشیان خیال است و دام نہ فراوان غزال - فرع شجرۂ سیادت است و صاحب انواع حیثیت -

از صفاہان بہ ہند خرامید و پنجم ربیع الاوّل سنہ خمس وستین والف (۱۰۶۵) بہ ملازمت صاحبقران ثانی شاہجہان مباہی گشت و قصیدۂ کہ بمدح شاہی پرداختہ بود بعرض رسانید - ہزار روپیہ صلۂ قصیدہ مرحمت شد مطلعش این است ؎

زہی جہانِ خدا را سپہر عدل و کرم　　بزیر سایۂ قدرِ تو نیّرِ اعظم

سرخوش گوید: - روزے جہان آرا بیگم بنت شاہ جہان بسیر باغ صاحب آباد می رفت - میر صیدی از بام سراہ بہ بانگ بلند مطلع خود برخواند[1] ؎

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش　　تا نکہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

بیگم شنیدہ مسرور گردید - و پنجہزار روپیہ صلہ عنایت فرمود -

دیوان صیدی بمطالعہ در آمد - قصاید در مدح صاحبقران شاہجہان دارد و مثنوی در تعریف کشمیر موزون ساختہ در صعوبت راہ کشمیر گوید ؎

زبیمِ جان در و صد جا زیادہ　　شود از باد بوی گل پیادہ

توان بہمتِ مردان دو صد سپاہ شکست　　بزور خود نتوان گوشۂ کلاہ شکست

در عشق ہر کہ ہست مہیای جنگ ماست　　بر روی ما کسیکہ نہ استاد رنگ ماست

ما کہ باشیم کہ در بزم تو داخل باشیم　　دولتِ ماست کہ حسرت کشِ محفل باشیم

ہر کہ خواہد نظرِ بد بہ جمالِ تو کند　　آن قدر عمر نیابد کہ خیالِ تو کند

---

[1] نتائج الافکار صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۸۴۳ء -

تنها نگشته بی تو زبانم بکام بند — چون رنگِ گل شداست نفس ابم بجام بند
مارا به برگ سبز کجا یاد می کند — آن گل که منع بوی خود از باد می کند
صیّاد ما بنای ستم تازه کرده است — مرغی که پر شکسته شد آزاد می کند
غم زبے مہری او نیست که ہیچند نہال — سایۂ مرحمتِ خویش پریشان دارد
کمتر از برگی نباید بود در تسخیرِ دل — می کند از خود نہالی را که پیوندش کنند
میانِ آشتی و جنگ ہم مقام خوش است — تغافلِ نگہ آمیز صد ادا دارد
خود را بچشمِ آینہ دیدی و سوختیم — با آنکہ اضطراب مرا عذر خواہ شُد
صورتِ دیوار ہم در عالمِ خود زندہ است — ہر کسے را جامۂ ہستی برنگے دادہ اند
مرد بے برگ و نوا را سبک از جائے مگیر — کوزہ بیدست چو بینی بدو دستش بردار
چو غنچہ ہر کہ بگلشن شگفتہ باشد فرد — ز گلرخان بنو دارد نظر بہار امروز
نقصِ عشق است کہ از خار بنالد بلبل — نسبتِ ہرچہ بہ گلزار رسد گل باشد
چشمت ہنوز از صفِ مژگان بقتلِ عام — سان در زمینِ آینہ بیند سپاہ را
ہر چہ می گویم از ان نامِ تو مطلب باشد — کہ مرا تندیِ خوے تو معمائی کرد

(۶۰) ماہر۔ میرزا محمد علی اکبر آبادی

شاعریست ممتاز در نظم و نثر سحر طراز۔ نقد عمر تا دم آخر در خریداری متاع گرانمایۂ سخن صرف کرد۔ و با کلیم و قدسی و صاحب طبعانے کہ بعد ازین دکان تازہ گوئی چیدہ اند صحبت داشت۔

بدایت حال ملازم شاہزادہ دارا شکوہ بود و مرید خان خطاب داشت و چندے در رفاقت دانشمند خان شفیعا شاہ جہانی بسر برد۔

آخر کار ہمہ را دست زدہ بر پوست تخت درویشی نشست۔ و قلمرو قناعت و

آزادی تسخیر نمود۔

سرخوش در تذکرۂ خود گوید کہ:۔

"روزے فقیر گفت۔ نواب دانشمند خان میر بخشی وہمت خان تن بخشی ہردو برحال شما
"مہربان اند چرا منصب شایستہ نمی گیرید۔ خندہ کرد و گفت بہ ترک دنیا مشہور شدہ ام۔ ودم
"از فقیری می زنم۔ اگر الحال باز رغبت بدنیا نمایم بآن زن ہندو می ماند کہ باشوہر مردہ برائے
"سوختن رفتہ باشد۔ آتش سوزان دیدہ خواہد کہ بگریزد۔ کناسان ہچو بہا سرش راشکستہ
"بسوزانند[۱]۔ فقر باستقلال داشت و تا زندہ بود بہ جمعیت و فراغت بود۔

راقم الحروف آزاد گوید کہ فقیر را با نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید خلف الصدق نواب آصف جاہ طاب ثراہٗ ربط عجیبی اتفاق افتادہ بود و موئے انفقتے کہ بالاتر ازان متصور نباشد دست بہم داد۔ چون نواب نظام الدولہ بعد رحلت پدر بر مسند ایالت دکن نشست بعض یاران دلالت کردند کہ حالا ہر رتبۂ کہ خواہید میسر است اختیار باید کرد و وقت را غنیمت باید شمرد۔ گفتم آزاد شدہ ام۔ بندۂ مخلوق نمی توانم شد۔ دنیا بنہر طالوت می ماند غرفۂ ازان حلال است زیادہ حرام۔ و این شعر فرو خواندہ شد ؎

دریں دیار کہ شاہی بہر گدا بخشند | غنیمت است کہ ما را ہمیں بما بخشند

وفات ماہر در سنہ تسع و ثمانین و الف (۱۰۸۹) واقع شد۔ صاحب دیوان ضخیم و مثنوی ہائے متعدد است۔ و مثنوی مختصر در مدح جہان آرا بیگم دختر صاحبقران ثانی شاہ جہان گفتہ بتوسط عنایت خان آشنا تخلص نزد بیگم فرستاد۔ ست ؎

بذاتِ اوصفاتِ کردگار است | کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

بیگم را خوش آمد۔ و پانصد روپیہ صلہ فرستاد۔

---

[۱] نتائج الافکار صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۸۴۳ء۔

اما در کلیات نعمت خان عالی مثنوی شانزده بیت در تاریخ عمارت زیب النسا بیگم دختر خلد مکان بنظر رسیده - در آن مثنوی بیت مذکور هم هست - توارد افتاده باشد ماہر در مثنوی گوید در نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم - ؎

گرچه آورد پیش ازین عیسےٰ | مردۂ را دوباره در دُنیا
ازرهِ معجز آن جهانِ کرم | عیسےٰ آرد دوباره در عالم
چشم چگونه دیدنِ رویت ہوس کند | نظاره برچراغِ تو کارِ نفس کند
حاسدِ اہل سخن داغ زحسن سخن است | انتقامِ پدر از خصم پسر می گیرد

(۱۱۶) فیاض - مُلّا عبد الرزاق

لاہجی الاصل قمی الوطن - مصنف کتاب "گوہر مراد" تلمذ بخدمت حکیم صدرائے شیرازی نموده و در عقلیات و نقلیات دستگاه عالی بهم رسانده و جلو اندیشه را بسمت سخن طرازی نیز عطف می ساخت -

دیوانش محتوی بر قصائد و مقطعات و غزلیات و ساقی نامه و دیگر نوع شعر بنظر رسید - قصائد طولانی فراوان در مدح ائمه اہل بیت رضوان اللہ علیهم و اُستاد خود حکیم صدرای شیرازی - و استاذ الاستاذ میر باقر داماد استر آبادی - و در مدح شاه صفی صفوی و اُمراء عصر دارد و در حق ہند گوید ؎

حبّذا ہند کعبۂ حاجات | خاصه یارانِ عافیت جو را
ہر که شد مستطیعِ فضل و ہنر | رفتنِ ہند واجب است او را
سوی زلفش می کشد آشفته سامانی مرا | می کند تکلیف ہندستان پریشانی مرا
گرد داغ کز کوی یار برخیزد | نشسته ایم که از ما غبار برخیزد
اثر شنیده دل از حرف مہربانیِ تو | چو شمع تا بکی این گرمیِ زبانیِ تو

زشیرین بود خسرو خوشدل و فرهاد زان خوشتر — که دادِ دلبران خوش باشد و بیداد زان خوشتر

سنگ بالین کن و آنگه مزهٔ خواب به بین — تا بدانی که چه در زیر سرِ مردان است

هزار رنج کند ار باغبان باین نرسد — که وقفِ مشهدِ بلبل کند گلستان را

قسمتِ ما زین چمن بارے تعلق بود و بس — سرو را نازم که آزاد آمد و آزاد رفت

دریاب این اشاره که شاہانِ نامجو — نامِ بلند خود به نگینی سپرده اند

هرکس که زخم کاریِ ما را نظاره کرد — تا حشر دست و بازوی او را دعا کند

بیک زخمِ دگر جانِ مرا در اضطراب افگند — نمی دانم چه سان معذور دارم قاتلِ خود را

(۶۲) تجلّی۔ مُلّا علی رضا اردکّانی

از کدخدازادگان اردکان من اعمال فارس است۔ بعد ازان که قدم در مرحلهٔ سنِ شعور گذاشت به ارادهٔ تحصیل علم به اصفهان رفت۔ و نزد آقا حسین خوانساری که از مشاهیر نحاریر است تلمذ نمود و تحصیل را بپایهٔ تکمیل رسا۔ آنگاه عازم کشور هند گردید۔ علی مردان خان ولد گنج علی خان که در سال یازدهم جلوس شاه جهانی از قندهار بهند آمد و بمنصب هفت هزاری و خطاب امیر الامرائی سرمایهٔ مباهات اندوخت۔ مقدمِ او را گرامی داشت و به تعلیم فرزند خود ابراهیم خان مقرر نمود۔ و رعایتِ فراوان بعمل آورد۔ و همچنین سائر اُمراء ایران با او مهربانی و گرمجوشی بتقدیم می رسانیدند۔

بعد چندے هوای وطن اصلی در حرکت آمد۔ و ازین دیار به صفاهان معاودت نمود۔ شاه عباس ثانی مشمول رافت ساخت۔ و در شهور سنه اثنین و سبعین والف (۱۰۷۲) قریه از مضافات اردکان در سیورغال او عنایت فرمود۔

و در سنه ثلث و ثمانین والف (۱۰۸۳) شاه سلیمان صفوی او را به درگاه

طلب کرد۔ وبحضورِ مجلس خود اختصاص بخشید۔ از ان وقت در صفاہان مقیم بود۔ وبر جادۂ ذکر علم وتالیف فنون مستقیم۔ تا آنکہ بمنزلِ خاموشان شتافت۔

شاعرِ خوش خیال معنی یاب وبطالع شہرت کامیاب است۔ دیوان غزل وقصائد دارد۔ ومثنوی معراج الخیال او مشہور است منتخب دیوانش بنظر درآمد واین چند بیت بہ تحریر رسید ے

خیالش چون شود خمیازہ فرمای بر و دوشم	لبالب می شود چون ہالہ از مہتاب آغوشم
در رہِ محمل نشینانِ وفا واپس مباش	تا توانی بوی گل گردید خار وخس مباش
خواہم چو بہلہ با تو دمی ہمرہی کنم	دستے بران میان زدہ قالب تہی کنم
بیا کہ بنیو بہ چشم نظارہ زندانی است	نگہ بدیدہ چو زنّار در سلیمانی است
ہرچہ آید در نظر آئینہ دارِ ناز اوست	کفر و ایمان چون دو چشم از یک ادا در گردش است
نفسِ بد را اگر رسد فیضے نصیب دیگر است	آنچہ با زنبور می ماند ہمین نیش است وبس

(۶۳) اشرف مُلّا محمد سعید

پسر مُلّا محمد صالح مازندرانی است وصبیہ زادہ مُلّا محمد تقی مجلسی فاضلِ صاحب جودت بود۔ وشاعرِ والاقدرت۔ طبع چالاکش معانی تازہ بہم می رساند۔ و عجائب گلہا در جیب ودامن سامعہ می افشاند۔

در آغازِ جلوس خلد مکان بہ ہند رسید۔ وبہ ملازمت سلطانی استسعاد یافت۔ وبہ تعلیم زیب النساء بیگم دختر پادشاہ مقرر گردید۔ مدتے باین عنوان بسر برد۔ آخر حبّ الوطن مستولی گشت۔ وقصیدہ در مدح زیب النسا بیگم مشتمل بر درخواست رخصت بنظم آورد۔ در انجا می گوید ے

یکبار از وطن نتوان بر گرفت دل	در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار

پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چه دہلی چه اصفهان دل پیش تست تن چه به کابل چه قندهار

و در سنہ ثلث و ثمانین والف (۱۰۸۳) به اصفهان معاودت نمود۔ و کرت دیگر قائد روزگار زمام اورا جانب هند کشید و در عظیم آباد پٹنہ با شهزاده عظیم الشان بن شاه عالم بن خلد مکان که در آخر عهد جد خود بنظم آن صوبه می پرداخت۔ بسر می برد۔ شهزاده خیلی طرف مراعات او نگاه مے داشت۔ و بنا بر کبر سن در مجلس خود حکم نشستن کرده بود۔

ملا در پایان عمر اراده بیت الله کرد و خواست که از راه بنگاله در جهاز نشسته عازم مقصود شود۔ امّا در شهر مونگیر از توابع پٹنہ منزل اجل در رسید۔ و اورا بعالم دیگر رسانید۔ قبر ملا در آنجا مشهور است۔

اولاد او در بنگاله می باشند۔ میرزا محمد علی دانا تخلص پسر ملا محمد سعید مردے فاضل و شاعر بود۔ و در مرشد آباد فوت کرد۔ چند ورق اشعار بخط خودش بنظر در آمده از انجا فرا گرفته شده

تا سینهٔ ما نیست رسا ناوک نازت کوته نظری حیف ز مژگان درازت
دل ز من رم کرده در ابروی جانان مانده است یاد من کے می کند در طاق نسیان مانده است
زان دل از کشمکش هند پریشان مانده است که ز هر روپیه ده ماشه بها خوابانده است
تهمت چه بدر شود با دلم چه خواهد کرد هلال یک شبهٔ ابروت کتانم سوخت

دیوان ملا محمد سعید اشرف بمطالعه در آمد۔ انواع شعر قصیده و غزل و مثنوی و قطعه وغیرها دارد۔ و همه جا حرف بقدرت می زند۔

وقتے زیب النساء بیگم پرستارے را برائے ملا فرستاد که در خدمت خود نگاه دارد۔ ملا نامحظوظ شد و قطعه طویلے در مذمت پرستار نظم کرده به زیب النساء بیگم

ارسال داشت - اولش این است ؎

قدر دانشور شناسا نور چشم عالما — ای که هرگز قدرتِ ہم چشمیت حور انداشت

درین قطعه آیهٔ کریمهٔ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی راجائے آورده که نمی توان بر زبانِ قلم گزراند - خدا داند در جزای این بی ادبی بچه عقوبت گرفتار خواہد گشت - ازینجا ست که حق تعالےٰ می فرماید اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ -

این چند بیت از غزلیات او ایراد می شود ؎

اشکے که راز عشق بگوید فشاندنی است — طفلے که خوش محاوره اُفتد نماندنی است

سبحه گردانی به هنگام پریشانی کند — عاقل از بیپایگی دو لاب گردانی کند

از غمِ افلاس اوقاتم به بیهوشی گزشت — چون چراغِ مقلسان عمرم بخاموشی گزشت

در ایران نیست جز بهند آرزو بے روزگاران را — تمام روز باشد حسرتِ شب روزه داران را

حیات از صحبتِ افسردگان نابود می گردد — که چون فصلِ زمستان شد نفسها دود می گردد

مهر خود را از تو ای بے مهر کے خواهم برید — تا جوانی عاشقم چون پیر گردیدی مُرید

بدُنیا چون در آید آدمی بدبخت می گردد — هوا چون در میانِ مشک آید سخت می گردد

بشانِ پلّهٔ میزان نگر که از تمکین — بلند ساخته پا در برابرِ خود را

کنی اگر رهِ باریک آدمیت سر — منه زکف چو رسن باز لنگرِ خود را

ساقیا ساغر بگردش آر تمکین وا گذار — کشتیِ دریا کشان را لنگرے درکار نیست

گر نمکین نیست نگین دانِ طلا را عشق است — حسن لیموی آن آبله رو هم بد نیست

گفت هستیِ زوصل اشرف بیادِ عارضش — همچون آن حافظ که مصحف را تمام از بر نوشت

کاہلان را جز لگد کوب حوادث چاره نیست — می کند مالیدگی سستیِ اعضا را علاج

غافلان را چرک دنیا ئیست زینت در لباس — جامهٔ تصویر از روغن مصفا تر شود

درجوانی روشِ حالت پیری دارم
چون گلِ زرد بہارم بخزان می ماند

ہمچو درویشے کہ شیرینی برِ منعم برد
عاشقان پیشِ تو اول جان سپاری میکنند

جاہلان اہل جہان را تیر روی ترکش اند
فرد چون گردید باطل جلد دفتری می شود

رفتہ رفتہ آبرو را برطرف سازد غضب
آب را چندانکہ جوشانند کمترے شود

جمالِ نازنینِ نوخطم ماند مرقع را
کہ خطش درکمالِ خوبی و تصویر ہم دارد

نقرہ چون انگشتری گردید می پیچد بلعل
می شود در وقتِ پیری حرص دنیا بیشتر

مرد را خلقِ نکو کم ز نجابت نبود
موم خوشبو چو شود ہست چو عنبر ممتاز

کار خود کن راست چون فوارہ بےامداد غیر
خود نہالِ خویش و خود آبِ روانِ خویش باش

طفل صاحب حُسن را در خانہ بودن بہتر است
اشک رنگینم نمایان گر نباشد گو مباش

چو برگِ لالہ نشینند گر دہم عُشّاق
بحصّہ کردنِ داغ تو در میانۂ خویش

چو نور چشمِ ضعیف از نظارۂ عینک
شود ز ساغرِ مَی خاطرِ پریشان جمع

درد سر بیمار را بسیار دادن خوب نیست
از نگاہِ ناتوانِ او بچشمک ساختم

ہمچو چشمی دردناکے کز فروغ آید بہم
کلبہ ام تاریک گردد از چراغِ دیگران

کام شیرین نکنم از رِقی زنبورِ عسل
سر بزرگی نتوان کرد ز شانِ دگرے

بوقتِ عرضِ مطلب قفل خاموشی بلب دارم
چو آن شخصے کہ در خمیازہ گیرد بر دہان دستے

(۶۴) راقم۔ میرزا اسعد الدین محمد مشہدی

راقم نقوش غریبہ و ناظم جواہر عجیبہ است۔ میرزا صائب سخن او را تضمین می کند و می گوید ؎

این جواب آن غزل صائب کہ راقم گفتہ است
تیغ دائم آب در جو دارد و خون می خورد

پدرش خواجہ غیاثا بہ ہندوستان تجارت می کرد۔ میرزا اسعد الدین محمد

درخدمت اسلام خان مشهدی شاه جہانی معزز و محترم بسر می برد۔
آخر بدار السلطنت صفاہان عود کرد۔ اول وزیر ہرات شد بعد ازان وزیر
مجموع ممالک خراسان۔
شوکت بخاری مادح اوست و مدتے با او بسر برد
دیوان راقم پیش ازین بنظر رسیدہ بود۔ در وقت تحریر بدست نیامد۔ عرائس
افکارش بر منصۂ ورق جلوہ می نماید ؎

ہمیشہ بست و کشادِ من از ہنر باشد کلید و قفلِ صدف ہر دو از گہر باشد
گرہ ز ناخنِ تدبیر کی کشادہ شود کہ از کلیدِ غلط بستگی زیادہ شود
بس بود در سفرِ کعبۂ مقصد ما را توشۂ رہ قدمے چند کہ برداشتہ ایم

(۶۵) شوکت بخاری (محمد اسحٰق)

معنی یاب دقت آفرین۔ و گلدستہ بند خیالات رنگین است۔ از عنفوان شعور
زلفِ سخن را شانہ کشید۔ و چہرۂ عرائس معانی را غازۂ تازہ مالید۔
در اصل صراف پسرے است از بخارا۔ ہمانجا نشو و نما یافت۔ و بنقادی نظر
خدا داد طلای تجنید در بازار نکتہ سنجے رائج ساخت
وقتے اوزبکے او را رنجانید۔ دکان را برہم زدہ ترک وطن گفت و رخت تجرد
بہ مشہد مقدس کشید و ناصیۂ سعادت بآستان سائی روضۂ رضویہ منور ساخت
و صحبت او با میرزا سعد الدین وزیر ممالک خراسان بر آمد و سالہا با او بسر
برد۔ و قصائد غرا در مدح او پرداخت۔ در یکے از قصائد می گوید ؎
ستارۂ فلکِ اقتدار سعد الدین کہ سعد اکبر از و کرد استفادۂ نور

؎ نتائج الافکار صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ مدراس ۱۸۴۳ء۔

بیاضِ شعر و سوادِ خطِ ترا نازم   که بہ زشامِ ہرات است و صبحِ نیشاپور

روزے مرزا اسعد الدین کسی را در طلب شوکت فرستاد۔ شوکت دران وقت بیدماغ بود۔ جواب داد۔ میرزا آزرده شد۔ د باحضّار گفت یاران بہ بینید۔ من با شوکتا چہ بد کردم۔ این حرف بہ شوکت رسید۔ متأثر شد و این بیت فرو خواند ؎

منتِ اکسیر مارا زنده زیرِ خاک کرد   از طلا گشتن پشیمانیم مارا مس کنید

ہمان ساعت ہمہ را پشتِ پا زد و نمدِ درویشی در بر کرد۔ و سرے بصوب اصفہان کشید و بقیہ عمر در دارالامانِ انزوا بسر آورد۔

چاشنی درد و مذاقِ شکستگی بمرتبۂ اتم داشت۔ میر عبد الباقی صفاہانی نقل کرد کہ من در اصفہان بودم کہ شوکت بخاری تشریف باصفہان آورد۔ اکثر بخدمت او می رسیدم۔ گاہے اتفاق ملاقات نیفتاد کہ اورا بے گریہ دیده باشم۔ واعزه کہ با او مدتہا یار بودند می گفتند کہ تا اورا دیده ایم چنین دیده ایم۔

شوکت اکثر مضامین ادّعائی می بندد۔ و معانی وقوعی کم دارد چنانکہ بر ناقدان عیارِ سخن مبرہن است۔

گلگشتِ دیوانش اتفاق افتاد[1] و این چند بیت در سلکِ تحریر در آمد ؎

در از بیگانگی شوخی بروی آشنا بندد   کہ از وحشت بشامِ دیدۂ آہو حنا بندد

در شامِ غمِ خویش مرا صبحِ امید است   گر نقشِ نگین تیره بود نام سفید است

از برای سرخروی سعی بیش از پیش کن   چون گلِ رعنا خزان را زیرِ دستِ خویش کن

نفس از بدن رہے سوی آن آستانہ یافت   بو کرد خاک را سگ و راہے بخانہ یافت

خونِ من صد بار می ریزی و می بندی حنا   نیست دلگیری دمے از کشتن و بستن ترا

نباشد آسمان را آفتے از لامکان سیران   خطر از زنگ می بیرون ز دندانیست مینا را

[1] دیوان شوکت بخاری قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن موجود است۔

یکمشت استخوان شدم از بس گرفته است چون کعبتین داغ تو از شش جهت مرا

وقت آن شد که سبکروحیم از دست برد چون حنای سرِ ناخن شده ام پا به رکاب

دیده وادید بود مایۂ سرگردانی گردشِ عید مرا سنگ فلاخن کرد است

ماتم و شور جهان دست بهم داده اند خندۂ مینا ئے مے گریۂ مستانہ است

ہیچ مرگے نبود سخت تر از خود بینی پیش صاحب نظران آینہ خشتِ لحد است

می توان دادن از ان کُنجِ دہن کام مرا آرزویم گرچہ بسیار است از کم بیش نیست

غنیمت است جوانی کہ موسفید شدن بقدر فرصتِ یک شیر گرم کردن نیست

عشق معشوق چو شد حُسن کند تسخیرش شیشۂ سرو پری زاد ز قمری دارد

ہستیِ جاوید باشد ماتمِ خود داشتن خضر پیراہن برگِ خویش آبی می کند

خودآرا شوخ زاہد مشربی افگندہ از پایم کہ دستش سبحہ از تخمِ گلِ رنگِ حنا دارد

بود کوچک دلے سرمایۂ عزّت بزرگان را اگر دریا کند گرد آوری خود را گہر باشد

قیمتِ گوہرم افزون زنگ می گردد گردشِ چشمِ خریدار کند غلطانم

سخن را قطع کن تا قطعِ راہِ دل توانی کرد کہ من از قرصِ مُہرِ خامشی زادِ سفر دارم

طمع در مذہبِ آزاد مردان کفر می باشد چرا گیرم ز ناصح پند آخر ہمتے دارم

بمردن ہم نیفتد از بلندی رُتبۂ نامم برنگِ مُردۂ فیروزہ تابوت از نگین دارم

رباعی

درد ہر کسی کہ ارجمندی دارد عیبش مکن ارچہ خود پسندی دارد

از بس گروی فتادہ ایجادِ زمین ہر کس بمقامِ خود بلندی دارد

(۶۶) قاسم۔ قاسم دیوانہ مشہدی

در عنفوانِ سنِ تمیز بہ اصفہان رفت و بتحصیل علم اشتغال ورزید و در عین

شباب رو بہ ہندوستان آورد۔ و مدتے درین دیار بسر برد و در دار الخلافت شاہجہان آباد رخت بوادی خاموشان کشید

دیوانش بملاحظہ در آمد۔ و این چند بیت پیرایۂ تحریر پوشید ؎

می طپید دل در برم از شوخیِ سیّارۂ
چشم داغم می پرد می آید آتش پارۂ

لب خموش و شکوہ در دل چارۂ ما کردنی است
ماند در منزل کلید و قفل در وا کردنی است

می شود ہر چند نیکو یار بد خو می شود
ناز چون بر خویش بالد چینِ ابرو می شود

رقمے از خط مشکین تو تحریر نشد
دو جہان زیر و زبر شد زبر و زیر نشد

خامۂ بوقلمون در کفِ اندیشہ گداخت
رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نشد

قاتل دو کار در حقِ ما کرد روزِ قتل
دستم گرفت و خونِ مرا پایمال کرد

رسد لافِ تجرد قاصدِ صحرا نوردے را
کہ مانندِ نگاہ از خانۂ خود فرد برخیزد

چون نسخۂ دقیق بہ نزدیک کم خرد
از دیدن تو آینہ را خواب می برد

فسردہ دل ہمہ شب داغہای من شمرد
چو مفلسے کہ زرِ دیگران حساب کند

باین طراوت اگر بگذری بکوچۂ نقاش
برائی ماہی تصویر فکر دام نماند

کار مژگانِ تو از گوشۂ ابرو آید
بر کمانِ تو چرا منتِ ترکش باشد

بے مشقت نبود قطعِ تعلق قاسم
رشتہ ہر چند ضعیف است گسستن دارد

اگر از حق پرستانی بتاب از خلق رویِ دل
کہ شکل آدمی بت را خدای آدمی سازد

بسکہ بے روی تو دشوار نظر باز کنم
مژہ موئے ست کہ از داغ جدا می گردد

طفل بے پروا است آمیزش نمی داند کہ چیست
می کند کم خانۂ آئینہ تمثالش ہنوز

خدا داند کہ سر از دیدہ یا از دل برون آرد
ز مژگان شوخ ترخاری کہ من در پا خود دارم

درین چمن ثمرِ نخلہاے پیوندم
فتادہ است بہ شاخِ دگر رسیدنِ من

باش ہموار کہ آسیب درشتی نہ کشی
صافیِ آینہ بیکار کند سوہان را

رتبۂ حرفِ سخنور ز سخن سنج بپرس	خبر از قیمتِ گوہر نبود دریا را
رازِ دل نتوان بزور از مردِ بینا وا کشید	آب کے بیرون تراود از فشار آئینہ را

(۶۷) طغرا۔ ملا طغرای مشہدی

طغرای منشور استعداد است و فروغ پیشانی قابلیت خداداد۔ طرح نثر بطور نو انداختہ و لآلی عبارات را بجلای تازہ نظر فریب جوہریان ساختہ از ولایت خود بسواد اعظم ہند خرامید۔ و یکچند در ظل عنایت شاہزادہ مراد بخش بن شاہ جہان پادشاہ بمراد دل کامیاب گردید۔

و در رکاب شاہزادہ بسیر ممالک دکن پرداخت۔ آخر در کشمیر جنت نظیر گوشۂ انزوا گرفت و ہمانجا بفقر اصلی نشتافت۔ و در نزدیک قبر ابو طالب کلیم مدفون گردید

طغرای کلامش بہ این خوش نقشے صورت می بندد ؎

دلا چو شمع رگِ گردنے ملائم کن	ز سہر دادنِ سرپائے خویش قائم کن
کجے نباید کام دل بے اتفاقِ راستان	تا بقربانت شود با تیرمے ساز و کمان
کلاہ فقر ز ترکِ گل و گیاہ مکن	بغیر ترک ہوا صرف این کلاہ مکن
اگر چو آینہ سر تا قدم شوی ہمہ چشم	بسوی دوست نگر سوی خود نگاہ مکن
گدای عشق گریت جانشینِ خویش کند	نشستہ باش و تواضع بہ پادشاہ مکن
عروسان را بسوی حجلہ نتوان بردبے سازے	بہ آواز دف و نے دخترِ رز را بمینا کن
بایدچو برق خندہ زنان از جہان گزشت	نتوان چو ابر بر سرِ دنیا گریستن
موی سیہ کافتد ز سر ہرگز نمی گردد سفید	از عیش غربت کی کند پیری تصرف در جوان
سایہ می افتاد از طغرا در ایام شباب	پیر چون شد می خورد از سایہ طغرا بر زمین
مینا بپای ساغر چون سر نہد بہ سجدہ	چیزے دگر نخواہد غیر از دعائے یاران

درسه فصلِ عمر باید سر بجیبِ غم کشید تا توانی همچو گل یک فصل خندان زیستن

شاید به بیند آنچه بما کرد آسمان از دودِ آه سرمهٔ چشمِ ستاره کن

(۶۸) مخلص (میرزا محمد کاشانی)

از عالی نژادانِ خطهٔ کاشان است۔ قیاسِ صحیحش منتج مضامین تازه و کلام ملیحش مفید حلاوتِ بے اندازه۔

دیوان غزلش بنظر رسید۔ سیرِ تمامش از تنگی فرصت اتفاق نیفتاد چند بیت عجالۃ الوقت فرا گرفته شد؎

کردہ بیجا دلم از طرّهٔ جانا نه جدا دستِ مشاطه الٰهی شود از شانه جدا

نظر بنامهٔ این خاکسار نیست ترا دماغ خواندنِ خطِّ غبار نیست ترا

چه لازم در مقامِ بحث با دشمن میان بستن نمی باشد سلاحی بهتر از تیغ زبان بستن

چگونه خواجه باسمِ سخا علَم گردد که چون سوال کنی حاتمِ اصم گردد

ما چون قلم سخن بزبانِ دگر کنیم چون کارِ ما بحرف رسد گریه سر کنیم

این خواریئے که بر سرِ کوی تو می کشیم هرگز نشد که نقل بجای دِگر کنیم

قدت بیجا نشد مشهور در عالم به رعنائی تخلص بیشتر شهرت کند از نام موزون را

ز عصیان لب گزیدن در جوانیها نمک دارد ازین نعمت چه لذت می بری چون ریخت دندانها

چون گرفتی بیت شاعر در عطا سستی مکن تا کسے مضطر نباشد کے فروشد خانه را

بدستِ غیر داوی ساعدِ چون نقرهٔ خامت بقربانِ سرت گردم مکن این خام دستیها

هست تا محشر بپای بیگناهے یک قدم امن بودن می کند نزدیک راهِ دور را

حلّهٔ هر اہلیه بدستور نیست در قانونِ عقل چوب از مضراب می باید خیرِ طنبور را

نمود نامِ نکوئی تو عالمے تسخیر اگرچه غیر نگین نیست یک سوار ترا

می فزود دور ز نقاش چو شد نقش تمام　　هر قدر کار تو صورت نپذیر دخوب است

بیگانه وار می گذری از سواد چشم　　ای نور دیده حبّ وطن در دلِ تو نیست

حالتم باد انهٔ تسبیح در ذکرش یکی است　　هر که نامش بر زبان آرد برد از جا مرا

(۶۹) موسوی[۱] - موسوی خان میرزا معزالدین محمد

از اجلۂ سادات قم - وچراغ دودمان امام هفتم است - وصبیه زاده میر محمد زمان مشهدی که سر آمد علماے مشهد مقدس بود

موسوی خان از عنفوان شعور دامن سعی اکتساب علوم برزد - واوائل کتب در وطن خود تحصیل کرد - ودر ریعانِ شباب با پدر خود میرزا فخر ابرہیم زوده - بدار السلطنت صفاہان شتافت ودہ سال در حلقۂ درس آقا حسین خوانساری تلمذ نمود - وجادۂ عقلیات ونقلیات نور دیدہ خود را باقصی حدود کمال رسانید -

ودر سنہ اثنتین وثمانین والف (۱۰۸۲) تشریف بہ ہندوستان آورد وخلد مکان بواسطۂ جوہر ذاتی ونسبتی مورد الطاف ساخت - وبتزویج صبیۂ شاہ نواز خان صفوی وسلف ساختن با خود فرقِ عزتش برافراخت - اول بدیوانی صوبۂ عظیم آباد - پٹنہ مامور گردید - اما صحبتش با بزرگ امید خان ناظم پٹنہ پسر امیر الامرا شایستہ خان برنیامد - چہ بزرگ امید خان از جلالت خاندان خود دماغ برفلک داشت - ومیر از رشتۂ سلفیت پادشاہ علاوہ فضل وکمال سر بہ تبعیت ناظم فرود نمی آورد - آخر ناچاقی صحبتِ ایشان بسمع پادشاہ رسید - میر حضور طلب شد -

---

[۱] مآثر الامرا جلد ۳ صفحہ ۶۲۳ - مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء

و در سنهٔ تسع و تسعین و الف (۱۰۹۹) بخطاب موسیٰ خان و دیوان تن سرافرازی یافت - و بعد یک سال بدیوانی مجموع ممالک دکن کامیابی اندوخت سال تولدمیر سنهٔ خمسین و الف (۱۰۵۰) است و سال انتقال که در ولایت دکن اتفاق اُفتاد - سنهٔ احدی و مأته و الف (۱۱۰۱)

اول فطرت تخلص می کرد - آخر موسوی قرار داد - و خطاب خانی همبرین تخلص گرفت -

دیوانش متداول است - این چند رشحه ازان سحاب می چکد

جز یاد تو فکرِ دلِ ناشاد ندارد ⁂ این شیشهٔ مَی غیر پری زاد ندارد

نباشد آشنائی در جهان غیر از مَیِ نابم ⁂ اگر در خانهٔ خود نیستم در عالمِ آبم

تو توبه ایم کهنه شرابی بجام کن ⁂ ساقی عیار ناقصِ ما را تمام کُن

بدل افگند آتش باز زلفِ عنبرین موئی ⁂ چراغی نذر این بتخانه آورد است هندوئی

چه خوش باشد که بکشایم بروئیش چشم گریانی ⁂ کشم در رشتهٔ نظّارهٔ مروارید غلطانی

نظر بر گریهٔ مستانه ام گردوش مے کردی ⁂ شراب جلوهٔ در ساغرِ آغوش مے کردی

تیره روزم بیستی اقبال معمارِ من است ⁂ چون نگین روی زمین سرکوب دیوارِ من است

شراب با گلِ مهتاب نشئه بیش دهد ⁂ لبش ز خندهٔ دندان نما ربود مرا

با هیچ مسلمان نظرِ رحم ندارد ⁂ شمشیر نگاهِ تو مگر کار فرنگ است

اینکه از بے سخنی کُشت مرا چیزی نیست ⁂ زنده ام کرد بیک حرف قیامت این است

در قتلِ ما نکرد کمی انتظارِ تو ⁂ کوتاهیی که بود ز عمرِ دراز بود

نمی باشد نگینِ قیمتی را نقش در طالع ⁂ هنر هر کس که دارد در جهان گمنام میگردد

ندارد با بزرگان چهره گشتن صرفهٔ فطرت ⁂ که کهسار از جواب هیچ کس ملزم نمی گردد

مژدهٔ زخم نوی گر به شهیدان ندهند ⁂ بچه اُمید سر از خواب عدم بر دارند

دران صحرا کہ بودم آگہ از ذوقِ گرفتاری | غزالان را سراغِ خانۂ صیاد می دادم
ہمّتِ ما صفحۂ تقویم را یکسر نوشت | گر سیہ روزیم وقتِ عالمی از ما خوش است
در فکرِ آن دہانم و در یاد آن کمر | چون من بروزگار دگر ہیچکارہ نیست

(۷۰) راسخ - میر محمد زمان سہرندی

سہرند شہریست مشہور در وسط راہ دہلی و لاہور - نام قدیمش سہرند است چون سلاطین غزنویہ از غزنی تا سہرند متصرف بودند - سرہند زبان زدِ خلائق شد و چون صاحبقران ثانی شاہجہان کابل را تا قرابانغِ غزنی در تصرف داشت - حکم شد کہ سرہند را بنام قدیم کہ سہرند است - می نوشتہ باشند -

راسخ سید والانژاد بود و راسخ القدم جادۂ استعداد - معانی تازہ می یابد و خوبانِ خیال را در لباس رنگین جلوہ می دہد[۱] -

از عمدۂ ملازمان و مصاحبانِ شاہزادۂ محمد اعظم بن خلد مکان بود و بمنصب بخشیگری سرافرازی داشت -

وفاتش در سہرند سنہ سبع و مائۃ و الف (۱۱۰۷) واقع شد "راسخ بمرد" ۱۱۰۷ھ تاریخ است -

طوطیِ ناطقہ آہنگ کلامش ہمہ می کند

گر نبودے تاجِ بسم اللہ بائے بوتراب | کجکلاہیہا نکردے بر سرِ اُمّ الکتاب
یاد از شامِ غم بزمِ خموشان کردیم | شمعِ از سر ہمہ گر فتیم و پریشان کردیم
جامۂ صبر ببالائے جنون تنگ آمد | آنچہ از دست برآمد بہ گریبان کردیم

---

[۱] یک مثنوی راسخ سہرندی بہ حیدرآباد دکن در مطبع اختر دکن بقالبِ طبع درآمدہ است -

(۷۱) علی (شیخ ناصر علی سهرندی)

شیر نیستان سخنوری است و مرد میدان معنی گستری - ذوالفقار کلکش به تسخیر قلمرو بیان پرداخته - و تصرف طبعش آفتاب سخن را از افق غربی راجع ساخته سرخوش گوید

در ملک سخن بود جهانگیر علی — در مشرب دل ولی علی - پیر علی
با شعر علی نمی رسد شعر کسے — زانسان که خط کس بخط میر علی

گل وارستگی بر سر داشت و جام استغنا در دست - چاشنی گیر مشرب بلند بود - و متمسک سلسلۂ علیۂ نقشبند - استفاده از جناب شیخ محمد معصوم خلف الصدق مجدد قدس اللہ اسرارہا نمودہ - و در مثنوی زبان بمدح حضرت شیخ کشودہ کہ

چراغ هفت کشور خواجہ معصوم — منور از فروغش هند تا روم
ردا از ماهتاب شرع بر دوش — چو صبح از پاکی باطن قصب پوش

مولد ناصر علی و موطن و منشا سهرند است - ابتداء حال با میرزا فقیر اللہ مخاطب بہ سیف خان بدخشی چون جوہر شمشیر ملازم بود - چون سیف خان را حکومت الہ آباد از پیشگاہ خلافت مفوض گشت - در رفاقت او بگلگشت الہ آباد خرامید - و چندے بسیر مجمع البحرین دماغ را تازہ کرد -

سیف خان پسر تربیت خان بخشی سیوم صاحبقران ثانی شاهجهان و داماد اسلام خان خوستی - سفیدونی متخلص بہ والا است - در عهد خلد مکان سنہ تسع و سبعین و الف (۱۰۷۹) بہ صوبہ داری کشمیر ریاض آمالش نضارت یافت - بعد چندے بعلتے گوشۂ انزوا گرفت و در سنہ ست و ثمانین و الف (۱۰۸۶) بعنایت بحالی منصب و خطاب و خلعت خاصہ و شمشیر از تنگنای عزلت بر آمد - و پس ازان بنظم صوبہ الہ آباد ویرانی خاطرش آبادی پذیرفت - و

بیست و پنجم رمضان سنہ خمس و تسعین و الف (۱۰۹۵) پیمانۂ حیاتش لبریز گردید
سیف آباد یک منزل از سہرند آباد کردۂ سیف خان است کہ خلد مکان
او را بطریق آل طمغا عنایت نمود سیف خان جوہر قابل و قابل دوست بود۔
"راگ درپن[1]" در فن موسیقی و رقص ہندی بعبارت پارسی تالیف اوست۔

بعد از گذشتن سیف خان۔ ناصر علی در سنہ ہزار و صدم (۱۱۰۰) از سہرند
بہ بیجاپور رفت۔ و با ذو الفقار خان بن اسد خان وزیر اعظم خلد مکان
موافقت دست بہم داد۔ بلے علی بود ذو الفقارے بدست آورد و در مدح او
غزلے پرداخت کہ مطلعش این است ؎

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار ۔۔۔ نام تو در نبرد کند کار ذو الفقار

ذو الفقار خان یک زنجیر فیل و مبلغے خطیر صلہ داد[2]۔ ناصر علی ہمان ساعت ہمہ
را بر مردم پاشید۔ و تہی دست بمنزل خود بر گشت۔

و چون ذو الفقار خان در سنہ ثلث و مائۃ و الف (۱۱۰۳) بہ تسخیر ملک
کرناٹک اقصای ملک دکن متوجہ گردید۔ با او بہ کرناٹک رفت و ایامے
معدود دران نواحی بسر برد۔ و با شاہ حمید اعتقاد تمام بہم رسانید و در مدح
او می پردازد ؎

اینک اینک ساقی شیرین رسید ۔۔۔ نوبت جام حمید الدین رسید
حلقۂ درگاہ بیچون جام او ۔۔۔ از زمین تا آسمان در دام او
جام او خورشید ربانی بود ۔۔۔ انجمن افروز سبحانی بود
گر جمال او براند از نقاب ۔۔۔ روزن ہر خانہ گردد آفتاب

---

[1] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۴۸۳۔
[2] مآثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء۔

درجلالش برکشد تیغ از نیام — غیر او باقی نماند والسلام

شاه حمید مجذوب

و این شاه حمید مجذوبے بود در چنجی - بعد فوت او علی دوست خان

از رؤساء نوایت ارکات بر مرقدِ او قبۂ عالیشان بنا کرد -

و از ممدوحانِ ناصر علی شاه عادل پسر خواجه شاه مخاطب به شریف خان

است - شریف خان از سرافرازکردهای خلد مکان بود و چندے بمنصب

صدارت کل امتیاز داشت - گویند شاه عادل ترک دنیا کرده بود - و دامن دولت

فقر بدست آورده - ناصر علی در مدح او قصیدۂ دارد که مطلعش این است ؎

منم آن طفل نظر کردۂ استاد قدیم — که بود نقطۂ سهو القلم فکرِ حکیم

و با غضنفر خان ربط کلی داشت - و این غضنفر خان از رفقا ذوالفقار

خان بود و بحکومت چنجی می پرداخت - چنجی شهریست مشهور بر مسافت دوازده

کروه از ارکات و یکے از معابد سبعۂ هنود است - در مدح غضنفر خان گوید ؎

همچو بیلِ بے جگر برگ بیزد از میدانِ ما — بشنود گر کوه آوازِ غضنفر خانِ ما

آخر الامر از دکن به هندوستان عطف عنان نمود - و در شاهجهان آباد

بے نیازمندانه می گزرانید - و همین جا بیستم رمضان سنه ثمان و مائة و الف

(۱۱۰۸) بجنة الماوی خرامید - عمرش قریب شصت سال و قبرش در حوالی مرقد

سلطان المشائخ نظام الدین دهلوی قدس سره -

سید جعفر روحی رنبیرپوری نقل می کرد که روزے با جمعے از یاران بزیارت

خاکِ شیخ ناصر علی رفتیم و باهم صحبت داشتیم - یارے رو بقبر شیخ ناصر علی آورده

گفت - بارے آن قولِ شما چه شد که ؎

خاک گردیدیم و می رقصد هنوز افغانِ ما — خم شکست اما نمی ریزد می جوشانِ ما

گفتم بر زبانِ شما این افغانِ ناصر علی است که برقص درآمده - یاران تحسین کردند

صریر کلکش در گنبد خضرا پیچیده - این چند بیت بنا بر قانون کتاب بحجر بر رسیده

یک شهر چشم خوش نگهان فرش راه اوست
آنجا که سرمه گرد کند جلوه گاه اوست

بس بود یک جنبش ابروے تیغ قاتلم
می توان از سایهٔ شمشیر کردن بسملم

گوارا نیست عشقت طبع ناپرهیزگاران را
چه لذت از نشاط عید باشد روزه خواران را

دوش یک لحظه بخواب آئنهٔ یار شدم
طپش دل چه ستم کرد که بیدار شدم

خوی نازک بدل من چه ستمها که نکرد
شیشه بر شیشه زدن کار چه خارا که نکرد

قد آرا خلعتے در عالم امکان نمی باشد
دل تنگی نیاز آورده ام این جامه بیان را

خود نمائی ست گذشتن ز لباسی که تر است
در نه پیرهن از خویش چو تصویر بر آ

درین دریا نکردم لب بحرفی آشنا هرگز
چو ماهی شد نه با کم آب از شرم شکایتها

ما و تو ای پریوش در کیش هم تمامیم
گر از تو بهتری نیست از ما بتر نباشد

آشیان گم کردهٔ چون من گرفتارش مباد
سخت بے رحم است می ترسم که آزادم کند

انتقام داد خواهان قیامت شد تمام
می فشاند چشم قاتل سرمه بر سوزم هنوز

ز معنیهای بیغش بیش نتوان ساختن دل را
بود گر صد پری در شیشه باشد همچنان خالی

چشم بر بند اگرت طلبی رزق حلال
مرغ بسمل خورش باز نظر دوخته است

بود دنیا و دین پشت و رخ آئینهٔ هستی
بزرگ آید وجود خویشتن در چشم شاهان را

نشاط این جهان هر چند کمتر سیر حاصل تر
بطفلان عید روز جمعه آهے بود وافسوسے

خشم اهل کرم از لطف بخیلان بهتر
تشنه را آتش یاقوت به از آب بقاست

کلاه سلطنت خسروان شکست نداشت
نمی زدند اگر پشت پا فقیرانش

سرمه آه از صدای کاروان وحشت است
ناقهٔ ما بسته از چشم غزالان زنگها

(۷۲) وحید میرزا محمد طاهر قزوینی

یگانهٔ عصر بود - و در فنون علوم و نظم و نثر گرو از همعصران می برد -

الحق درایجاد مضامین تازه و ابداع مدعا مثل بے نظیر افتاده و آن قدر دوشیزگانِ معانی کہ از صلب طبیعتش زاده - دیگر حرف آفرینان را کم دست بہم داده - میر صیدی طہرانی گوید ؎

صیدی امروز نور چشم کمال　　میرزا طاہر وحید من است

ونیز می گوید ؎

صیدی امروز سخن سنج وحید است وحید　　فرصتش باد کہ سرخیل ہنر کوشان است

ابتداء حال بتحریر دفترے از دفاتر توجیہ نویسی شاه عباس ثانی صفوی کہ در سنہ اثنتین وخمسین و الف (۱۰۵۲) برتخت فرمانروائی برآمد - مامور بود - وبنا بر فرط سلیقہ اعتماد الدّولہ سارو تقی کہ وزیر اعظم شاه بود بہ پیشدستی خود نواخت - وچون اعتماد الدّولہ بقتل رسید و منصب وزارت بر سید علاء الدّین مشہور بہ خلیفہ سلطان قرار یافت - میرزا طاہر را عہدۂ پیشدستی بحال ماند - ورفتہ رفتہ بہ مجلس نویسی شاه کہ عبارت از وقائع نگاری کل باشد سربلند گردید -

ودر عہد شاه سلیمان کہ در سنہ سبع وسبعین و الف (۱۰۷۷) بر مسند دارائی نشست نیز چندگاه دران کار مستقل بود و بکمال تقرب اختصاص داشت آخرالامر بوالا پایۂ وزارت متصاعد گشت -

ودر آغاز عہد سلطان حسین میرزا کہ در سنہ خمس ومائۃ و الف (۱۱۰۵) جلوس نمود مورد عتاب گردید - تا آنکہ از کدورت ہستی وارست ورخت سفر ازین عنبرکده بعالم دیگر بربست -

دو مثنوی دارد - یکے مقابل مخزن اسرار، مطلعش این است ؎

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم　　ہست نہالے ز ریاض قدیم

ودیگرے نازونیاز، مطلعش این است ؎

خدایا سینهٔ بے سوز دارم   دلے ہمچون چراغ روز دارم

و درین مثنوی گوید در مدح شاه عباس ثانی

چنان آباد شد از وے زمانه   که چون شانِ عسل پر شد ز خانه

دیوان غزل قریب سی ہزار بیت از و بنظر در آمد تا کجا کسے بنظر تامل ملاحظه کند- بمطالعهٔ سرسری چند بیت برچیده شده

نورِ معشوق ازل در دلم از یار افتاد   عکس خورشید ز آئینه بدیوار افتاد

مرا ز صحبت بجاہل چه باک مے باشد   که در دہانِ نجس حرف پاک مے باشد

چو می بینم بدی از خصم خود در مہر می کوشم   ز آب سرد دائم چون سفالِ گرم می جوشم

می کشد ہر کس بدامن پا بجائے می رسد   جمع سازد مرغ در پرواز پای خویش را

ناقصان را جور می باشد گوارا تر ز لطف   آتش سوزان به از آب است خشتِ خام را

دزد وقت ساعت آخر خود بخود رسوا شود   یافتم از ناله در زلفش دلِ دزدیده را

سیم و زر دنیا پرستان را منافق می کند   پشت و رو باشد یکے آئینهٔ بے سیم را

دل اگر می‌گویم از طفلی نمی دانی که چیست   آنچه روز اول از ما برده آن را بده

چارهٔ نبود شکستِ توبه را جز انفعال   از گداز خویش باشد مومیائی شیشه را

آگر کسے از ناخوشی زادهٔ خود نیست   از تلخی گفتار خبر نیست زبان را

بر میوهٔ رسیده زدن سنگ ابلهی است   زنہار از سوال مرنجان کریم را

دائم برہنه ہمچو قلم راه مے رود   باشد اگرچه کفشِ طلا تیره بخت را

چون کاغذ عشقی ز جمالِ تو نگاهم   ہر چند که شوید عرق شرم تو خواناست

در اثر بیش است سالک گر بظاہر در قفاست   نقش پای اسپ ہموار است بیش از جای دست

مرا به رنجشِ خوبان خود مضایقه نیست   کسے اگر بتو گوید چرا چه خواہی گفت

چون نمیرم یار می گویند عاشق می کشد   من نه تنہا عاشقم ہر دوست خود ہم عاشق است

بود خاصیتِ آبِ بقا خوے ملایم را کہ از دندان زبان را زندگانی بیشتر باشد

بشاہان می رسد از زیر دستان فیضِ پنہانی بنای خانہ را از خشتِ زیرین محکمی باشد

اگر خواہی ز عمرِ خود حلاوت تن بسختی دہ ثمر را وقتِ شیرینی چو آید استخوان گیرد

چو دولت یافتی خوی بدت فرمان روا گردد کہ در وقتِ سواری دستِ چپ صاحب عنان باشد

بزر پاشی بود مشہور خورشیدِ جہان آرا زرِ پاشیدہ را پیوستہ در دامانِ خود دارد

تواند نفس ظالم از گداز خویش عادل شد کہ چون شمشیر سوزن گشت کارش دوختن باشد

عیب خود نسبت بعاجز می دہد فرمان روا بار چون افتد مکاری چوب بر استر زند

گر کند اقبال ما را کامیابِ انتقام از تغافل ہمتم خون در دلِ فرصت کند

در وصل دلم وا نشود بسکہ ضعیفم از رشتۂ باریک گرہ دیر کشاید

توان کردن بنرمی کارہاے سخت گیران را کہ از قفل آنچہ می آید ز مہرِ موم می آید

بدرویشان چو آمیزی پسندِ حق توانی شد کہ چون با ریسمان آویخت ابریشم نمازی شد

با اعتبار جنگ ندارد تلاشِ فقر زربفت باش و پارۂ دلقِ فقیر باش

غلط مکن چو پسر گشت گرمِ فکرِ بلند کہ باز گشت نباشد فتادہ را از بام

نباہم در شمار آ تا بسانِ رشتۂ گوہر درشتان را بنرمی آشنای یکدگر سازم

شاعران جان از برای شعرِ ثوبان می کنند دخترِ ہر کس وجیہ افتاد مفت شوہر است

درین شعر طرفہ مشہورے واقع شدہ۔ امثال این مضمون ہر چند بلند و نازک باشد بستن و در زبان حرف گیران افتادن چرا۔

مثل عمق بخاری کہ خود را بکہ تشبیہ می دہد و می گوید ؎

بخونِ من شدہ مژگانِ او حریص چنان کہ شیعیانِ حسین علی بخونِ یزید

شیخ سعدی شیرازی کہ خود را در چہ محل فرود می آرد ؎

بزیرِ بارِ تو سعدی چو خر بگل درماند دلت نسوخت کہ بیچارہ زیرِ بار من است

و عرفی شیرازی که دہانِ خود را بچہ می آلاید ؎

شاہدِ عصمت۔ تلاشِ صحبت من کے کند　　خونِ حیضِ دخترِ رز چو نشد از لبہاے من

و مُلّا ملک قمی که خود را بچہ حوالہ می کند ؎

تا چند بو الفضول زند لاف دوستی　　دادِ ادب دہید و ملک را کتک[1] زنید

و نعمت خان عالی کہ از چہ مقام حرف می زند ؎

بیا کہ شیشۂ می در سجود جام شدہ است　　ببین کہ خانۂ ما مسجد الحرام شدہ است

(۷۳) عالی میرزا محمد شیرازی

حاوی فنونِ وافر بود و جامعِ علوم متکاثرہ۔ اسلاف او در شیراز بشیوۂ طبابت مشہور بودہ اند۔

پدرش حکیم فتح الدین عم حکیم محسن خان است کہ در ہندوستان با شاہ عالم در وقت شاہزادگی مصاحبتے بہم رسانید۔ و پسرش حکیم حاذق خان در سال آخر عالمگیری بخطاب حکیم الملک امتیاز یافت و در عہد محمد شاہ بہ منصب پنجہزاری و خطاب حکیم الملوک و کمال تقرب محسود اقران گشت حکیم فتح الدین نیز بہ ہند آمدہ

گویند میرزا محمد در ہند متولد شد۔ و در صغر سن ہمراہ پدر بشیراز رفت و کسب کمال نمودہ برگشت۔ و در خدمت مُلّا شفیعای یزدی مخاطب بہ دانشمند خان نیز تلمذ نمود۔

و در سلک نوکران خلد مکان امتیاز یافت و چون شہر حیدر آباد فتح شد۔ تاریخ فتح از نظر شاہی گزرانید۔ و بمرحمت خلعت سرافراز گردید۔ تاریخ این است ؎

---

[1] چوب دست قلندران (فرہنگ رشیدی صفحہ ۱۲۹)۔

از نصرتِ پادشاہ غازی | گردید دلِ جہانیاں شاد
آمد بقلم حساب تاریخ | شد فتح بجنگ حیدرآباد ۱۰۹۷ھ

و در سنہ اربع و مأتہ والف (۱۱۰۴) بخطاب نعمت خان و داروغگی باورچی خانہ نعمت فراوان اندوخت و "شکر نعمتِ واجب واجب" تاریخ یافت

و در اواخر عہد خلد مکان بخطاب مقرب خان و داروغگی جواہر خانہ نگینِ دولت بدست آورد

و چوں محمد اعظم شاہ بعد از انتقال خلد مکان بہ ارادۂ مقابلت شاہ عالم از دکن نہضت ہند نمود۔ میرزا محمد عالی ملازم رکاب بود۔ و چون محمد اعظم شاہ در وقت قرب فئتین بنگاہ را در گوالیار گزاشت۔ میرزا محمد برائے محافظت جواہر خانہ در گوالیار ماند

و بعد کشتہ شدن محمد اعظم شاہ و ظفر یافتن شاہ عالم۔ میرزا محمد نعمت ملازمت شاہ عالم دریافت و بخطاب دانشمند خان سرمایۂ مباہات اندوخت و بتحریر شاہ نامہ مامور گردید۔ لیکن اجل فرصت نداد کہ آن نسخہ را باتمام رساند و قلم قضا پیشدستی نمودہ در سنہ احدی و عشرین و مأتہ والف (۱۱۲۱) نسخۂ حیاتش باتمام رسانید۔[1]

میرزا محمد در نظم و نثر قدرت عالی دارد خصوص در وادی نثر طلسم حیرت مے بندد۔

دیوان[2] محتوی بر قصائد و غزلیات و مثنوی مسمے بہ "سخن عالی"، و منشآت او بنظر درآمدہ

[1] در دائرہ میر مومن واقع حیدرآباد دکن مدفون شد۔ (گلزار آصفیہ صفحہ ۱۲، مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۶ھ)

[2] کلیات نعمت خان عالی بسیار نایاب خوشخط بکتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن موجود است۔

در دیباچه دیوان خود می نگارد که:-

"در بدایت حال به مناسبت شغل طبابت که سمت موروثی بود حکیم تخلص می"
"نمودم۔ آخر تصحیف چکنم اختیار تخلص حکیم را مانع شد و بفرمودۂ اُستادے"
"نواب دانشمند خان عالی تخلص کردم"

این چند بیت از دیوانش ملتقط گردید

نخواهد کرد ترکِ بت پرستیها دلِ زارم
که چون سنگِ سلیمانی ست مادرزاد زنّارم

موج آبی چو رسد دانه ثمر ساز شود
ناخن اینجا شکند تا گرہے باز شود

می کند باز این دلِ شوریده آزارِ خودش
من چرا منقش کنم او داند و کارِ خودش

نگذارد بحرف گریه مرا
کاغذِ آب دیده را مانم

رشتۂ حیاتم را همچو رشتۂ تسبیح
صد گره بکار افتاد تا بیار پیوستم

نقش پائی او بهر گامے کند جان در تنم
خاک راه دوست گشتن آبِ حیوانِ من است

یار را در بر گرفتن کے فراموشم شود
کے رود از یاد کس چیزیکه از بر می کنند

گفتی اگر قرار بگیری رسی بکام
باری ازین قرار به بینم چه می شود

دین و دلے که داشتم از دست من کشید
در من نماند جز نفس آن هم کشیدنی ست

دریا دلی کن و زکه و چه چیز مباش
خواهد همیشه مرتبۂ آشنا بلند

سیر باغی که بود بیتو کم از ماتم نیست
می کند سایۂ هر نخل سیاه پوش مرا

کشتِ امید مرا نشو و نما معکوس شد
رو بپائین می کشد قد همچو باران دانه ام

به بزم وصل او کاش اینقدر هم می شدم محرم
که چون آئینه حرفی از پس دیوار می گفتم

کوکب سوخته میکرد گر اندک مددے
همچو آتش به دلِ سنگ تو جا می کردم

بجای نامه شمع روشنی دادیم قاصد را
که طومار یست شرح سوز و پیغام زبانی هم

از عصای خویش طفلی را جنیبت می کشم
از رکابش دور وقتِ نیسواری نیستم

کاملان را همه سرگشتگی از دستِ خود است | حاجتِ گردشِ پرکار نشد مانی را
خود ناتوان ولے هنرآموز مردم اند | پیران قد خمیده کمانِ کباده اند
حرف بجا زکس نشنیدم ز اہلِ ہند | غیر از کسے کہ گفت بمطرب بجا بجا

(۴۷) خالص - سید حسین

مخاطب به امتیاز خان صفاهانی خلف میرزا باقر وزیر قورچی - حاجی الحرمین الشریفین بود -

بعد ورود ہندوستان در دکن - خلد مکان را ملازمت کرده در سلک ملازمان سلطانی منتظم گردید - و بدیوانی صوبۂ عظیم آباد پټنه و خطاب امتیاز خان امتیاز یافت - و ثروت عظیمے بهم رسانید -

و در عهد شاه عالم عازم دیار ایران شد - و در بلده بھکر رسیده با علامۂ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی برخورد و صحبتها داشت

امتیاز خان اموال لکوک از نقود و جواهر و امتعه با خود می برد - خدا یار خان[1] مرزبان سنده چشم طمع بر اموال او دوخت - علامۂ مرحوم برین معنی اطلاع یافته - هر چند مبالغه کرد که پیشتر نباید رفت - و از همین جا عطف عنان باید نمود - گوش نکرد و سر بکف بجولانگاه قاتل روان شد - چون بسیوستان رسید میر محمد اشرف خویش علامۂ مرحوم نائب خدمات سیوستان استقبال کرده در حویلی خود فرود آورد - خدا یار خان میر محمد اشرف را بتقریبے در خدا آباد طلبید - و کسان خود را فرستاد تا شبے کار امتیاز خان تمام کردند - و این حادثه در سنه اثنین و عشرین و مائة و الف (۱۱۲۲) واقع شد - علامۂ مرحوم «آه آه امتیاز خان»
۱۱۲۲ھ

[1] مآثر الامرا جلد ا صفحه ۸۲۵ تذکرۂ خدا یار خان -

تاریخ یافتہ اند۔

دیوانش مطالعہ افتاد۔ صاف گوست۔ تلاشہا ہم دارد این چند بیت بزبان قلم ودیعت می شود۔

باوطن دائم بخاکِ کربلا می خواستیم — رشتۂ تسبیح زو گوئے کہ ماے خواستیم

بسائل آنچہ برآید ترا ز دست بده — نگاہدار زبان را و ہرچہ ہست بده

رسید فصل بہار و زمانہ گلچین است — سپند آتش می شو چہ وقت تمکین است

تیرہ روزی مانعِ عرضِ کمالاتِ دل است — روز چون شب می شود آئینہ فرد باطل است

نیست تقصیرِ کسے گر ما بہ بند افتادہ ایم — از جنونِ دوریِ خود در کمند افتادہ ایم

حق القدم گرفت گہرہاے نیمرو — پای کسے کہ آبلہ زد در سراغ ما

تو تا از دیدہ رفتی ما نمی بینیم خود را ہم — جدائی از تو چون آئینہ تنہا می کند ما را

تا نخوانند مثنو سبز بہار انجمنے — کہ نباشد بہ چمن قدرِ گلِ خود رو را

بگوئیش قاصدی میرفت بیدردان زنادانی — ہمہ مکتوب می دادند من دادم دلِ خود را

دلبرِ من سکہ دارد پشت چشم نازکے — دیدہ گر برہم گذارد بازمے بیند مرا

ای کاش ہمچو رشتۂ تسبیح تار عمر — در کربلا گسستہ شود گر گسستنی است

باخستگی کہ لازمِ اربابِ دولت است — دشنام می دہد بسائل غنیمت است

نیست بے لطفی جواب نامہ گر ننوشت دوست — از زبانِ خامہ ما را یاد نتوانست کرد

دیوانہ براہے رود طفل براہے — یاران مگر این شہر شما سنگ ندارد

ہمت ہرکس بقدرِ وسعتِ احوال اوست — آب چندین چشمہ از یک چشمۂ پل می رود

لطفِ حق را کرد بر ما ظلمتِ عصیان غضب — آب دریا را شبِ تاریک آتش مے کند

نمی خواہم بغیر از من کسے از وی نشان یابد — چو برگردد الٰہی قاصدِ من بے خبر باشد

ساقی بیا کہ فصلِ خزان زود مے رسد — ای می تو ہم برس کہ سفر مے کند بہار

جنا غی راکہ با اغیار من دلخواہ می بندی — اگر منظور دل بُردن بود من ہم دلی دارم

کار نظارہ بعینک چو فتد چشم بپوش — سر پیرت کہ دگر شیشہ بخود بند مکن

(۵۷) باذلؔ رفیع خان مشہدی

نسبش بخواجہ شمس الدین صاحب دیوان می پیوند۔ و عمش میرزا محمد طاہر وزیر خان۔ در عہد صاحبقران ثانی شاہ جہان از مشہد مقدس۔ بہ ہند رسیدہ نوکری شاہزادہ اورنگ زیب عالمگیر برگزید۔ بعد جلوس عالمگیری بصوبہ داری برہان پور و اکبر آباد و مالوا بنوبت سربلند گردید۔ و در حکومت مالوا سنہ ثلث وثمانین والف (۱۰۸۳) حیات مستعار را وداع نمود۔

و عم دیگرش میرزا جعفر سروقد در مشہد مقدس مدرسۂ عالی دارد۔ نورالدین محمد خان و فخر الدین محمد خان و کفایت خان پسران میرزا جعفر سروقد بہ ہند آمدند۔ و بخطابات و خدمات پادشاہی ممتاز بودند۔[لہ]

اولین دیوان برہان پور شد و در اورنگ آباد سنہ ست و عشرین ومأتہ والف (۱۱۲۶) بساط ہستی در نوردید۔ از اشعار اوست ؎

شد صرفۂ ما تا تو شکستی دل ما را — ہر پارۂ این آینہ عکسے زتو دارد

دومین خانسامان شاہزادہ محمد معز الدین بن شاہ عالم بود۔ آخر داروغۂ بیوتات کشمیر شد و ہمانجا در سنہ تسع وثلثین ومأتہ والف (۱۱۳۹) درگذشت۔

میرزا محمود پدر رفیع خان باذل نیز بہ ہند آمد محمود پورہ واقع اورنگ آباد و محمود پورہ واقع برہان پور بنام اوست۔ و قبرش در محمود پورۂ برہان پور است۔

لہ ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۹۴۰ مطبوعہ کلکتہ۔

مولدش قبیع خان باذل دار الخلافه شاہجہان آباد۔ از مختصان دامن دولت عالمگیری بود و بحکومت سرکار بانس بریلی سرفرازے داشت۔

وفاتش در سنہ ثلث وعشرین و مآتہ والف (۱۱۲۳) اتفاق افتاد۔

خیلے قوت بیانے دارد۔ و بہ اقتضاء تخلص خود فراوان جواہر زواہر بذل و ایثار می نماید۔ حملۂ حیدری او قریب نو ہزار بیت مشہور عالم است۔

نقشے از کلامش در نگین صفحہ می نشیند ؎

نگردد طور جای نقش پا معراج احمد را	ید بیضا بزک داری کند نور محمد را
کمر در کار امت تنگ بستن اینچنیں باید	بہ بین در نام او گنجیدن میم مشدد را
امشب چو شمع ریخت زہر تار موے ما	ہر گریہ کہ بود گرہ در گلوئے ما
ما مست جام غبغب و مینائے گردنیم	بر دوش مے کشند نکویان سبوی ما

(۷۶) اثر شفیعائی شیرازی

سخن سازِ افسون طراز است۔ پدرش از مردم پر شگفت بود کہ موضعیست از اعمال شیراز۔

مولد و منشاء شفیعا شیراز است۔ در خورد سالی چشمش از آبلہ بے نور گردید اما چراغ بصیرتش روشنی کامل داشت۔ اکثر در شیراز بسر می برد۔ و باصفہان ہم رفتہ۔ با مستعدان آنجا صحبت داشت۔

کسانیکہ او را دیدہ اند می گویند کہ بسیار کریہ منظر بود اما ہر گاہ در نطق مے آمد جلیسان را شیفتۂ حسن کلام می ساخت

فوتش بعد عشرین و مآتہ والف (۱۱۲۰) واقع شد این چند بیت از دیوانش بعجلت تمام التقاط یافت ؎

رشتهٔ طولِ امل تار و جهان طنبور است — چه قدر بر سرِ این کاسهٔ خالی شور است

ز آبِ گلستان آموختم شوقم جانفشانی را — بپای نونهالان صرف کردم زندگانی را

خط کرد ظاهر آن دهن غنچه رنگ را — درکار بود حاشیه این متنِ تنگ را

ز خلوت خانهٔ خود گوشهٔ درویش محزون را — چنان باشد که گیرد پادشاهی ربع مسکون را

بد عمل را دائم از نقصانِ مردم راحت است — سنگ کم وزنِ ترازو را انگبین دولت است

چون آن شعرے که انداز ند کج طبعان به تقطیعش — ز موزونی جدائی بود حاصل عضو عضوم را

دوستان را کسوتِ تجرید مے پوشد خدا — شاه می بخشد بخاصان خلعتِ پوشیده را

نشان دحق شناسان را مقید زیورِ دنیا — ز انگشتِ شهادت دست کوتاه است خاتم را

اثر آخر بزلفِ پرفنِ او نقدِ جان دادم — امانتدار خود کردم زنادانی پریشان را

(۷۷) سرخوش - محمد افضل

از مردم سرکار عبد الله خان زخمی شاهجهانی بود - می فروش مصطبهٔ معانی است و قدح گردانِ انجمن سخن دانی - عمرها در کوچهٔ شاعری شتافت - و صحبت جمعے از صاحب طبعان عصر خود دریافت - چنانچه از "کلمات الشعرا"[1] که تالیف اوست سمت وضوح می یابد -

شاگرد محمد علی ماهر و موسوی خان فطرت است - و از یاران شیخ ناصر علی و در مدح او می گوید ؎

باشعر علی نمے رسد شعر کسے — زان سان که خط کس بخط امیر علی

---

[1] نسخ متعدده از کلمات الشعرا در کتب خانهٔ آصفیه حیدر آباد دکن موجود است و یکے از آنها نسخهٔ کتب خانهٔ سراج الدین علی خان آرزو ست که بسیار خوشخط است و اشاعت کننده این کتاب (محمد عبد الله خان) عزم بالجزم دارد که این نسخهٔ گرانمایه را بطبع رسانیده اشاعت دهد - ایزد کارساز توفیق رفیق گرداناد -

شخصے در مجلسے گفت کہ تعدیہ رسد بکلمۂ با مسموع نیست۔ فقیر شاہدے از کلام میرزا محمد قلی سلیم طہرانی گذارش نمود۔

بالطف ساعدت ید بیضائی رسد | پیش لبت سخن بہ مسیحائی رسد

او آخر عمر در دار الخلافہ شاہجہان آباد پا در گوشۂ قناعت شکست و بہ تزوج و تاہل پرداخت۔

ولادت او در سنہ خمسین والف (۱۰۵۰) واقع شد۔ عمری دراز یافت و در عشرۂ ثالث بعد مائۃ والف (۱۱۰۰) بخلوت کدۂ خموشان شتافت

جام[1] کلامش بگردش می آید ؎

زمین و آسمان در میکشی فرمانبرت گردد | سرت چون گردد از مستی جہان گرد سرگردد
نظر بر گل شبنم زدہ افتاد مرا | آمد از زخم نمک سود جگر یاد مرا
کار چون با ناقص افتد دست بردار از کمال | ہمزبان لال را ناچار باید گشت لال
تعزیہ ہم بقدر بزرگی مقرر است | از اسپ تازیانۂ انسان کلان تر است
ز دست و بازوئی بسمل تو دانستم | کہ بعد کشتہ شدن ہم تلاشہا باقی است
در عدم ہم ز عشق شورے ہست | گل گریبان دریدہ می آید
از خوشۂ انگور عیان شد کہ درین باغ | شیرازۂ جمعیت دلہا رگ تاک است
ہموار ز کس نہ بینم آزار | نتوان کف دست خود گزیدن

(۷۸) طاہر۔ التفات خان نقدہ صفاہانی

نام اصلی او میرزا محمد طاہر است۔ از سلسلۂ میرزایان دفتر سلاطین صفویہ بود۔ مشارٌالیہ و برادرش میرزا محمد علی در عہد خلد مکان از صفاہان

[1] دیوان سرخوش در کلکتہ بمطابع طبع در آمدہ۔

بہ دکن رسیدند۔ و با مخلص خان ربطی بہم رسانیدہ بتوجہ او ملازمت پادشاہ حاصل کردند۔ و بمنصبے کامیاب گشتند

نخستین بخطاب التفات خان و دومین بخطاب ملتفت خان مورد التفات گردید۔

التفات خان در عصر خلد مکان فوجدار بیر از مضافات اورنگ آباد بود۔ و در عہد شاہ عالم فوجدار گودرا از توابع گجرات احمد آباد شد و در زمان محمد فرخ سیر بہ فوجداری ماندو و مندسور از ملحقات صوبۂ مالوا می پرداخت۔

چون امیر الامرا سید حسین علی خان بدکن رسید۔ خود را بخدمت امیر الامرا رسانید۔ و مشمول الطاف گردید۔

آخر صحبت برہم بر خورد تا آنکہ بر متوجہ دار الخلافہ شاہجہان آباد گشت و در نواحی کھرکون رسیدہ در سنہ تسع و عشرین و مآتہ و الف (۱۱۲۹) بر دست قطاع الطریق رشتۂ حیاتش انقطاع یافت۔

ذکی الطبع بود و نثر مستعدانہ می نوشت۔ و بمثابۂ قدرت داشت کہ سہ کاتب در حضور او با اسباب کتابت می نشستند۔ ہر سہ را عبارت خود می فرمود۔ و فقرۂ لاحق برائی ہر کدام بے تامل می گفت و ربط کلام از دست نمی داد۔ و باوصف آن خود ہم دران حالت مشغول کتابت می بود۔

از التفات خان است ؎

مکن گویا بعرض مدعا یارب زبانم را | بہ بند از موی چینی تار قانون فغانم را
شہید بیکسم پوشیدہ ام بعد از فنای خود | برنگ مردۂ فیروزہ نیلی در عزاے خود
شہرت حسن تو شد از کشتۂ دیدار تو | از نسیم بال بلبل بشگفد گلزار تو

(۷۹) غبار۔ میرزا ابو تراب

پسر التفات خان۔ خوش ذہن بود۔ و شعر خوب می گفت۔

جعفر عاشق تخلص درہجو غبار قصیدۂ پرداخت۔ غبار باین رباعی جواب ادا کرد۔

گویند کہ ہجو کرد ما را جعفر شیرین و لطیف ہمچو شیر و شکر
صد شکر کہ آنچہ عیب ما بود غبار امروز برای دیگرے گشتہ ہنر

(۸۰) واضح میرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادت خان

از دودمان امارت است۔ جدش میر محمد باقر از نجباء بلدۂ ساوہ و دامادی او بمیرزا جعفر آصف خان علاوہ بود۔ در عہد جہانگیری بمنصب میر بخشیگری دم مباہات می زد۔ و در زمان جلوس شاہ جہان بوالا پایۂ وزارت مترقی گشت و بفرصت قلیل بہ ایالت دکن و خطاب خان اعظم فوز عظیم اندوخت۔ و بتفرق بہ صوبہ داری گجرات و بنگالہ و کشمیر و الہ آباد مامور گردید۔ و ہیچ وقت بیکار نماند۔ آخر پادشاہ او را مجاز کرد کہ حکومت ہر صوبہ کہ خواہد برای خود اختیار کند۔ او فوجداری دار الخیور جونپور برگزید و در ایام حکومت آنجا موافق سنہ ثمان و خمسین و الف (۱۰۵۸) مرحلۂ آخرت پیمود و دختر او باشاہ شجاع منسوب بود۔

و سلطان زین الدین بن شاہ شجاع از بطن آن عفیفہ متولد شد۔ پسر خوردش میر اسحٰق ارادت خان در عصر خلد مکان بعد از فتح دارا شکوہ بحکومت صوبۂ اودھ مامور گشت و در ہمان سال ازین دار ملال درگذشت

پسر او میرزا مبارک اللہ واضح از درگاہ خلد مکان بخطاب موروثی ارادت خان[1] مامور گردید۔ و در سنہ مائۃ و الف (۱۱۰۰) بفوجداری چاکنہ و در سنہ ثمان و مائۃ و الف (۱۱۰۸) بفوجداری نواحی اورنگ آباد و بعد از آن بقلعہ داری گلبرگہ منصوب گشت۔

---

[1] مآثر الامرا جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۶ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۸ء تذکرۂ ارادت خان۔

و در عصر شاه عالم به منصب چهار هزاری امتیاز یافت - و در عهد محمد فرخ سیر سنه ثمان و عشرین و مائة و الف (۱۱۲۸) ودیعت حیات سپرد -

دیوان واضح بنظر در آمد - چند غزل بخط واضح بر هوامشش این نسخه ثبت بود - قصائد و غزلیات و رباعیات و مثنوی متعدد دارد -

این چند گل از آن چمن چیده شد

عارف از و پُر است ولی او نمے شود   آئینه رونما شود و رو نمے شود

زمقراضِ فنا نور است شمعِ زندگانی را   بود آبِ دمِ شمشیر صندل سرگرانی را

چه اُلفت است بزلفِ تو بیقراران را   بلی سیاه پسند است سوگواران را

موجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا   در طپیدن رفت از کف دامنِ قاتل مرا

در عالمِ دل باختنِ خویش رواج است   عمریست که ویرانهٔ ما وقفِ خراج است

بجیبِ صبح ز خورشید گلفشانیها ست   بجامِ پیریِ ما بادهٔ جوانیها ست

براهِ او چه در بازیم فی دیےنه دُنیائے   دلے داریم و اندوہے سری داریم و سودائے

واضح بہ ہیچ راه دلم وا نمے شود   این قفل زنگ بست شکستن کلید اوست

بر مرادِ دلِ خود بال زدن نقصان است   وقت آن خوش که مرا در قفس انداخته است

دست فرسودِ نگه طلعتِ خورشید نشد   حسنِ بے ساخته از فیض نگهبان دارد

گرچه آزادم ولی جانم فدائے دیگریست   گرد سر گردانده صیادے مرا سر داده است

رشک فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب   یافت یک پیرهن هستی و آن هم کفن است

بجُو دشدم آفت بینائے اوب بود   ساقی کرم افزود که در نشه کمی کرد

رفتنیهائے جهان قابلِ دل بستن نیست   این قدر بس که دمی خاطرِ خود شاد کنند

گلهٔ صاف به از عفو غبار آلود است   هست دوزخ گنهی که بمدارا بخشند

بهار وقف صبا - گل بکام گلچین باد   که ما به کنج قفس طرحِ آشیان کردیم

بکاغذ اخگری پیچیده ام یعنی دلِ خود را   مبادا گریہ بر حالم کنی ای نامہ بر رحمے

رباعی

در گنجفۂ دہر شہانِ عالم   درصنفِ رعیت اندنے بیش و نہ کم
حکمے دارند زان جہاندار شدند   چون حکم نماند گشت بازی برہم

(۸۱) بیدل میرزا عبدالقادر عظیم آبادی

عمدۂ سخن طرازان۔ و شہرۂ سحر پردازان است۔ در اقسام نظم پایۂ بلند و در اسالیب نثر رتبۂ ارجمند دارد۔ طبع درّاکش چہ قدر معانی تازہ بہم رساندہ۔ و چہ ثمرہای نورس کہ از نہال قلم افشاندہ۔ خلاصۂ کلامش شراب میخانۂ ہوشیاران۔ و طلاے دستمائیۂ کامل عیاران است از آغاز شعور تا دم آخر چشم بر سیمای معنی دوختہ۔ و چراغ عجیبے بر مزار خود افروختہ۔

از نژاد قوم برلاس است۔ در بلدۂ عظیم آباد پتنہ از نہانخانۂ عدم بشہرستان وجود خرامید و در ہندوستان نشو و نما یافت

در مبدء حال نوکر شاہزادہ محمد اعظم بن خلد مکان بود۔ و بمنصبے امتیاز داشت یکے از مقربان تعریف میرزا بسمع شاہزادہ رسانید۔ شاہزادہ فرمود۔ قصیدۂ در مدح ما انشا کنند تا رتبۂ استعدادش دریافتہ باضافۂ منصب و تقرب سرافراز فرمائیم این خبر بمیرزا رسانیدند فی الفور دل از نوکری برداشت۔ ہرچند یاران مقید شدند کہ قصیدہ در مدح شاہزادہ توان گفت۔ سر انکار باز زد و نوکری را ترک دادہ در دارالخلافہ شاہجہان آباد گوشۂ انزوا گرفت و بقیہ زندگانی بعنوان فقر و توکل بسر آورد۔

حق تعالیٰ اورا اعتبار و اشتہار ارزانی فرمود۔ امرا و ارکان سلطنت ہمہ

آرزوی ملاقات داشتند و اعزاز و اکرام فوق الحد بجا می آوردند سیما نواب شکراللہ خان کہ خود با جمیع اہل بیت محو اعتقاد میرزا بود و میرزا نیز مخلص خاص این خاندان است۔

نواب شکراللہ خان از سادات خواف است و داماد عاقل خان رازی و از پیشگاہ خلد مکان بحکومت سہرند و سہارنپور و میوات سرفرازی داشت آخر در میوات سنہ ثمان و مائة و الف (۱۱۰۸) از منصب حیات مستعفی گشت میر لطف اللہ شکراللہ خان پسر اوست کہ بخطاب پدر مخاطب گردید و خلف دیگرش میر عنایت اللہ شاکر خان۔ و دیگرے میر کرم اللہ عاقل خان۔

نواب نظام الملک آصف جاہ طاب ثراہ در شعر خود را شاگرد میرزا (بیدل) می گرفت۔ در منشآت میرزا چند رقعہ کہ بنام چین قلیج خان است عبارت از نواب آصف جاہ باشد کہ خطاب قدیم اوست۔ ہرگاہ میرزا بدولت خانۂ نواب می رفت استقبال و مشایعت میکرد۔ و بر مسند خود می نشاند۔

و میرزا را با امیر الامرا سید حسین علی خان نیز ربط تام بود در ایامی کہ امیر الامرا بنظم ممالک دکن می پرداخت۔ میرزا این دو بیت از شاہجہان آباد بہ امیر الامرا نوشت ؎

ای نشۂ پیمانۂ قدرت بچہ کاری ہستی اثری یا سپہٖ تاراج خماری

می در قدحی گل بسری جام بدستی رنگ چمنی موج گلی جوش بہاری

لیکن بعد برہم زدن محمد فرخ سیر تاریخ طبع زاد میرزا کہ ؏

"سادات بوی نمک حرامی کردند"
۱۱۳۱

شہرت گرفت۔ میرزا متوہم شدہ از دہلی حرکت جانب لاہور کرد۔ عبدالصمد خان ناظم لاہور بتعظیم و تکریم تمام پیش آمد و خدمات شایستہ بتقدیم رسانید۔

وچون دولتِ سادات عنقریب برہم خورد۔ میرزا در ہمان ایام بہ شاہجہان آباد معاودت نمود۔ وسیوم ماہ صفر سنہ ثلث وثلثین ومآتہ والف (۱۱۳۳) رخت بعالم باقی کشید۔ و در صحن خانۂ خود مدفون گردید۔

میرزا معنی آفرین بے نظیر است اما عبارت بطور خود دارد و بطور جمہور نیز فراوان جواہر سخن در رشتۂ نطق کشید۔ اگر کلیاتش را انتخاب زنند مجموعۂ لطیف مقبول حاصل می شود و خطِ نسخ بر نسخۂ سحر سامری می کشد۔ چنانچہ درین عدالت گاہ شہود عدل حاضر است۔

وازبس قوت طبع گاہے بادپای فکر تندمی تازد و بطور مُلّا ظہوری ترشیزی دریک زمین مکرر طرح غزل می اندازد۔

و میرزا را بحر کامل مرغوب اُفتادہ و درین بحر شنائی کردہ میر عطاء اللہ صاحب رسالۂ عروض گوید بعضے متاخرین شعراء عجم بر کامل مثمن شعر گفتہ اند۔ خالی از عذوبتی نیست چنانچہ خواجہ کمال الدّین سلمان ساوجی فرماید ؎

بصنوبرِ قدِ دلکشش اگرای صبا گذرے کنی | بہوای جانِ حزینِ من دلِ خستہ را خبرے کنی

وازمطالع میرزا بیدل است ؎

توکریم مطلق ومن گدا۔ چہ کنی جز این کہ نخوانیم | درے دیگرم بنما کہ من بکجا روم چو برانیم

دیوان غزل میرزا بنظر درآمد۔ این چند گوہر از ان محیط برآوردہ شد ؎

مستِ عرفان را شراب دیگرے درکار نیست | جز طوافِ خویش دور ساغرے درکار نیست

ادب چہ چارہ کند شوق چون فضول اُفتد | بجای عذر دل آوردہ ام قبول اُفتد

دیدۂ انتظار را دامِ اُمید کردہ ام | ای قدمت بچشم من خانہ سفید کردہ ام

آخر ز فقر بر سرِ دُنیا زدیم پا | خلقی بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

کافرم گر مخمل وسنجاب می باید مرا | سایۂ بیدی کفیل خواب مے باید مرا

بی نقش چین نه محسن فرنگ آفریدن است	بهزادی تو دست ز دنیا کشیدن است

تنم زبندِ لباسِ تکلف آزاد است	برهنگی ببرم خلعتِ خدا داد است

اُلفتِ تن باعثِ فکر پریشانِ دل است	دانه صاحب ریشه از آمیزشِ آب و گل است

کسے از التفاتِ چشم خوبان کام بر دارد	که بهر استخوان صد زخم چون با دام بردارد

من نمی گویم زبان کن یا بفکرِ سود باش	ای ز فرصت بیخبر در هر چه باشی زود باش

شکوهِ فقر ملکِ بے نیازی کرد تسلیم	باقبالی که دل برخاست از دُنیا به تعظیم

باز بیتابانه ایجادِ نوائے مے کنم	مطلب دیگر نئے دانم دُعائے مے کنم

من درین بحر نه کشتی نه کدوے آرم	چون حباب از برِ خود جامه فروے آرم

درین حدیقه نهٔ قدر دانِ حیرانی	بشوخیِ مژه ترسم ورق به گردانی

جمع گشتن دلِ ما را به تسلّی نرساند	از گهرکسبیت بر د شیوهٔ غلطانی را

چه وجود و چه عدم بست و کشادِ مژه است	چون شرر هر دو جهان را نگاهے در باب

سرگرانی لازمِ هستی بود بیدل که صبح	تا نفس باقی است صندل جبین مالیده است

گرتاملِ قفسِ بیضهٔ طاؤس شود	در شبستانِ عدم نیز چراغانی هست

دل سخت گره شد نجم ابروے نازش	در طاق تغافل همه نقاشئے چین است

صاف معنی کرد مستغنی ز دردِ صورتم	چون بطِ می باطنِ من عالمِ آبِ من است

بهستیِ تو اُمید است نیستیِ ما را	که گفته اند اگر هیچ نیست الله است

بهر طرف گذری سیرِ نرگستان کن	بقدرِ نقش قدم چشم دوستان باز است

تا نفس باقی ست ظالم نیست بیفکرِ فساد	گوشه گیرِ فتنه می باشد کمان را تا دم است

قلندرانه حدیث است زاهدِ مغرور	تو غرهٔ به بهشتی که جائے ریدن نیست

کینه در طبع ملائم نکند نشو و نما	فارغ از جوشِ غبار است زمینی که نم است

حُسن بے مشقِ تاملِ نگذشت از دلِ ما	صفحهٔ حیرتِ آئینه عجب خوش قلم است

مشقِ ستم زطینتِ ظالم نمے رود — زورِ کمان دمے کہ نماند کبادہ است

کس نرفتے بعدم ہستی اگر جامی داشت — خلقے از تنگیِ این خانہ بصحرا زدہ است

کاش ہجران دادِ من میداد گر وصلی نبود — شمع تصویریم کہ از من سوختن ہم ننگ داشت

گر برآمد از صدف گوہر اسیرِ رشتہ است — خانۂ غربت دلِ آگاہ را دامِ بلا است

بی خمیدن از زمین نتوان گہر برداشتن — آنچہ بردارد دولت زین خاکدان قدِ دوتاست

نہ دام دانم و نی دانہ این قدر دانم — کہ دل بہر چہ کشد التفاتِ صیاد است

در نیامِ ہر نفس تیغِ دو دم خوابیدہ است — چون سحر در قطعِ ہستی خنجرے درکار نیست

آن قدر سعی بہ آبادیِ ما لازم نیست — خانۂ چشم بہ امدادِ نگاہی برپاست

گویند بہشت است وہمہ راحتِ جاوید — جائیکہ بداغی نہ طپد دل چہ مقام است

چون سایہ باش یکقلم آئینۂ نیاز — آن راکہ سجدہ جزوِ بدن نیست بندہ نیست

تا خموشی نگزینی حق و باطل باقی است — رشتۂ را کہ گرہ جمع نسازد دو سر است

مردہ ہم فکرِ قیامت دارد — آرمیدن چہ قدر دشوار است

بگذر از اندیشۂ یوسف کہ در کنعانِ ما — با نسیمِ پیرہن با جلوۂ پیراہن است

ہیچ کس از معنیِ مکتوبِ شوق آگاہ نیست — ورنہ جائے نامہ پیچی بار ما خواندن است

ہر کہ رفت از خود بداغِ تازہ ام ممتاز کرد — آتشِ این کاروانہا جملہ بر جانِ من است

پیشکارانِ عجوزِ دہر یکسر غالب اند — آنکہ از مردان بمردی باج میگیرد زن است

آبرو با عرضِ مطلب جمع نتوان ساختن — دستِ حاجت تا بلندی کرد استغنا نشست

بیدل نتوان بردنم از خطِ جبینم — نقاشِ عرق ریزِ حیا نقشِ مرا بست

خواریِ دیوان دہر عزتِ نابینش کرد — فرد چو باطل شود سرورقِ دفتر است

قماشِ فہم نداریم ورنہ خوبان را — اُتوی پیرہنِ ناز چینِ پیشانی است

زین ندامت خانہ بیرون رفتن دشوار نیست — ہر قدر دستی کہ می سائی بہم پا می شود

برنگِ آب سیر برگ برگِ این چمن کردم — گلِ داغ است بیدل آنکه بوئے از وفا دارد

داغم که چرا پیکرِ من سایہ نہ گردید — تا در قدم سروِ قدِ رعنای تو باشد

چو عمر گر نشوی ہم عنانِ خود داری — قدم بہرچہ گذاری رکاب می گردد

بسکہ نالم بیدل از بیدادِ چرخ — خوابِ من آوازِ این دولاب برد

در مجلسے کہ عزّت موقوفِ خودفروشی است — دیگر کسے چہ باشد گر میرزا نباشد

چو برگردد مزاج از احتیاطِ خود مشو غافل — سلامت سخت می لرزد بران سنگے کہ مینا شد

بدماغ دعوی عشق سرِ بوالہوس بلند است — مگر از دکانِ قصاب جگرے خریدہ باشد

ز دل حقیقتِ ردّ و قبول پرسیدم — بخندہ گفت برو یا بیا کہ می پرسد

اگر مردی درِ تخفیفِ اسبابِ تعلّق زن — کہ زانگشتِ دگر انگشتِ نر یک بند کم دارد

کج ادایانہ بہ اربابِ مطالب سر کن — راستی بر دلِ این قوم سنان می باشد

دہر لبریزِ مکافات است اما کو تمیز — کم کسے اینجا بحالِ خود ترحم می کند

برقی ز دور دارد ہنگامۂ تجلّی — ای بیخودان بہ بینید دل جلوہ گر نباشد

ہرچند کار فرداست امروز مفت خود گیر — شاید دماغِ طاقت وقتِ دگر نباشد

چشمت بغلط سوی من انداخت نگاہی — تیری کہ ازین شست خطا شد چہ بجا شد

نمودہ اند ز دستِ نوازشِ فلکم — دمی کہ گاہ غضب بر زمین پلنگ زند

سایہ از جلوۂ خورشید چہ اظہار کند — رفتم از خویش ندانم بچہ آئین آمد

ای ساغرِ بتخالہ ازین تشنہ سلامی — خوش خیمہ بران چشمۂ کوثر زدۂ باز

وضعِ فقیری ما نا ساز ہیچکس نیست — ویرانہ ایم اما بسیار خوش ہوائیم

چندانکہ ز خود می روم آن جلوہ بہ پیش است — رنگے نشکستم کہ برنگے نرسیدم

نشۂ تحقیق ما را شعلۂ جوّالہ کرد — گرد خود گشتیم چندانی کہ خود را سوختیم

کم ظرفیم از غفلتِ خویش است وگرنہ — دریاست می ریختہ از جام حبابم

در وصل ز محرومیِ دیدار مپرسید | آئینہ نفہمید کہ من با کہ دو چارم
طپیدم نالہ کردم - آب گشتم خاک گردیدم | تکلف بیش ازین نتوان بعرضِ مدعا کردن
چہ پردازم بعرضِ مطلبِ خود سخت حیرانم | تو ہم آخر زبانِ حیرتِ آئینہ می دانی

رباعی

ہر صبح کہ درہائے فلک باز کنند | مردم قانونِ جستجو ساز کنند
قوّالِ فلک بدست گیرد دفِ مہر | دنیا طلبان پا زدن آغاز کنند

مخفی نماند کہ تاریخی کہ میرزا بیدل برای سادات گفتہ و در ترجمۂ او برزبانِ قلم گزشتہ۔ محرک شد کہ درین محل شمۂ از احوال دو امیر کبیر از ساداتِ بارہہ و اسبابے کہ باعث عزل پادشاہ شد بمعرض بیان درآید۔ و این جملہ معترضہ نقاب از صورت حال وانماید۔ و اسم نواب آصف جاہ ہم در ترجمۂ میرزا ذکر یافت بہ این تقریب حالات نواب آصف جاہ و نواب نظام الدّولہ شہید خلف الصدق او نیز می طرازم - و او ہم کلک را مطلق العنان می سازم -

(۸۲) سیّد عبداللّٰہ خان

مخاطب بہ قطب الملک وزیر اعظم محمد فرخ سیر پادشاہ بود و برادرش سیّد حسین علی خان بمنصب امیر الامرائی تارک مباہات بآسمان می سود -

اینہا از اعاظم سادات بارہہ اند و اکابر شرفاء ہند نسب سادات بارہہ بہ سید ابو الفرح واسطی راجع می شود کہ سلسلۂ نسبش در دفتر اوّل تحت ترجمہ سیّد محمد صغری بلگرامی نوّر اللّٰہ ضریحہٗ نگارش یافت۔

ہر دو برادر فرقدین فلک سیادت و نیرین سپہر امارت بودند متحلی باکثر شمائل

لہ مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۰ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۱ء۔

سنیه وخصائل رضیه خصوص سخاوت وشجاعت که ازین دو صفت والا آثار غرا بظهور رسانند. ونقشهائی که طراز صفحهٔ دولت باشد بر لوح روزگار نشانند. و از مبادی ایام عروج تا منتهے بخوبی ونیکنامی بسر بردند. واز آبیاری عدل و احسان عرصهٔ هند را رشک فردوس برین ساختند. لیکن در اواخر دولت راه غلط پیمودند و تا روز قیامت داغ بدنامی برخود بردند. اما نزد ارباب انصاف منشأ عزل پادشاه محض پاس آبرو و حفظ جان عزیز بود که اینها مدة العمر جانفشانیها نمودند. ولوازم دولتخواهیها بتقدیم رسانیدند. پادشاه چشم از حقوق پوشیده در صدد قلع وقمع افتاده وتا زنده بود همین خیال در سر داشت. آخر این رای سقیم باعث زوال سلطنت شد و دولت پادشاه وسادات هر دو برهم خورد.

قاضی شهاب الدین ملک العلما قدس سره در مناقب السادات میفرمائد که:-

"امارت صحت سیادت خلق محمدی است وسخاوت هاشمی وشجاعت حیدری باید"

"که سید صحیح النسب ازین ملکات بهرهٔ وافی داشته باشد. و احیانا بحکم نفس اماره"

"اگر مرتکب عصیانے شود. آخر کار سببے رومی دهد که باعث نجات اخروی می گردد."

مصداق این کلام درین هر دو برادر مشاهده افتاد که مظلوم ازین عالم رفتند وغازهٔ شهادت بر رو مالیدند. نام اصلی قطب الملک حسن علی است ونام اصلی امیر الامرا حسین علی. شهادت اول به زهر واقع شد. وشهادت ثانی بخنجر.

حسن علی خان برادر کلان در عهد خلد مکان بخطاب خانی و فوجداری نندربار وسلطان پور از توابع بگلانه سرافرازی یافت وبعد ازان بحراست اورنگ آباد سربلند گردید.

وچون شهزاده محمد معز الدین بن شاه عالم از پیشگاه خلد مکان بصوبه داری ملتان مامور شد حسن علی خان بهمراهے رکاب شهزاده دستوری یافت. صحبت

و باشاهزاده کوک نشد- وآزرده خاطر به لاهور برگشت- درآن وقت میر عبدالجلیل بلگرامی بخدمت بهکر و سیوستان قیام داشت- چون حسن علی خان از نواحی بهکر قصد لاهور کرد- میر سلوکهاسے پسندیده بعمل آورد- ابتدای ربط باسادات این است وقتے که خلد مکان علم بملک جاودانی زد- ورایات شاه عالم از پشاور به لاهور خرامید حسن علی خان را بمنصب ۳ ہزاری وعطای نقاره وبخشیگری فوج جدید سرافراز ساخت-

و در جنگ محمد اعظم شاه بهراولی فوج محمد معز الدین که هراول مجموع عساکر شاه عالمی بود مقرر گردید- وقتے که جنگ ترازو شد- حسن علی خاں وحسین علی خان و نور الدین علی خان برادر سیوم برسم تهور پیشگان هند خود را از فیل انداختند و باجمعیت سادات بارهه پای جلادت افشرده بجنگ کوته یراق پیوستند نورالدین علی خان نقد زندگانی درباخت و دیگر برادران زخمهای نمایان برداشتند و سرخ روئی فتح وظفر حاصل کردند حسن علی خان بمنصب چهار ہزاری وصوبه داری اجمیر مباهی گشت- وبعد ازان بصوبه داری اله آباد امتیاز پذیرفت

چون نوبت سلطنت به محمد معز الدین رسید- حکومت اله آباد از عزل او بنام راجی خان مقرر شد و سید عبد الغفار از احفاد سید صدر جهاں صدر الصدور پهانوی به نیابت راجی خان متوجه اله آباد شد- سید حسن علی خان فوجے بتقابل برآورد و در سواد اله آباد جنگ افتاد- سید عبد الغفار بعد غالب شدن مغلوب گردید عنان عطف ساخت- محمد معز الدین باقتضای غفلت وعیاشی دست از تدارک برداشته در استمالت سید حسن علی خان افتاد و به ارسال فرمان بحالی اله آباد و اضافه منصب سرافراز نمود

اما برادر خورد سید حسین علی خان ناظم عظیم آباد پتنه که بمزید شجاعت ووقار ومتانت

نامور روزگار بود با محمد فرخ سیر پیمان رفاقت موکد ساخت۔ چنانچہ در ترجمۂ او نگارش می رود۔ و بہ حسن علی خان برادر کلان نیز ترغیب رفاقت نمود۔ حسن علی خان بیجاپلوسی محمد معز الدین کہ از وقت صوبہ داری ملتان کم التفاتی او می دانست اعتبار نہ کردہ از تہ دل بہ محمد فرخ سیر گروید و درخواست قدوم الہ آباد نمود۔

محمد فرخ سیر درچنین ہنگام اتفاق این دو برادر بہادر صاحب فوج از امارات اقبال خود دانستہ از بلدۂ پٹنہ بہ الہ آباد رسید و با حسن علی خان مشافہۃً بتجدید عہد پرداختہ امیدوار مزید عنایات ساخت و بہ ہراولی فوج مقرر فرمود۔ و عازم پیش گشت۔

عز الدین پسر کلان محمد معز الدین بہ اتالیقی خواجہ حسین مخاطب بہ خان دوران از دار الخلافہ شاہجہان آباد بتقابل محمد فرخ سیر مرخص گردید۔ و در حوالی کھجوہ از توابع الہ آباد رسیدہ انتظار حریف می کشید۔ بمجرد تقارب فوج محمد فرخ سیر عز الدین بے استعمال ادوات حرب نیم شبی راہ گریز گرفت۔

فوج محمد فرخ سیر کہ درکمال عسرت و بے سامانی بود از غارت بنگاہ عز الدین تقویتے کمال بہم رسانید و روانہ پیشتر شدہ در نواحی اکبر آباد خرامش نمود۔

محمد معز الدین نیز از دار الخلافہ کوچ کردہ بہ اکبر آباد آمد۔ و در فکر عبور دریای جمن (جون) بود کہ حسن علی خان پیش قدمی نمودہ از متصل سرای روز بہانی چہار کروہی اکبر آباد دریای جمن (جون) را عبور کرد و در عقب او محمد فرخ سیر نیز از دریا گذشت۔ اکثر مردم محمد فرخ سیر از عسرت و کم مایگی رو بہ پراگندگی آوردہ بودند معدودی ہمراہ رکاب رسیدند۔ سیزدہم ذی الحجہ سنہ ثلث و عشرین و مائۃ و الف (۱۱۲۳) تلاقی فریقین دست داد۔ نسیم فیروزی بر الویہ محمد فرخ سیر وزید۔ و محمد معز الدین بتغییر وضع راہ دہلی گرفت۔

درین کارزار از هر دو برادر ترددات نمایان بظهور رسید۔ سید حسین علی خان برادر خورد زخمهای کاری برداشته در میدان افتاد۔ بعد جلوه افروزی شاهد فتح حسن علی خان برادر کلان برجناح استعجال روانه دار الخلافه گشت۔ و پادشاه نیز به تفاوت یک هفته سایۂ وصول بر ساحتِ دہلی انداخت حسن علی خان بمنصب هفت هزاری هفت هزار سوار و خطاب سید عبد اللہ خان قطب الملک بهادر یار وفادار ظفر جنگ و تفویض وزارت اعلی بلند پایه گشت۔

چون عروج رتبه این هر دو برادر از حد گذشت۔ ناتوان بینان در صدد شکست افتادند۔ و به تسویلات واهی مزاج پادشاه را شورانیدند۔ نوبت بجائے رسید که هر دو برادر خانه نشین گشتند۔ و به ترتیب مورچال و استعداد اسباب پرخاش پرداختند والدۂ پادشاه که با هر دو برادر اظهار دوستی می نمود و از قدیم واسطۂ اصلاح بود۔ بخانۂ قطب الملک آمده مجدداً عهد و پیمان استوار ساخت۔ هر دو برادر بملازمت رسیده شکوه های محبت آمیز در میان آمد۔ و چندروز زمانه به آرامش گرائید۔

غرض گویان مزاج پادشاه را برهم زدند۔ هر روز صحبت بے مزه تر می گشت۔ و مادۂ نفاق که خانه برانداز کهنه و دولتهاست می افزود۔ تا آنکه امیر الامرا بصوبه داری دکن مرخص گشت۔ و قطب الملک بعیش و عشرت مشغول گشته عنان وزارت بدست راجه رتن چند سپرد۔ اعتقاد خان کشمیری همراز و دمساز پادشاه گردید و کنگاش تخلع و قمع سادات اعلان گرفت۔ قطب الملک به امیر الامرا نوشت که کار از دست رفته است پیش از انکه چشم زخمی به آبرو و جان برسد۔ خود را باید رسانید۔ امیر الامرا باکمال تسلط و جبروت از دکن روانه شده سواد دہلی را معسکر ساخت و پادشاه را پیغام کرد که تا که بند و بست قلعه به اختیار ما نباشد در ملازمت وسواس دارم۔ پادشاه خدمات قلعه را به متوسلان امیر الامرا سپرد۔ بعد استحکام قلعه امیر الامرا

بملازمت پادشاه رسید۔

وہشتم ربیع الآخر بہ ارادۂ ملاقات ثانی فوجہا آراستہ داخل شہر شد و در حویلی شایستہ خان فرود آمد۔ قطب الملک و مہاراجہ اجیت سنگھ در قلعہ رفتہ بدستور روز اول بہ بند و بست قلعہ پرداختند و کلید دروازہ بدست آوروند۔ آن روز و شب بہمین منوال گذشت۔ مردم شہر واقف نشدند کہ شب در قلعہ چہ واقع شد۔ چون صبح دمید۔ قتل قطب الملک شہرت دادہ افواج پادشاہی از ہر جانب مرتب شدہ بر سر امیر الامرا خواستند ہجوم آرند امیر الامرا بہ قطب الملک گفتہ فرستاد کہ چہ جائے توقف است زود از میان باید برداشت۔

لاعلاج قطب الملک نہم ربیع الآخر سنہ احدی وثلثین و مائۃ والف (۱۱۳۱) پادشاہ را مقید ساخت و رفیع الدرجات بن رفیع الشان بن شاہ عالم را از حبس برآوردہ بر تخت نشاند و صدای نقارۂ جلوس او آشوبی را کہ در شہر برپا شدہ بود فرو نشاند۔

رفیع الدرجات در حالت حبس بمرض تپ دق مبتلا بود۔ چون سلطنت میسر شد لوازم احتیاط مزاج از دست داد و بعد ۳ ماہ و چند روز روزگار او سپری گشت و مطابق وصیت او برادر کلانش رفیع الدولہ را بر سریر سلطنت جا دادند۔ و بہ شاہ جہان ثانی ملقب ساختند۔ بعد ایامے نیکو سیر در قلعہ آگرہ خروج کرد۔ امیر الامرا با بادشاہ بسرعت خود را رساندہ قلعہ را مفتوح ساخت۔ ناگاہ فتنۂ دیگر گل کرد۔ جی سنگھ سوائی طبل مخالفت کوفت۔ قطب الملک در رکاب شاہ جہان ثانی برای دفع جی سنگھ بہ فتح پور سیکری شتافت و با جی سنگھ صورت مصالحہ درمیان آمد شاہ جہان ثانی نیز بعد ۳ ماہ و چند روز بمرض اسہال درگذشت ناگزیر روشن اختر بن جہان شاہ بن شاہ عالم را از دار الخلافہ طلبیدہ

درین کارزار از هر دو برادر ترددات نمایان بظهور رسید۔ سید حسین علی خان برادر خورد زخمهای کاری برداشته در میدان افتاد۔ بعد جلوه افروزی شاهد فتح حسن علی خان برادر کلان برجناح استعجال روانه دار الخلافه گشت۔ و پادشاه نیز به تفاوت یک هفته سایهٔ وصول بر ساحت دهلی انداخت حسن علی خان بمنصب هفت هزاری هفت هزار سوار و خطاب سید عبد اللہ خان قطب الملک بهادر یار وفادار ظفر جنگ و تفویض وزارت اعلیٰ بلند پایه گشت۔

چون عروج رتبهٔ این هر دو برادر از حد گذشت۔ ناتوان بینان در صدد شکست افتادند۔ و به تسویلات واهی مزاج پادشاه را شورانیدند۔ نوبت بجائے رسید که هر دو برادر خانه نشین گشتند۔ و به ترتیب مورچال و استعداد اسباب پرخاش پرداختند والدهٔ پادشاه که با هر دو برادر اظهار دوستی می نمود و از قدیم واسطهٔ اصلاح بود۔ بخانهٔ قطب الملک آمده مجدداً عهد و پیمان استوار ساخت۔ هر دو برادر بملازمت رسیده شکوه های محبت آمیز درمیان آمد۔ و چند روز زمانه به آرامش گرائید۔

غرض گویان مزاج پادشاه را برهم زدند۔ هر روز صحبت بے مزه تر می گشت۔ و مادهٔ نفاق که خانه برانداز کهنه ودلهاست می افزود تا آنکه امیر الامرا بصوبه داری دکن مرخص گشت۔ و قطب الملک بعیش و عشرت مشغول گشته عنان وزارت بدست راجه رتن چند سپرد۔ اعتقاد خان کشمیری همراز و دمساز پادشاه گردید و کنگاش قلع و قمع سادات اعلان گرفت۔ قطب الملک به امیر الامرا نوشت که کار از دست رفته است پیش از آنکه چشم زخمی به آبرو و جان برسد۔ خود را باید رسانید۔ امیر الامرا بکمال تسلط و جبروت از دکن روانه شده سواد دهلی را معسکر ساخت و پادشاه را پیغام کرد که تا که بند و بست قلعه به اختیار ما نباشد در ملازمت وسواس دارم۔ پادشاه خدمات قلعه را به متوسلان امیر الامرا سپرد۔ بعد استحکام قلعه امیر الامرا

بملازمت پادشاه رسید۔

وہشتم ربیع الآخر بہ ارادۂ ملاقات ثانی فوجہا آراستہ داخل شہر شد و در حویلی شایستہ خان فرود آمد۔ قطب الملک و مہاراجہ اجیت سنگھ در قلعہ رفتہ بدستور روز اول بہ بندوبست قلعہ پرداختند و کلید دروازہ بدست آوردند۔ آن روز و شب بہمین منوال گذشت۔ مردم شہر واقف نشدند کہ شب در قلعہ چہ واقع شد چون صبح رسید قتل قطب الملک شہرت دادہ افواج پادشاہی از ہر جانب مرتب شدہ بر سر امیر الامرا خواستند ہجوم آرند امیر الامرا بہ قطب الملک گفتہ فرستاد کہ چہ جائے توقف است زود از میان باید برداشت۔

لاعلاج قطب الملک نہم ربیع الآخر سنہ احدی وثلثین و مائتہ والف (۱۱۳۱) پادشاہ را مقید ساخت و رفیع الدرجات بن رفیع الشان بن شاہ عالم را از حبس برآوردہ بر تخت نشاند و صدای نقارۂ جلوس او آشوبی را کہ در شہر برپا شدہ بود فرو نشاند۔

رفیع الدرجات در حالت حبس بمرض تپ دق مبتلا بود۔ چون سلطنت میسر شد لوازم احتیاط مزاج از دست داد و بعد ۳ ماہ و چند روز روزگار او سپری گشت و مطابق وصیت او برادر کلانش رفیع الدولہ را بر سریر سلطنت جا دادند۔ و بہ شاہ جہان ثانی ملقب ساختند۔ بعد ایامے نیکوسیر در قلعہ آگرہ خروج کرد۔ امیر الامرا با پادشاہ بسرعت خود را رساندہ قلعہ را مفتوح ساخت۔ ناگاہ فتنۂ دیگر گل کرد۔ جی سنگھ سوائی طبل مخالفت کوفت۔ قطب الملک در رکاب شاہ جہان ثانی برای دفع جی سنگھ بہ فتح پور سیکری شتافت و با جی سنگھ صورت مصالحہ درمیان آمد شاہ جہان ثانی نیز بعد ۳ ماہ و چند روز بمرض اسہال درگذشت۔ ناگزیر روشن اختر بن جہان شاہ بن شاہ عالم را از دار الخلافہ طلبیدہ

پانزدهم ذی القعده سنه احدی وثلثین ومائة والف (۱۱۳۱) براورنگ فرمانروائی اجلاس دادند- وبه محمد شاه ملقب ساختند-

سبحان الله هرچند سادات خود دعوی سلطنت نه کردند واولاد تیموریه را بر تخت نشاندند اما حرکتے که با محمد فرخ سیر کردند مبارک نیامد- دمی به آسایش نگذرانیدند ونفسے به طمانیت نه کشیدند- دریاهائے فتنه از هر چهار طرف بتلاطم درآمد واسباب زوال دولت آماده گشت-

خبر رسید که غرهٔ رجب سنه اثنتین وثلثین ومائة والف (۱۱۳۲) نواب نظام الملک ناظم مالوا از دریای نربدا گذشته قلعه آسیر وشهر برهان پور را متصرف گشت- امیر الامرا سید دلاور خان بخشی خود را با فوج سنگین جانب نواب نظام الملک فرستاد- دلاور خان بعد محاربه بقتل رسید- سید عالم علیخان نائب صوبه داری دکن که نوجوان تهورمنش بود کارزار نموده مردانه نقد هستی باخت- امیر الامرا با پادشاه قصد دکن کرد وقطب الملک با چندے از امرا نوزدهم ذی القعده از چهار کروهی اکبرآباد فتحپور رویه رخصت دار الخلافه دهلی شد وهنوز نرسیده بود که هفتم ذی الحجه خبر کشته شدن امیر الامرا طاقت ربا گشت

قطب الملک برادر صغیر اعیانی خود سید نجم الدین علی خان را که بحراست دهلی قیام داشت نوشت که یکے از شاهزادها را برآورده بر تخت نشاند- پانزدهم ذی الحجه سنه اثنتین وثلثین ومائة والف (۱۱۳۲) سلطان ابراهیم بن رفیع الشان بن شاه عالم را بر تخت دهلی اجلاس دادند- به تفاوت دو روز قطب الملک نیز رسید وبه استمالت امرای قدیم وجدید پرداخت- وفوج علی العموم نگاه داشت وآنچه در ایام وزارت اندوخته بود از نقد وجنس که احصاء آن جز علم الهی مقدور کسے نیست همه را صرف سپاه ویاران ودوستان کرد وگفت اگر زنده ایم باز بهم

می رسانیم و اگر خواهش حق بنوعی دیگر است چرا در دست غیر افتد۔

ہفدہم ماہ مذکور بعزم مقابلہ از دار الخلافہ بر آمد۔ سیزدہم محرم سنہ ثلث و ثلثین و مآتہ والف (۱۱۳۳) بموضع حسن پور رسید۔ چہاردہم جنگ واقع شد۔ توپخانۂ محمد شاہی باہتمام حیدر قلی خان میر آتش پیہم در کار بود و مردم بارہہ سینہ را سپر ساختہ در مقابل توپخانہ مکرر حملہا نمودند از برگشتگی ایام فائدہ نہ بخشید۔ چون شب شد از بارش گولہای توپ و زنبورک وشتر نال کہ آنی فرصت نمی داد فوج قطب الملک پراگندہ گشت وتا دمیدن صبح معدودے ہمراہ قطب الملک ماندند۔

ہمین کہ آفتاب از دریچۂ مشرق سر بر آورد۔ فوج محمد شاہی یورش کرد و جنگے صعب واقع شد۔ بسیارے از سادات لبسمل شدند۔ و سید نجم الدین علی خان زخمہای کاری برداشت۔ قطب الملک خود را از فیل انداخت۔ زخم تیر بر پیشانی و زخم شمشیر بر دست رسید۔ حیدر قلی خان۔ باجمعی بر سر وقت قطب الملک رسیدہ او را بر فیل خود گرفت۔ ونزد پادشاہ آورد۔ پادشاہ جان بخشی نمودہ حوالۂ حیدر قلی خان فرمود۔ قطب الملک در قید پادشاہی روزی بشب و شبے بروز سیاہ می آورد آخر مسمومش کردند۔ اول مرتبہ خدمتگار او زہر مہرہ را سائیدہ خوراند۔ باستفراغ بسیار سمیت دفع شد۔ روز دویم باز خواجہ سرای پادشاہی حب زہر ہلاہل آورد۔ قطب الملک تجدید وضو کردہ مستقبل قبلہ نشست وگفت الٰہی تو میدانی کہ این شئی حرام را باختیار خود نمی خورم۔ ہمین کہ از حلق فرو رفت حالت متغیر گشت و جان بجہان آفرین سپرد۔ واین واقعہ سلخ ذی الحجہ سنہ خمس وثلثین ومآتہ والف (۱۱۳۵) واقع شد قبرش در شاہجہان آباد زیارتگاہ خلائق است۔

از آثار اوست نہر پت پرگنج واقع شاہجہان آباد کہ از بی آبی حکم کربلا داشت قطب الملک در سنہ سبع وعشرین ومآتہ والف (۱۱۲۷) نہرے از اصل نہر

شاہجہانی بریدہ آوردہ و آن خطہ را بوفور آب احیا نمود۔ علامۂ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی گوید

بحر جود و فیض قطب الملک عبداللہ خان — نہر خیری کرد جاری آن وزیر محتشم

بہر آن عبدالجلیل واسطی تاریخ گفت — نہر قطب الملک مدِّ بحرِ احسان و کرم
۱۱۲۷ھ

و نیز علامۂ مرحوم در مثنوی بمدح او می پردازد

ارسطو فطرتے آصف نشان است — یمین الدولہ عبداللہ خان است

بدیوان چون نشیند نو بہار است — بمیدان چون در آید ذوالفقار است

(۸۳) امیر الامرا سید حسین علی خان[1]

برادر خورد قطب الملک است امّا در سخاوت و شجاعت و علو ہمت و تمکین و وقار از برادر کلان فائق بود۔ و در عہد خلد مکان بہ حکومت رنتھنبور و آخرہا بہ فوجداری ہندول بیانہ می پرداخت

چون برادرش بعد رحلت خلد مکان در لاہور مشمول عواطف شاہ عالم گردید۔ سید حسین علی خان با فوجی شایستہ در حوالی دہلی دولت ملازمت دریافت و در جنگ محمد اعظم شاہ مصدر جلائل ترددات گشتہ نوعی کہ گذشت بہ منصب سہ ہزاری و عنایت نقارہ سربلند گردید۔ و بوساطت شاہزادہ عظیم الشّان بہ نیابت صوبہ داری عظیم آباد پٹنہ رخصت یافت

در اواخر عہد خلد مکان صوبہ داری بنگالہ بہ سپہ دار خان مخاطب بہ اعتماد الدولہ خان جہان بہادر از تغیر شاہزادہ عظیم الشان مقرر گشت۔ محمد فرخ سیر خلف عظیم الشان کہ بہ نیابت پدر در بنگالہ بود طلب حضور شدہ بہ پٹنہ

---

[1] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۲۱ تا ۳۳۸ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۸ء۔

رسید چون مدتہا بخودسری گزرانیدہ و نسبت بہ برادران دیگر نزد جد و پدر مرتبۂ نداشت رفتن حضور شاق و ناگوار پنداشتہ بعد زعسرت اخراجات اوقات پرستی میکرد تا آنکہ شاہ عالم شنقار شد محمد فرخ سیر خطبہ و سکّہ بنام پدر نمودہ در فراہم آوردن مردم ہمّت گماشت۔ درین اثنا خبر کشتہ شدن عظیم الشان رسید۔ در ربیع الاوّل سنہ ثلث و عشرین و مأتہ والف (۱۱۲۳) خود سریر آرای سلطنت گشت۔

و سید حسین علی خان ناظم پٹنہ را بہ وعدۂ عنایات مستمال ساختہ رفیق گردانید و ازین جہت سید حسن علی خان ناظم الہ آباد نیز طریق رفاقت سپرد۔ در کمتر زمانی افواج کثیرہ مجتمع گشت اما بنا بر قلت خزانہ تا رسیدن اکبر آباد دوازدہ ہزار سوار بیش نماند۔

سید حسین علی خان روز جنگ بہ اتفاق حسین بیگ خان صف شکن نائب صوبہ داری اُڑیسہ و زین الدین خان پسر بہادر خان رُہیلہ مقابل ذوالفقار خان بن اسد خان وزیر کہ توپ و ضرب زن بسیار پیش رو چیدہ ایستادہ بود اسپان تاختہ در زنجیرۂ توپخانہ در آمد۔ چون عرصۂ وغا بر خود تنگ دید بآئین دلاوران کشور ہند پیادہ گشتہ زخمہائے کاری برداشتہ بر زمین اُفتاد۔ و آن دو سردار با رفقاء بسیار مردانہ نقد زندگانی نثار نمودند۔

بعد فتح سید حسین علی خان بخطاب امیر الامرا بہادر فیروز جنگ و منصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار و خدمت والاسے میر بخشیگری کوس بلند نامی نواخت و در سال دوم جلوس بہ افواج سنگین بہ تنبیہ اجیت سنگھ مرزبان سرزمین ماروار کہ لوای تمرد افراختہ بود۔ مامور گردید و تا میرٹھ ہر جا تعلقۂ او بود تلک کوب تاراج ساخت۔ راجہ از صولت فوج منصور جانب بیکانیر بدر زد و در مکانہای استوار خزید۔

درین سیاق آنچه از اجرای حکم امیرالامرا نقل می کنند این است که:-

"چون دیهات اجیت سنگھ و جی سنگھ سوائی باہم مخلوط اند و رعایای تعلقهٔ اولین از
"ہراس رو بفرار می آوردند- و بنا راجیان حکم بود که مواضع خالی را یغما کرده آتش زنند
"و مکانہای آباد را مزاحمت نرسانند- رعایای اجیت سنگھ این را دیده بوساطت
"رعایای جی سنگھ امان خواسته می آمدند- ہمان وقت سزاولان تعین می شدند که بنا راجیان
"گویند که آتش فرو نشانند و آنچه گرفته اند مسترد سازند اصلا درین حکم تخلف نمی شد-
"بعضی ثقات از مردم دیه استفسار کردند باتفاق می گفتند که غیر از سوختن نقصانے
"بما نرسید-

وضبط و نسق امیرالامرا ہمیشه برین منوال بود-

افواج او از راه باریکے مابین دو زراعت مے گزشت کسی را قدرت نبود که از
جاده تفاوت کند- دست بزراعت رسانیدن معلوم-

القصه اجیت سنگھ چون خرابی خود و ملک مشاہده کرد وکلاء معتبر فرستاده بتقدیم
پیشکش و ارسال پسرکلان خویش ابی سنگھ نام و تزویج دختر خود به پادشاه که در
عرف این دیار دوله گویند مستدعی عفو جرائم گردید- امیرالامرا بمصالحه پرداخت و
ابی سنگھ را ہمراه گرفته خود را بحضور رسانید و فوجی برای دوله گزاشت و بعد
رسیدن دوله طوی پادشاه منعقد گشت-

گویند اینچنین طوی عظیم الشان از شاہان پیشین کم جلوهٔ ظہور نمود- علامهٔ مرحوم
میر عبدالجلیل بلگرامی مثنوی رنگینے درین طوی بنظم آورده و داد سخنوری داده-

بعد ازین پادشاه امیرالامرا را به صوبه داری دکن مقرر فرمود- چون میر
جمله سمرقندی ہر روز مزاج پادشاه را از سادات منحرف می ساخت- قرار یافت
که اول میرجمله بصوبه داری پتنه راہگرا گردد بعد ازان امیرالامرا رخصت دکن

شود- میر جمله روانهٔ پتنه شد و امیر الامرا در سنه سبع و عشرین و مائة و الف (۱۱۲۷) متوجّه دکن گردید-

وقت رخصت مواجههً عرض کرد که اگر در غیبت من میر جمله بحضور رسید- یا به قطب الملک نوعی دیگر سلوک شد در عرض بیست روز مرا رسیده دانند- پادشاه از قباحت نافهمی بوساطت خان دوران مخفی به داؤد خان ناظم برهان پور تحریض مخالفت نمود-

داؤد خان باآنکه سادات در ابتدای سلطنت محمد فرخ سیر واسطهٔ جان بخشی او شدند و بتازگی امیر الامرا نیابت صوبه داری برهان پور از پادشاه بنام او گرفت- و او از گجرات احمد آباد به برهان پور آمده بحکومت آنجا می پرداخت چشم از حقوق سادات پوشیده ارادهٔ مخالفت مصمّم ساخت-

چون امیر الامرا نربدا را عبور کرد ظاهر شد که داؤد خان سررشتهٔ موافقت گسسته خیال ملاقات هم در سر ندارد- امیر الامرا در فکر اصلاح افتاده پیغام کرد که در صورت توافق ملازمت لازم و در شکل تخالف روانهٔ دار الخلافه باید شد از ما مزاحمتے نیست-

داؤد خان پای جهالت افشرده کار به پرخاش رسانید- ناگزیر یازدهم رمضان سنه سبع و عشرین و مائة و الف (۱۱۲۷) عرصهٔ مبارزت در سواد برهان پور آراسته گشت و جنگے عظیم رو نمود- داؤد خان بزخم تفنگ نقد هستی باخت- بعد طلوع نیر فتح امیر الامرا به اورنگ آباد رسیده در مسند ریاست تمکن ورزید- و عنقریب کهنه و بهاریه سیناپتی راجه ساهو در صوبه خاندیس سر به فساد برداشت امیر الامرا ذو الفقار بیگ بخشی خود را به تنبیه او تعیین فرمود- و در پرگنه بهانیر دو چار گشته بجنگ در پیوست- ذو الفقار بیگ جرعهٔ شهادت چشید

وباقی فوج بیغما در آمد۔ سیف الدین علی خان برادر اصغر امیر الامرا و راجہ محکم سنگھ
بمالش غنیم مامور شدند و تا بندر سورت عنان باز نہ کشیدند۔ و محکم سنگھ تا قلعہ ستارہ
مسکن راجہ ساہو دقیقہ از نہب و تالان فرو نگذاشت۔

چون پادشاہ بہ اغوای دولت بر اندازان۔ و سرداران دکن خصوص راجۂ
ساہو در باب مخالفت امیر الامرا۔ بایما و صراحت کوتاہی نمی کرد و در دہلی با
قطب الملک ہر روز صحبتے تازہ و نزاعے نو برمے انگیخت و صدای بگیر و بکش
ہر وقت بگوشہا مے رسید۔ قطب الملک ہمیشہ امیر الامرا را بہ آمدن دہلی
ترغیب می کرد

لاعلاج امیر الامرا از دشمن خانہ بدشمن بیگانہ ساختہ در سنہ تسع و عشرین و
مائۃ و الف (۱۱۲۹) با راجہ ساہو بتوسط سنکراجی ملہار و محمد انور خان
برہان پوری کہ تا حین تحریر در قید حیات است و فقیر را با او صحبتہای متوفی اتفاق
افتاد صلح کرد و بشرط عدم تاخت و تاراج ملک و عدم تعرض طرق و شوارع۔ و نگاہ
داشتن پانزدہ ہزار سوار در رکاب ناظم دکن۔ اسناد چوتھ و سردیسمکی شش صوبۂ
دکن بمہر خود با تنخواہ کوکن وغیرہ ملکے کہ راج قدیمش می نامند حوالہ نمود۔

مخفی نماند کہ در اواخر عہد خلد مکان قرار یافتہ کہ با غنیم صلح درمیان آید۔
باین شرط کہ سرصدہ از محصول ملکی نہ روپیہ بطریقہ سردیسمکی حصۂ غنیم مقرر شود پادشاہ
میر ملنگ را با اسناد سردیسمکی نزد غنیم فرستاد کہ عہد و پیمان محکم سازد و سرداران
غنیم را بملازمت پادشاہی بیارد۔ آخر رای پادشاہ برگشت و میر ملنگ را کہ
ہنوز اسناد حوالۂ غنیم نہ کردہ بود بحضور طلبید۔ و در عہد شاہ عالم سرصدہ دہ روپیہ
سردیسمکی بغنیم مقرر شد و سند پادشاہی حوالہ گردید۔ و در ایام حکومت داؤد خان
چوتھ یعنی چہارم حصہ از حاصل ملک سوای سردیسمکی بغنیم قرار یافت و جاری و ساری

گشت اما سند بعمل نیامده بود- امیر الامرا بطوریکه گذشت سند چوتهه حواله نمود- آخر نحوست این تربیع سخت سرایت کرد و رفته رفته عنیم شریک غالب شد و قوت عجیبه بهم رساند

امیر الامرا بعد مصالحه عازم دار الخلافه شد و غره محرم سنه احدی وثلثین و مأته والف (۱۱۳۱) با فوج دکن بشوکت وصولت تمام از خجسته بنیاد کوچ کرد و معین الدین نام مجهول الحالے را پسر شاهزاده محمد اکبر بن خلد مکان قرار داده همراه گرفت و به پادشاه نوشت که در تعلقه راجه ساهو سرکشیده بود اورا دستگیر ساختم واحتیاط لازم دانسته خود بحضور می آرم-

اواخر شهر ربیع الاول درحوالی دهلی جانب لات فیروز شاه مخیم ساخت و خلاف ضابطهٔ حضور نوبت نواخته داخل خیمه شد- ومکرر ببانگ بلند گفت که من از نوکری پادشاهی بر آمدم-

وبعد ازان که بندوبست قلعه را باختیار خود کرد پنجم شهر ربیع الآخر ملازمت پادشاه نمود وگذارش گلها کرد- وباز هشتم ماه مذکور بشهرت سپردن شاهزادهٔ جبلی سوار شده در حویلی شایسته خان داخل گشت وقطب الملک با راجه اجیت سنگهه به بندوبست قلعه شتافته هیچکس را درانجا نگذاشت و پادشاه را مقید ساخت طوریکه در ذکر قطب الملک گذارش یافت-

آخر این حرکت مبارک نیامد و در اندک فرصت نیکوسیر بن محمد اکبر بن خلد مکان که در قلعه اکبر آباد مقید بود باتفاق احشام آنجا علم خروج بر افراشت امیر الامرا برجناح استعجال رسیده به محاصره سه ماه و چند روز قلعه را مفتوح ساخت- وبموکب شاه جهان ثانی که برای تنبیه راجه جی سنگهه سوائی تا فتحپور سیکری رسیده بود ملحق گردید و صلح درمیان آمد-

درین ضمن چهبیله رام قوم ناگر ناظم الٰه آباد دم از مخالفت زد- امیر الامرا
و قطب الملک با پادشاه از فتح پور به آگره آمدند- و تا فرو نشستن فتنهٔ الٰه آباد
توقفِ آگره ضرور افتاد-

چهبیله رام فوت شد و گردهر بهادر برادر زادهٔ چهبیله رام بنیاد مخالفتے
که عمش گذاشته بود برپا داشت- حیدر قلی خان و محمد خان بنگش با فوجی تعین
شدند و بتعویض و تفویض صوبه داری اوده با گردهر بهادر صلح واقع شد.

درین اثنا نیرنگی فلک شعبدهٔ دیگر وا نمود- نواب نظام الملک ناظم مالوا
رائحهٔ مخالفت از امیر الامرا استشمام نموده گام سرعت بدکن برگرفت- و بعد قتل
سید دلاور خان و سید عالم علی خان قسمی که تحریر می شود ملک دکن را بتصرف
در آورد

امیر الامرا با پنجاه هزار سوار به عزیمت دکن نهم ذی القعده سنه اثنتین
و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۲) از اکبر آباد کوچ نمود-

سبحان الله این دو برادر سیما امیر الامرا شجاعت و سخاوت و کرم و حلم و
مواسات فطری داشتند و کافهٔ انام را مشمول انواع احسان ساختند و هرگز مجوّز
ستم و بیداد بر نفسے نشدند اما مقلب القلوب نوعی دلها را صرف کرد که دستگر فتهای
سادات از سادات برگشتند و هر چند می دانستند که زوال دولت ایشان باعث خانه
خرابی ما ست- می گفتند الٰهی این کشتی غرق شود ما هم فرو رویم از بیگانگان چه
توان گفت-

بعد بهم خوردن دولت سادات مردم دو فرقه شدند جمعی به نیکی یاد می کردند و گروهی
به بدی- و در مجالس فیما بین فریقین طرفه مناقشها برپا می شد-
میرزا بیدل تاریخ عزل محمد فرخ سیر چنین بنظم آورده ؎

دیدی کہ چہ باشاہ گرامی کردند صدجور وجفا ز راہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود سادات بوی نمک حرامی کردند
۱۱۳۱ھ

ومیر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی در جواب چنین انشاء کردہ

با شاہِ سقیم آنچہ شاید کردند از دستِ حکیم ہر چہ آید کردند
بقراطِ خرد نسخۂ تاریخ نوشت سادات دوا اش آنچہ باید کردند
۱۱۳۱ھ

القصہ اعتماد الدولہ محمد امین خان بنابر قرابت قریبہ کہ با نواب نظام الملک داشت در فکر غدر افتاد۔ ومیر حیدر کاشغری را برآن داشت کہ قابو یافتہ بقطع رشتۂ حیات امیر الامرا اقدام نماید۔

میر حیدر مسطور از ترکان دوغلات است۔ وجد کلانش میر حیدر صاحب[۱] تاریخ رشیدی ہموارہ ملتزم رکاب بابری و ہمایونی بود۔ چندے بہ فرمان روائی کشمیر ہم رسید۔ واز جہت میر شمشیری اینہا را امیری گویند۔

ششم ذی الحجہ سنہ اثنتین وثلثین ومائۃ والف (۱۱۳۲) در منزل تورہ سی و پنج کردہ عرفی از فتح پور سیکری مخیم عساکر شد۔ امیر الامرا بعد داخل شدنِ پادشاہ در محل سرا پالکی سوارہ بخانۂ خود برگشت ہمین کہ قصل کلال بار ہی یعنی احاطۂ چوبین کہ گرد خیام پادشاہی نصب کنند رسید۔ میر حیدر کہ روشناس وراہ حرف داشت فرد احوال خود بدست امیر الامرا داد وشروع بضعیف نالی نمود۔ چون امیر الامرا مشغول خواندن شد بچستی خنجر آبداری بہ پہلوے امیر الامرا رسانید وکار تمام کرد۔ نور اللہ خان از اقرباء امیر الامرا پیادہ ہمراہ می رفت بضرب شمشیر میر حیدر را از پا درآورد۔ و دیگر رفقاء امیر الامرا دست و پای زدند بجای نرسید قابو طلبان سر امیر الامرا را جدا کردہ نزد پادشاہ بردند

---

[۱] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ کلکتہ۔

درین ضمن چھبیلہ رام توم ناگر ناظم الہ آباد دم از مخالفت زد۔ امیر الامرا وقطب الملک با پادشاه از فتح پور بہ آگره آمدند۔ وتا فرونشستن فتنۂ الہ آباد توقف آگره ضرور افتاد۔

چھبیلہ رام فوت شد و گردھر بہادر برادرزادۂ چھبیلہ رام بنیاد مخالفت کہ عمش گذاشتہ بود برپا داشت۔ حیدر قلی خان و محمد خان بنگش با فوجی تعین شدند و بتعویض وتفویض صوبہ داری اودھ با گردھر بہادر صلح واقع شد

درین اثنا نیرنگی فلک شعبدۂ دیگر وانمود۔ نواب نظام الملک ناظم مالوا رائحۂ مخالفت از امیر الامرا استشمام نموده گام سرعت بدکن برگرفت۔ وبعد قتل سید دلاور خان و سید عالم علی خان قسمی کہ تحریر می شود ملک دکن را بتصرف در آورد

امیر الامرا با پنجاه ہزار سوار بہ عزیمت دکن نہم ذی القعده سنہ اثنتین ثلثین ومائۃ والف (۱۱۳۲) از اکبر آباد کوچ نمود۔

سبحان اللہ این دو برادر سیما امیر الامرا شجاعت وسخاوت وکرم وحلم و مواسات فطری داشتند وکافۂ انام را مشمول انواع احسان ساختند وہرگز مجوز ستم وبیداد بر متنفسی نشدند اما مقلب القلوب نوعی دلہا را صرف کرد کہ دستگیر فتنہای سادات از سادات برگشتند وہر چند می دانستند کہ زوال دولت ایشان باعث خانہ خرابی ماست۔ می گفتند الٰہی این کشتی غرق شود ما ہم فرو رویم از بیگانگان چہ توان گفت۔

بعد برہم خوردن دولت سادات مردم دو فرقہ شدند جمعی بہ نیکی یاد می کردند وگروہی بہ بدی۔ ودر مجالس فیما بین فریقین طرفہ مناقشہا برپا می شد۔

میرزا بیدل تاریخ عزل محمد فرخ سیر چنین بنظم آورده ؎

دیدی کہ چہ باشاہ گرامی کردند — صد جور و جفا ز راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود — سادات بوی نمک حرامی کردند
۱۱۳۱ھ

و میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی در جواب چنین انشاء کردہ

با شاہِ سقیم آنچہ شاید کردند — از دستِ حکیم ہر چہ آید کردند
بقراطِ خرد نسخۂ تاریخ نوشت — سادات دو اش آنچہ باید کردند
۱۱۳۱ھ

القصہ اعتماد الدولہ محمد امین خان بنا بر قرابت قریبہ کہ با نواب نظام الملک داشت در فکر غدر افتاد۔ و میر حیدر کاشغری را بران داشت کہ قابو یافتہ بقطع رشتۂ حیات امیر الامرا اقدام نماید۔

میر حیدر مسطور از ترکان دوغلات است۔ و جد کلانش میر حیدر صاحب[1] تاریخ رشیدی ہموارہ ملتزم رکاب بابری و ہمایونی بود۔ چندے بہ فرمان روائی کشمیر ہم رسید۔ و از جہت میر شمشیری اینہا را میری گویند۔

ششم ذی الحجہ سنہ اثنتین و ثلثین و مائۃ و الف (۱۱۳۲) در منزل تورہ ۳۵ سی و پنج کروہ عرفی از فتح پور سیکری مخیم عساکر شد۔ امیر الامرا بعد داخل شدن پادشاہ در محل سرا پالکی سوارہ بخانۂ خود برگشت ہمین کہ متصل کلال باری یعنی احاطۂ چوبین کہ گرد خیام پادشاہی نصب کنند رسید۔ میر حیدر کہ روشناس و راہ حرف داشت فرد احوال خود بدست امیر الامرا داد و شروع بضعیف نالی نمود۔ چون امیر الامرا مشغول خواندن شد بچستی خنجر آبداری بہ پہلوے امیر الامرا رسانید و کار تمام کرد نور اللہ خان از اقرباء امیر الامرا پیادہ ہمراہ می رفت بضرب شمشیر میر حیدر را از پا درآورد۔ و دیگر رفقاء امیر الامرا دست و پای زدند بجای نرسید قابو طلبان سر امیر الامرا را جدا کردہ نزد پادشاہ بردند

---

[1] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ کلکتہ۔

وپس ازین هنگامه لاش او را بحکم پادشاهی تکفین نموده ونماز جنازه خوانده به اجمیر نقل کردند و در جوار پدرش سید عبدالله خان مدفون ساختند۔

پیش از وقوع این سانحه مرد صالحے در رویا دید که سید الشهداء امام حسین رضی الله تعالی عنه به امیرالامرا خطاب کرد که بَلَغَ وَعْدُكَ وَغَلَبَ عَدُوُّكَ

۱۱۳۲ھ ۱۱۳۲ھ

بعد شهادت امیرالامرا چون حساب کردند هر یک فقره تاریخ بود با صنعت تقلیب

حق این است که در قریب العهد کم امیری باین خوبی در عرصهٔ ظهور آمد نسخهٔ جامع اخلاق حمیده بود۔ وفور طعام وصلاے عام سرکار را و مشهور است مردم اورنگ آباد بالاتفاق نقل می کنند که در عهد امیرالامرا اکثر مردم در خانهٔ خود طعام نمی پختند۔ طباخان سرکار امیرالامرا طعام حصهٔ خود می فروختند و قاب پلاؤ مکلف بچند پل سیاه می دادند۔

اجرای بلغور خانها از قسم پخته وخام واحداث مجلس یازدهم و دوازدهم هر ماه در بلاد عظیمه هند و دکن از اعمال خیر اوست۔ وتا امروز جاری است۔ درین مجالس با مشایخ و فقرا به تواضع و انکسار سلوک می نمود و آفتابه در دست خود گرفته بر دست مهمانان آب می ریخت۔

وپیش از وصول دکن نذر مهمسازی می گرفت۔ بعد رسیدن دکن مفسدیان باطمانیت مداخل وکثرت مخارج مزاجش برین آوردند۔ معهذا چون حیدرقلی خان حاکم بندر سورت اموال ملا عبدالغفور ملک التجار بندر مذکور که زیاده بریک کرور روپیه بود ضبط نمود۔ ملا عبدالحی پسر متوفی بطریق استغاثه بحضور رسید و پانزده لکه روپیه بشرط معافی اموال نیاز امیرالامرا نوشته داد۔ روزے صبح ملا عبدالحی را طلبیده اموال با نیاز معاف کرد و به عطای خلعت نواخته رخصت وطن فرمود و گفت امشب مرا بهر مال این مرد با نفس خود جهاد لشد۔ آخر بنفس طامع غالب آمدم۔

وقتیکہ امیر الامرا از دکن بدار الخلافہ معاودت نمود۔ می خواست کہ امین الدولہ وقائع خوان حضور پادشاہی را بنابر تقصیری کہ از امین الدولہ در غیبت امیر الامرا صادر شدہ بود معاتب سازد۔ روزے کہ امین الدولہ بملازمت امیر الامرا رسید وا ز در درآمد میر عبد الجلیل بلگرامی حاضر بود میر بعرض نواب رسانید کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم در حق انصار و ذریت انصار دعا کردہ و در مراعات ایشان وصیتہا نمودہ و فرمودہ تَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِیْئِهِمْ یعنی در گذرید از گنہگار ایشان نواب از اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و امین الدولہ از اولاد انصار رضی اللہ عنہم باقتداء جد بزرگوار تقصیر مشار الیہ عفو شود۔ امیر الامرا فی الفور از حالت غضب فرود آمد و امین الدولہ را مشمول مہربانیہا ساخت

میر عبد الجلیل دران وقت با امین الدولہ آشنا نبود اما می دانست کہ از اولاد انصار است چون میر طریقۂ محدثین داشت و ہموارہ در مراعات سنن نبوی می کوشید شفاعت انصار بر خود لازم دید۔

امیر الامرا خوش ذہن بود و شعر خوب می فہمید۔ و در فن تاریخ دانی منفرد می زیست و ارباب کمال را فراوان دوست می داشت و بعد نماز صبح اذن بود کہ صاحب کمالان درآیند و تا یکپاس روز با اینہا صحبت می داشت و تاکید بود کہ دران وقت دیوانیان و متصدیان حاضر نشوند۔

میر عبد الجلیل مرحوم تعریف خوش فہمی امیر الامرا بسیار می کرد و در مرثیہ امیر الامرا قصیدۂ غرا بنظم آوردہ و از فرط محبتے کہ با امیر الامرا داشت بکمال وا سوختگی حرف زدہ قصیدہ این است ؎

آفاق کربلاست عیان از جبین ہند	از جوش خون آل نبی از زمین ہند
شد ماتم حسین علی تازہ در جہان	سادات کشتہ اند مصیبت نشین ہند

نیلی است زین معامله پیراهنِ عرب | وز خونِ گریه سرخ شده است آستینِ هند
گیتی چرا سیاه نگردد ز دودِ غم | خاموش شد چراغ نشاط آفرینِ هند
هند این چنین مصیبتِ عظمی ندیده است | دیدیم داستانِ شهور و سنینِ هند
از داغ دل زدند چراغانِ اشک جوش | این است نوبهارِ گلِ آتشینِ هند
ماهی در آب می طپد و مرغ در هوا | از شیونِ عظیمِ امیرِ مهینِ هند
فرزندِ مصطفیٰ اخلفُ الصدقِ مرتضیٰ | کز روی فخر بود بدانش یمینِ هند
سنهم نشان حسین علی خان شهید شد | از خنجرے که بود نهان در کمینِ هند
آن صفدری که از قلمِ تیغ بارها | تحریر کرده نسخهٔ فتحِ مبینِ هند
تیغش بروزِ معرکه خصمِ تیره بخت | چون برق می شگافت صفِ آهنینِ هند
دریا دلے که بود ز ابرِ عطایش | شادابیِ بهارِ بهشتِ برینِ هند
از سهرِ فلک زده عالیجناب او | در ترکتاز حادثه حصنِ حصینِ هند
منقاد او شدند ازان سرکشانِ دهر | کز داغ ضبط کرد نشان بر جبینِ هند
هند از شهادتش تنِ بے روح گشته است | یعنی که بود او نفسِ واپسینِ هند
عالم چو تیره در نظرِ خلق شد سیاه | افتاد تا ز خاتمِ دهر آن نگینِ هند
گردون ز اختران همه تن اشک گشته است | در اعتناءِ ماتمِ رکنِ رکینِ هند
دل چاک چاک گشت جگر داغ داغ شد | زین غم گشت زهر از و انگبینِ هند
اِسْتَرْجَعَ الملائکُ وَاسْتَعْبَرَ الافلاک | فی هٰذِهِ المُصِیبَةِ سُحْقًا لِلّذین هند
از دستِ ابن ملجمِ ثانی شهید شد | گوئی ز کوفه است گلِ یاسمینِ هند
تا کربلا و تا نجف و تا مدینه رفت | سیلابِ خونِ دیده و آه و انینِ هند
ای دوستانِ آل محبانِ اهل بیت | غمگین شوید بهرِ حسینِ حزینِ هند
تا حقِ اهل بیتِ رسالت ادا شود | بر رغمِ این جماعهٔ منصوبه بینِ هند

از کلکِ من بمرثیۂ سیّدِ شہید	این چند بیت ریخت چو دُرِّ ثمینِ ہند
رضوانِ حق چو سبزۂ قرینِ ضریح او	تا ہست حُسن سبزہ بہ گیتی قرینِ ہند
سالِ شہادتش قلم واسطی نوشت	قتلِ حُسین کرد یزیدِ لعینِ ہند

۱۱۳۲ھ

(۸۴) آصف۔ نوّاب نظام الملک آصفجاہ طاب ثراہ

جدِ[1] مادری او سعد اللہ خان وزیر اعظم صاحبقران شاہ جہان پادشاہ است و جد پدری او عابد خان کہ پدرش عالم شیخ از عظماء اکابر سمرقند و از احفاد شیخ شہاب الدّین سہروردی بود۔

عابد خان در عہد شاہ جہانی وارد ہندوستان گردید و بدولت روشناسی پادشاہ و خدمت گزینی شاہزادہ اورنگ زیب شرف اندوز گشت۔ وچون سلطان اورنگزیب را با برادران محاربہ بہ پیش آمد درین معرکہ ملتزم رکاب بود۔ و بعد از سریر آرائی بمنصب چہار ہزاری اختصاص یافت و در سال چہارم جلوسی بخدمت صدارت کل و بعد ازان بمنصب پنج ہزاری و خطاب قلیچ خان افتخار اندوخت و بعد عزل صدارت شانزدہم جمادی الآخرہ سنہ اثنتین وتسعین والف (۱۰۹۲) کرت ثانی بہ خلعت صدارت آراست و در محاصرۂ قلعہ گلکندہ حیدر آباد بست و چہارم ربیع الاول سنہ ثمان وتسعین والف (۱۰۹۸) بزخم گولۂ توپ نقد جان نثار کرد۔

میر شہاب الدّین خلف عابد خان بمراتب علیا صعود نمود و بمنصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار و خطاب غازی الدّین خان بہادر فیروز جنگ بلند آوازہ گشت و در فتح بیجاپور از بس ترددات نمایان بظہور رسانید بضم لقب "فرزند ارجمند" بر القاب سابق نوازش تازہ یافت۔ و در عہد شاہ عالم بصوبہ داری گجرات

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۸۷۵ مطبوعہ کلکتہ۔

مامور گشت۔ و در ایام حکومت گجرات سنه اثنتین وعشرین و مائة والف (۱۱۲۲) بعالم باقی شتافت

نواب نظام الملک آصف جاه خلف نواب غازی الدین خان نام اصلی او میر قمر الدین است۔ وسال میلاد او سنه اثنتین وثمانین والف (۱۰۸۲)

در ریعان شباب مطرح انظار خلد مکان بود و بمنصب چهار هزاری وخطاب چین قلیچ خان سرافراز۔ و در تسخیر قلعه واکنکیره مصدر ترددات نمایان گردیده باضافه هزاری بمنصب پنج هزاری عروج نمود۔ و بعد رحلت خلد مکان در تنازع شاهزادها سررشته احتیاط بدست آورده ملتزم هیچ طرف نگردید

وچون شاه عالم سریر سلطنت آراست بخطاب خان دوران بهادر وصوبه داری اوده با فوجداری لکهنؤ که دران وقت فوجدار آنجا از حضور مقرر مے شد ممتاز گردید۔ علامه مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی تاریخ خطاب او چنین "خاندوران بهادر" یافت۔ ۱۱۲۴ھ

نواب نظام الملک بکثرت بنابر گرمی بازار امراء جدید و کساد امراء قدیم از نوکری استعفا کرده به دار الخلافه شاه جهان آباد آمد و لباس درویشانه پوشیده خانه نشین گشت

بعد رحلت شاه عالم چون نوبت سلطنت چند روزه به محمد معز الدین رسید بعنایت اصل منصب وخطاب سابق نواختند فقراے قدیم هندوستان بر نواب نظام الملک طعنه زدند که از خرقه درویشی بر آمده به لباس دنیا در آمد طریقه این جماعت در یوزه گری ست از ان وقت با نواب نظام الملک سوال نکردند غیرت این طائفه هم تماشا باید کرد۔

القصه چون محمد فرخ سیر بر تخت خلافت بر آمد بخطاب نظام الملک بهادر

فتح جنگ و منصب هفت هزاری مباهی ساخت و بنظم دکن مامور فرمود۔

و چون ایالت دکن به امیر الامرا سید حسین علی خان قرار گرفت و نواب به پایهٔ سریر خلافت شتافت حکومت مراد آباد تفویض یافت۔

و چون امیر الامرا از دکن به دار الخلافه معاودت نمود و محمد فرخ سیر را عزل کرده پادشاه نو را بر تخت نشاند حکومت مالوا به نظام الملک مقرر ساخت نواب نظام الملک به مالوا آمد۔ و بوی نفاق از امراء پای تخت استشمام نموده در سال دوم محمد شاهی مطابق سنه اثنتین و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۲) متوجه دکن گردید۔

و غرهٔ رجب عبور دریای نربدا نموده قلعه آسیر را از طالب خان و شهر برهان پور را از محمد انور خان برهان پوری به صلح به دست آورد۔ امیر الامرا لشکر جرار به سرداری سید دلاور خان به تعاقب فرستاد۔ نواب به طریق رجع القهقری بمقابله شتافته۔ در موضع حسن پور سرکار هندیه سیزدهم شعبان سال مذکور تلاقی فریقین دست داد۔ سید دلاور خان بقتل رسید۔ و نواب قرین فتح و نصرت به دار السرور برهانپور عود فرمود۔ و هنوز زخم جراحت رسیدگان التیام نیافته بود که سید عالم علی خان برادر زادهٔ امیر الامرا نائب دکن تدارک کربست۔ و از خجسته بنیاد اورنگ آباد جلو ریز جانب برهان پور شتافت و ششم شوال سال مسطور در نواحی بالاپور از توابع صوبهٔ برار جنگی صعب رو داد۔ سید عالم علی خان از فرط تهوری پاسے جلادت افشرده خون خود را بے محابا ریخت و نواب مظفر و منصور داخل اورنگ آباد گردید۔

امیر الامرا به استماع این خبر قطب الملک برادر کلان خود را بضبط و ربط هندوستان از اکبر آباد جانب دار الخلافه مرخص ساخت۔ و خود با پادشاه عازم

دکن گردید- چون قلم تقدیر بزوال دولت سادات بارہہ رفتہ بود اعتماد الدولہ محمد امین خان شخصے را مقرر کرد تا امیر الامرا را در عین سواری پالکی بہ خنجر دغا کشت و این حادثہ ششم ذی الحجہ سال مذکور در منزل تورہ واقع شد- قطب الملک بوصول این خبر وحشت افزا یکے از شاہزادہا را از قلعہ دار الخلافہ برآوردہ بہ سلطنت برداشت و فوجی فراہم آوردہ بہ مقابلہ شتافت- و بعد محاربہ دستگیر گردید-

چون نواب نظام الملک بہ نظم ممالک دکن اشتغال داشت وزارت بر محمد امین خان قرار گرفت-

محمد امین خان پسر خواجہ بہاء الدین است کہ برادر نواب عابد خان مذکور و قاضی بلدہ سمرقند بود- محمد امین خان از عہد محمد فرخ سیر بخشیگری دوم باستقلال داشت- و بطوریکہ تحریر یافت بپایۂ وزارت اعلی مرتقی گشت اما بعد وزارت اجل فرصت نہ داد- و در ایام معدود در گذشت-

نواب نظام الملک خود را از دکن بہ دار الخلافہ رسانیدہ خلعت وزارت پوشید و خواست کہ قواعد خلد مکان را کہ متروک شدہ بود بتازگی رواج دہد امراء خلیع العذار این را مخل مقاصد خود پسند انشتہ مزاج پادشاہ را از نواب نوعے منحرف ساختند-

دریہان ایام مطابق سنہ خمس وثلثین و مأتہ و الف (۱۱۳۵) آثار بغی از ناصیۂ حال حیدر قلی خان ناظم گجرات ہویدا گشت نواب بتادیب او مقرر گردید و بہ این تقریب امرا نواب را از حضور بر آوردند- چون نواب بمنزل جہابوہ قریب گجرات رسید حیدر قلی خان کہ بارادۂ جنگ مسافتے طے کردہ بود تاب مقاومت در خود ندیدہ خود را دیوانہ قرار داد-

نواب بہ دار الخلافہ عطف عنان نمود و در جلدوی این خدمت صوبہ داری مالوا

و گجرات ضمیمۂ حکومت دکن و وزارت مقرر گردید اما از نفاق اُمرا غبار خاطرها افزونی گرفت و در سنہ ست و ثلثین و مائۃ و الف (۱۱۳۶) حکومت تمام ممالک دکن از تغییر نواب مبارز خان کہ از سالہا ناظم حیدرآباد بود مفوض گشت۔ و ملال پنہانی بدرجۂ اعلان رسید۔ نواب مخالفت ہوای دار الخلافہ با مزاج خود و موافقت ہوای مرادآباد کہ پیشتر بحکومت آنجا پرداختہ بود بہانہ ساختہ از پادشاہ رخصت مرادآباد گرفت۔ و چند منزل طے کردہ جلو عزم جانب دکن صرف ساخت و پاشنہ کوب خود را بہ دکن رسانید۔ مبارز خان بہ مقابلہ پیش آمد در سواد شکرکھیرہ شصت کروہ از اورنگ آباد فریقین بہم رسیدند۔ بیست و سیوم محرم سنہ سبع و ثلثین و مائۃ و الف (۱۱۳۷) جنگے عظیم واقع شد۔ مبارز خان بقتل رسید۔ و ممالک مجموع بنواب مسلم گشت۔

بعد ازین پادشاہ بہ استمالت نواب کوشید۔ و ہمیشہ بارسال فرامین عنایت و بذل انعامات مخصوص می ساخت۔ و درین ایام نواب بخطاب آصف جاہ بلند آوازہ گردید۔ و در سنہ خمسین و مائۃ و الف (۱۱۵۰) پادشاہ بمبالغہ تمام نواب را طلب حضور نمود۔ نواب خلف الصدق خود نواب نظام الدولہ ناصر جنگ بہادر را نائب دکن مقرر ساختہ خود بہ دار الخلافہ شتافت و شرف ملازمت پادشاہ دریافت۔ فضل علی خان تاریخ قدوم چنین در سلک نظم کشیدہ ؎

صد شکر کہ ذات دین پناہی آمد　　رونق دہ ملک پادشاہی آمد
تاریخ رسیدنش بگوشم ہاتف　　گفت آیت رحمت الہی آمد
۵۰　۱۱۰۰

نواب ہزار روپیہ نقد و اسپ با ساز نقرہ در وجہ صلہ عنایت نمود

و بعد دو ماہ از وصول دہلی پادشاہ نواب را برای تنبیہ مرہٹہ دکن رخصت فرمود۔ نواب چون بہ اکبرآباد رسید۔ از بعض وجوہ شارع متعارف جنوبی گذاشتہ

سمت شرقی روان گردید۔ و بر سر اٹاوہ و مکن پور مرور نمودہ زیر کالپی دریاے جمن را عبور فرمود۔ و از انجا رو بہ جنوب کرد۔ و بملک مالوا در آمد

فقیر درہمین ایام عازم حرمین شریفین زادہما اللہ کرامۃً شد و سیوم رجب سال مذکور از بلگرام برآمد و از قنوج راہ اکبرآباد گرفت۔ موکب نواب از قرب قنوج متوجہ کالپی شد اما سرِ نہضت نواب بہ آن سمت معلوم نبود۔ بعد از ان کہ فقیر سہ منزل طی کرد خبر رسید کہ نواب از دریای جمن گذشتہ رو بہ دکن آورد بمجرد وصول این خبر انبساط عجیبے دست داد کہ از غیب بدرقہ راہ بہم رسید۔ و طریق اکبرآباد گذاشتہ عنان بجانب کالپی منعطف ساختم و نہم رجب ببیست کروہ جنوبی کالپی وصول بموکب آصفجاہی اتفاق اُفتاد

نواب بعد طی منازل بشہر بھوپال از توابع صوبۂ مالوا رسید و فوج مرہٹہ از دکن استقبال کرد۔ در ماہ رمضان سال مسطور جنگہای صعب در سواد بھوپال واقع شد۔ چون آمد آمد نادرشاہ گرم بود۔ نواب مصالحہ را صلاح وقت دیدہ بہ دار الخلافہ رجعت نمود۔

چون نادرشاہ استیلا یافت و گذشت آنچہ گذشت نواب را نسبت بہ سایر امرا فراوان رعایت و مدارای کرد۔ چون امیر الامرا خان دوران در جنگ نادرشاہ جانفشانی نمود پیش از استیلاء نادرشاہ منصب امیر الامرائی ضمیمہ مراتب دیگر بہ نواب مقرر گشت و بعد رفتن نادرشاہ بحال ماند۔

و در سنہ ثلث و خمسین و مائۃ و الف (۱۱۵۳) نواب از پادشاہ رخصت دکن گرفت۔ و قطع مسافت نمودہ پرتو قدوم بر سواد برہان پور افگند۔ مغویان نواب نظام الدولہ ناصر جنگ را برین آوردند کہ سدّ راہ باید شد۔ اکثر سرداران افواج دکن نخست عہد اتفاق بستند۔ آخر بہ نظر نمک خوارگی نواب آصف جاہ

دراقدام حرب تقاعد نمودند۔ نواب نظام الدّوله زنگ فوج مشاهده کرده در روضهٔ شاه برهان الدّین غریب گوشهٔ عزلت گرفت۔ چون رایات آصفجاه بعد تنظیم و تنسیقِ ملک و نصب حکام جدید اوائل موسم برشکال قریب به اورنگ آباد رسید نواب نظام الدّوله به اندیشهٔ آنکه مبادا آویزشی روددهد از روضه بقلعه ملهیر رفت نواب آصفجاه موافق قاعدهٔ مستمر در موسم براشکال افواج را باوطان وچراگاه رخصت فرمود۔ وجریده در اورنگ آباد نشست۔ چون شیطان لعین راه زن بنی آدم است تا بحدیکه نتائج انبیا را بزور تسویلات از راه می برد۔ و بمعارضه تَا للّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ گستاخ می سازد۔ نواب نظام الدّوله بتحریک واقعه طلبان اراده اورنگ آباد مصمّم ساخت۔ وقریب هفت هزار سوار فراهم آورده بایلغار قریب اورنگ آباد رسید۔ نواب آصفجاه باهر قدر مردم که حاضر بودند و توپخانه در سواد شهر جانب عیدگاه بمدافعه قیام نمود۔ ببستم جمادی الاولی سنه اربع وخمسین ومائة والف (۱۱۵۴) وقت شام جنگ قائم شد از کثرت توپخانه آصف جاهی وظلمت شام وتنگی وقت۔ فوج طرف ثانی ازهم پاشید نواب نظام الدّوله فیل را تاخته با معدودی خود را قریب فیل نواب آصفجاه رسانید۔ وزخمی شده در دست پدر والاگهر اُفتاد۔

نواب آصفجاه در سنه ست وخمسین ومائة والف (۱۱۵۶) که عزم بتسخیر ملک کرناتک بربست۔ وبعد وصول آن دیار اوّل قلعه ترچناپلی را که در دست مرهته بود محاصره کرده مفتوح ساخت۔ وبعد ازان ملک ارکاٹ را از قوم نوایت که از مدتے آن الکه را در تصرف داشتند انتزاع نمود وحکومت آنجا به انورالدین خان شهامت جنگ گوپاموی از جانب خود مقرر فرموده در سنه سبع وخمسین ومائة والف (۱۱۵۷) به خجسته بنیاد مراجعت کرد

و در سنہ تسع و خمسین و مأتہ و الف (۱۱۵۹) قلعہ بالکنڈہ از توابع حیدرآباد کہ در دست بعض امراء دکنی بود بعد محاصرہ در فرصت کمی مفتوح ساخت

و در سنہ احدی و ستین و مأتہ و الف (۱۱۶۱) خبر آمد آمد احمد خان ابدالی از جانب کابل بہ شاہجہان آباد گرم شد۔ نواب بہ اقتضاء مصلحت ملکی از اورنگ آباد بسمت برہان پور نہضت فرمود۔ فقیر بہ تکلیف نواب نظام الدولہ حاضر این سفر بود در برہان پور خبر رسید کہ احمد شاہ ظفر یافت و احمد خان ابدالی شکست خوردہ راہ کابل گرفت۔

نواب آصفجاہ را درین ایام مرضی شدید عارض شد۔ بہمان حالت بیست و ہفتم جمادی الاولی خیمہ جانب اورنگ آباد برآورد۔ و از استیلاء مرض در سواد شہر برہان پور زیر خیمہ وقفہ کرد و بیماری روز بروز قوت مے گرفت تا آنکہ چہارم جمادی الآخرہ وقت عصر سنہ احدی و ستین و مأتہ و الف (۱۱۶۱) رایت بممالک جاودانی برافراخت۔

وقت برداشتن نعش نعرہ ای از خلق برخاست کہ زمین و زمان در لرزہ در آمد۔ امراء عظام جنازہ اش را دوش بدوش بہ میدانے رسانیدند۔ و نماز ادا کردہ بہ روضۂ شاہ برہان الدین غریب قدس سرہٗ روانہ ساختند۔ و بپایان مرقد شیخ مائل قبلہ بخاک سپردند۔ "منتخب بہشت" تاریخ رحلت اوست کہ راقم الحروف یافتہ ۱۱۶۱

بر واقفان اسرار سلف ہویداست کہ در طبقۂ سلاطین تیموریہ و طبقات پیشین امیرے بہ این اقتدار چشم روزگار کم مشاہدہ کرد۔ قریب سی سال بایالت ممالک دکن پرداخت و قلمروے کہ زیر فرمان چندین سلاطین ذوی الاقتدار بود تنہا در تصرف داشت و فتوحاتے کہ کارنامۂ روزگار باشد بجلوہ آورد۔

و مستحقین را بہ خیرات و مبرات فراوان نواخت۔ از دفتر صدارت تحقیق نمودہ

شد که سه لکه روپیه بدستخط او سوای انعامات بادشاهی در صوبجات دکن بطریق یومیه و ورماهیه به ارباب استحقاق می رسید۔ وسوای این قریب یک لکه روپیه بمردم حج رو وغیرهم رعایت می فرمود۔

سادات وعلما ومشائخ دیار عرب و ماوراالنهر وخراسان وعراق عجم و هندوستان آوازهٔ قدردانی استماع یافته رو به دکن آوردند۔ و در خور قسمت حظے از احسان عام اندوختند۔

فقیر را با نواب آصفجاه صحبتهای متوفی دست داد۔ در صحبت اوّل اتفاقاً هندوئے به ارادهٔ اسلام حاضر شد و شرف اسلام دریافت۔ عرض بیگی بعرض رسانید که اُمیدوار نام است۔ فرمود نامی باید گذاشت که مُشعر دینِ اسلام باشد فقیر گفتم مثلاً دین محمد۔ فرمود دیروز هندوئے مسلمان شد نام او دین محمد گذاشته شد۔ گفتم دین محمد هر قدر زیاده شود بهتر اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ بسیار منبسط گشت وهمین نام مقرر نمود

نواب طبع موزونے داشت و دیوانے ضخیم از نتائج طبعش فراهم آمده۔ وقتے که بتقریب وزارت از دکن به شاهجهان آباد تشریف آورد۔ فقیر در شاهجهان آباد بودم۔ زادهٔ طبع خود که ؎

کی سوی چمن میرود آن دستِ حنائی　　امروز که آئینهٔ گلزار بدست است

برای اتمام غزل در مجمع شعرا انداخت۔ نواب امین الدوله وقائع خوانِ حضورِ معلی۔ علامهٔ مرحوم میر عبد الجلیل را تکلیف کرد۔ میر قصیده درین زمین طرح کرد که مطلعش این است ؎

تا حُسن ترا مشعلِ انوار بدست است　　مه را همه شب کاسه گدا وار بدست است

نواب امین الدوله قصیده را به نواب آصف جاه رسانید۔ محظوظ شد و تکلیف

ملاقات فرمود میر قصیدۂ دیگر در مدح نواب آصف جاہ پرداخت۔ شبی بموافقت نواب امین الدولہ نزد نواب آصف جاہ رفت۔ نواب اعزاز و اکرام فراوان بعمل آورد و برابر خود بنشا صلہ جا داد۔ و چون نسخۂ قصیدہ از نظر گذشت شمع را نزدیک طلبید اشارہ بانشاء قصیدہ کرد۔ ہر یک بیت را بفہم در آوردہ بتوجّہ تمام اصغا نمود و جواہر تحسین افشاند۔ بعد استماع قصیدہ صلۂ نقد و خلعت و اسپ تکلیف فرمود۔ علامۂ مرحوم موافق ضابطۂ قدیم خود نپذیرفتند۔ قصیدہ این است ؎

بہار آمد و واکرد غنچہ بند قبا
گرہ ز خاطرِ بلبل کشود فیضِ صبا

ز بسکہ سبزہ و گل در چمن ہجوم آورد
نسیم کرد بصد حیلہ جایِ خود را وا

گرفت قہوہ بکف در پیالۂ یاقوت
برای شاہدِ نو روز لالۂ حمرا

ببین بہ لالہ و تحریک غنچہ در ہر برگ
چو طوطئی کہ ز منقار وا کند پرہا

شکنج طرۂ سنبل کمند صیدِ نظر
نگاہ دیدۂ نرگس فسون ہوش ربا

دمید نغمہ ز منقار بلبل خوشگو
چو گلبنی کہ از و بشگفد گلِ رعنا

فزود حسن چمن از سحاب گوہر بار
چنانچہ شانِ وزارت ز عمدۃ الوزرا

نظام ملت و ملک افتخار اہلِ کرم
قوام دین و دول آفتاب مجد و علا

بود چنین وزارت بہ از نظام الملک
کہ نقش ثانیِ بہتر کشد نگار آرا

مشابہ بکفِ او بحر چون تواند شد
کہ نقص جزر بود مد بحر را بقفا

حباب نیست کہ بحر از تشبہ کف او
کلاہ فخر بیند اخت از خوشی بہوا

رسن ز موج زدہ بر میان بکف کشتی
کہ زو سوال کند چون قلندرِ دریا

ز بیم کثرت جودش محیط نالہ کند
گواہ اوست برین بیم رعشۂ اعضا

گرفت خنصر یمنی خرد ز دانش او
چنانکہ خلق ز جودش اصابع یسری

رسیدہ است بجای تقدس ذاتش
کہ چون ملک بود از جنسِ انس مستثنا

چو او ندیده امیری مهذب الاخلاق — بعینکِ مہ و مہر این سپہر پشت دوتا
مثال رُوح مصور بود بپاکی ذات — نشانِ عقل مجسم بود بہ فہم و ذکا
چکد ز سنبل و گل شیشه شیشه عنبر و عطر — چو گرم جوشیِ خلقش شود چمن پیرا
صفای آینہ را سے او بود چندان — کہ می نماید از و آنچہ رو دہد فردا
کرم ز دستِ گہربار او بود ممنون — ظفر بہ تیغ چمن کار او بود شیدا
تعجب است ز شمشیر آتش افروزی — کہ جائی تیغ کف است و کف است بحرِ عطا
گره گره نبود نیزۂ عدو شکنش — کہ بند گشتہ درو جا بجا دلِ اعدا
گہِ نبرد بود ہمچو ابر صاعقہ بار — کمان چو قوس قزح تیر چون شہاب رسا
ہزار شکر کزو مسندِ وزارت یافت — ہمان کہ یافت تنِ عاذرا ز دمِ عیسےٰ
برسم جشن طرب چید بزم رنگینی — کہ از تصورِ آن خامہ گشت شاخِ حنا
ترانہ سنج زمرغولہ ساخت چو گانے — ربُود گوی دلِ سامعان بحُسنِ ادا
سپہر شد ہمہ تن دیدۂ تماشائی — پیے نظارۂ این محفلِ نشاط افزا
بو قورلتاد تو توک دن چو چوک توشوق چیقدی — تو تو کچی قولو د تو توک بولدی نیشکر موندا
تو شوق نسیم دن آچیلدی کوپ کو کل پندو کب — قیوز تقتلغ بولسون بلند قلدی نوا
محیط مدحت او را کرانہ پیدا نیست — بزورقِ قلمی چون توان نمود شنا
شعار من نبود شعر بس کنم زین حرف — کز اہل فضلم و خوب است ز اہل فضل دعا
اَقُولُ وَفَّقَكَ اللّٰهُ دَائِمًا بِالْخَيْرِ — بِهِ انْتِظَامِ اُمُوْرِ الْاَنَامِ فِي الدُّنْيَا
اَدَامَ قَدْرَكَ فِي الْجَاهِ مَا سَمَا الْاَفْلَاكَ — وَشَدَّ اَمْرَكَ بِالْعِزِّ مَا رَسَتْ بِهِ ي
فَاَنْتَ خَيْرُ ظَهِيرٍ لِمِلَّةٍ مَا اللّٰهُمَّ — وَاَنْتَ خَيْرُ نَصِيرٍ لِزُمْرَةِ الضُّعَفَا
قَدِ اسْتُجَابَ دُعَائِيَ اِلٰهُنَا الْمُتَعَال — بِمُرْسَلٍ عَرَبِيٍّ وَّ آلِهِ النُّجَبَا
ز فضل کرکرم تیغ و نیزه می گیرم — کہ بر جلادت من شاہد اند این دو گوا

زد و الفقار چو برہان قاطعی دارم | بروز معرکہ فیصل نمایم این دعوی
قلم نوشت برای وزارتش تاریخ | وزیر کشور ہند آصف دوام ابقا
ہزار و یکصد و سی و چہار نص نشاط | دو گونہ جوہر تاریخ از و شود پیدا
نظمت فی العربی الفصیح تاریخا | حلی وزارتہ سالک الربیع لنا
اسیس دے کے کہی ہندوی موں یون سنیت | رہے جگت موں اچل باس یہ وزیر سدا
خرد بخامہ عبد الجلیل کرد ارشاد | کہ ختم کن بدعا این قصیدۂ غرا
ملائک از پی آمین این دعا شدہ اند | برنگ نرگس و گل چشم و گوش توق سما
ہمیشہ ہر دو زہم شاد و کامران باشند | وی از وزارت و از وی وزارت اعلیٰ

(۸۵) آفتاب[1] - نواب نظام الدولہ[2] بہادر ناصر جنگ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

امیرے بود دین پرور۔ عدالت گستر غیور صاحب عزم۔ صف آرای بزم و رزم در اجرای احکام شریعت غرا جہد وافی می نمود۔ و در فریادرسی عاجزِ نالانِ بے دست و پا توجہ تام می فرمود۔ در فصاحت تقریر و ادراک لطائف سخن کوس یکتائی می نواخت و بذکر سوانح سالفہ سلاطین اولو العزم گوش مستمعان را لبریز دُرر می ساخت

پایۂ مشق سخن را بہ تتبع میرزا صائب بجائے رسانیدہ بود کہ موشگافان دقائق معانی و رموز یابان لطائف سخن انی نمیتوانستند راہی بفرق تحقیق و تقلید کشود

از مبادی سنِ شعور بمقتضای علو ہمت و فرط شجاعت ہوای تسخیر ممالک عظیمہ در سر داشت۔ نواب آصف جاہ در سنہ خمسین و مائۃ و الف (۱۱۵۰) حسب الطلب محمد شاہ پادشاہ بدار الخلافہ دہلی شتافت۔ و رتق و فتق صوبجات دکن بر سبیل

---

[1] تاریخ الافکار صفحہ ۰۰ مطبوعہ مدراس ۱۸۴۳ء۔

[2] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۸۴۸ مطبوعہ کلکتہ۔

نیابت به پسر والاگهر تفویض نمود- نواب نظام الدوله در تنظیم و تنسیق امور مملکت و امنیت بلاد و امصار و رفاه و فلاح عامۂ خلائق تدابیر صائبہ و مساعی جمیلہ بظهور آورد - و به بذل انعامات و عطای مناصب و خطابات و جاگیرات وضیع و شریف منتسبانِ دولت عظمی را موردِ نوازش ساخت و غنیم مرهته را که در دکن تسلّط بهم رسانیده و صوبۂ مالوا را بتصرّف درآورده و تا حوالی دہلی زبر و زبر ساخته گوشمال واقعی داد و عرصۂ دکن را از ترکتاز حوادث محفوظ و مصئون داشت

و چون نواب آصفجاه از دار الخلافه دہلی الویه توجّه به دکن برافراخت مغویان نواب نظام الدّوله را بر سرِ مخالفت آوردند- و محاربه بوقوع آمد نوعی که- (در ترجمۂ نظام الملک) گذارش یافت

و در سنه خمس و خمسین و مأته و الف (۱۱۵۵) نواب آصفجاه فرزند گرامی را از عتاب برآورد و در سنه ثمان و خمسین و مأته و الف (۱۱۵۸) در حیدرآباد او را موردِ نوازش فرمود و صوبه داری اورنگ آباد تفویض نموده رخصتِ آن بلده ساخت-

و در سنه تسع و خمسین و مأته و الف (۱۱۵۹) نواب آصفجاه از حیدرآباد به دہارور رسیده پسر را از اورنگ آباد نزد خود طلبید- نواب نظام الدّوله خود را بحضور رسانید-

نواب شهید ابتداءً در همین سفر فقیر را تکلیف رفاقت نمود و در اسفارے که پیش می آید با خود داشت و به اختیار مفارقت رضا نداد-

القصّه پدر و پسر بنا بر مصلحت ملکی جانب والکنکیرا خرامش نمودند- از انجا نواب آصفجاه پسر را بطرف میسور رخصت فرمود که از راجۂ میسور پیشکش بدست آورد- و خود به اورنگ آباد مراجعت نمود- نواب شهید بعد وصول سرِ رنگ پتن

که دار الاقامه راجۂ میسور است تحصیل پیشکش نموده خود را پیش پدر به اورنگ آباد رسانید۔ و عنقریب پدر و پسر جانب دار السرور برهان پور خرامیدند۔ نواب آصفجاه در دار السرور متوجّه دار السرور شد و نواب نظام الدّوله مسند ایالت دکن را زیب و زینت بخشید۔ و از برهان پور بصوبه اورنگ آباد که مقرّ خلافت دکن است متوجه گشت و ایام برشکال را در انجا بسر برد۔

درین اثنا احمد شاه فرمان روای هندوستان بجهت اصلاح امور سلطنت که بسبب نزاع و نفاق اعیان حضور منجر بفساد عظیم شده بود۔ شقۂ طلب به خط خاص نوشت

نواب باوصف موانع و مفاسد دکن و وسواس بنی هدایت محی الدین خان دختر زادۂ نواب آصفجاه که از عهد آصفجاه به حکومت رائچور و ادونی مے پرداخت محض به امتثال حکم ظل الٰهی و اصلاح کارهای پادشاهی با فوج گران و توپخانۂ فراوان عازم هندوستان شد۔ و تا دریای نربده اجلو ریز خود را رسانید درین ضمن شقۂ دستخط خاص پادشاه ناسخ عزیمت حضور ورود نمود و اخبار سرکشی و بے اعتدالی هدایت محی الدین خان نیز بسبب تواتر رسید لهٰذا مراجعت به اورنگ آباد نموده موسم برشکال درینجا گذرانید۔

درین فرصت حسین دوست خان عرف چندا از رؤساء نوایت ارکات به هدایت محی الدین خان پیوسته او را به گرفتن ارکات تحریض نموده۔ هدایت محی الدین خان رو به ارکات آورد و در انجا جم غفیرے از فرنگیان فرانسیس ساکن بندر پهلچری بوساطت چندا با افواج هدایت محی الدین خان ملحق شدند۔ و به اتفاق بر سر انور الدین خان شهامت جنگ گوپاموی که از وقت نواب آصفجاه ناظم ارکات بود رفتند۔ شانزدهم شعبان سنه اثنین و ستین و مائة و

والف (۱۱۶۲) معرکهٔ قتال آراسته شد بحسب تقدیر شهامت جنگ درجهٔ شهادت
یافت

نواب نظام الدوله بمجرد ظهور این سانحه درصدد گرد آوری افواج - و اجتماع
سرداران نامی دکن و افزونی مصالح حرب گشته با هفتاد هزار سوار جرار و توپخانه
بیشمار و یک لکه پیاده بعزم تنبیه باغیان لوای عزیمت افراخت - و تا بندر پهلچری
که پانصد کروه جریبی از خجسته بنیاد مسافت دارد - پاشنه کوب رسیده صف آرای
میدان نبرد گردید - بیست و ششم ربیع الآخر سنه ثلث و ستین و مائة والف (۱۱۶۳)
تا سه پاس کامل آتش خانهٔ فرنگ سرگرم اشتعال بود - آخر کار بیست و هفتم فرنگیان
از رعب و مهابت محمدیان رو به هزیمت آوردند و هدایت محی الدین خان زنده بگیر
آمد نواب بحکم لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ هدایت محی الدین خان را زنده نگاه داشت
و مصاحبان و لشکریان او را قاطبةً از جان و مال امان بخشید دولت خواهان هرچند در
پیشگاه نواب بدلائل قاطعه ثابت کردند که بقای هدایت محی الدین خان موجب
هیجان مادهٔ فتنه است او را از میان باید برداشت - نواب ترحم را کار فرموده هرگز
بقتل راضی نشد و محفوظ نگاه داشته مردم را برای تقدیم لوازم خدمت تعیین ساخت -

نا انصافان قدر این نعمت غیر مترقب نشناختند و بفحوای کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِه
احسان جان بخشی بر طاق نسیان گذاشته پنهان کمر بدخواهی چست بستند - و فرنگیان
با وصف شکست فاحش هنوز مصدر انواع شورش و خیره سری گردیدند

و (نواب) بضرورت قلع ریشهٔ فساد - توقف دران سرزمین واجب دانسته متوجه
ارکات شد - و فوجی بمدافعهٔ آن گروه باطل پژوه تعیین نمود - از نیرنگی قضا و قدر چشم
زخمی بفوج اسلام رسید و قلعه نصرت گده چینجی که پای تخت الکه کرناتک است
بتصرف فرانسیس رفت - نواب از کمال غیرت و حمیت دین متین و مراعات رسم و آئین

ملک داری کہ تدارک ہر امرے باید فوراً بظہور رسیدہ عبرت افزای متمردان گردد۔ باوصف شدت برشکال و مشاہدۂ طوفان نوح۔ و صعوبت عبور و مرور۔ و انقطاع رسد غلہ۔ خود بدولت متوجہ تنبیہ کفرہ فجرہ گشت۔ و یازدہم شوال سنہ ثلث وستین و مأتہ و الف (۱۱۶۳) از ارکات کوچ فرمود۔ و ہفدہم ماہ مذکور بہ اشارۂ درویشی از جمیع منہیات توبہ کرد و تا نفس واپسین بر حالت توبہ ماند۔

ازانجا کہ فلک شعبدہ باز در ہر جزو زمان نقشے تازہ بر روی کار می آرد۔ سرداران افاغنہ کرناتک کہ درین بیساق ملازم رکاب بودند۔ باوصف شمول عنایات و انواع رعایات و حقوق پرورش مطلقاً پاس نمک خوارگی ولی نعمت نداشتہ۔ و از قہر و غضب منتقم حقیقی نیندیشیدہ بہ طمع ملک و مال باطناً بافرنگیان بے دین متفق و یکدل شدند۔ وجمعے از کافر نعمتان دیگر را ہم ضمیمۂ ادبار خود ساختند۔ و جواسیس خود فرستادہ فرنگیان را کہ زیر قلعہ چنجی اجتماعی داشتند بقصد شبخون طلبیدند۔ شب ہفدہم محرم بحساب منجم سنہ اربع وستین و مأتہ والف (۱۱۶۴) آخر شب رسیدہ یکایک جنگ انداختند

اگر افاغنہ بتقویت نصاری نمی پرداختند آن جماعہ کہ شرذمۂ قلیل بودند قدرت نداشتند کہ رو بہ لشکر اسلام آرند

ہرچند بعضی دولت خواہان پیش ازین بہ نواب رسانیدند کہ افاغنہ بر سبیل غدر اند از کمال صفائی طینت اعتبار نہ کرد کہ من با ایشان چہ بد کردہ ام تا بجدی کہ وقت جنگ فیل را جانب افاغنہ راند کہ بہ اتفاق اینہا فرنگیان را باید برداشت ہمین کہ فیل نواب قریب فیل ہمت خان سردار افاغنہ رسید۔ نواب تواضعاً پیش از مجرای او دست بسر گذاشت۔ از ان طرف آداب مجرا اصلاً بجا نیامد۔ چون صبح ہنوز خوب ندمیدہ بود نواب بہ گمان کرد کہ مرا نشناختہ اند۔ اندکی خود را در عماری بلند ساخت

درہمان فرصت ہمت خان شخصی کہ در خواصی او نشستہ بود تفنگہا معاً سر دادند ہر دو تیر و تفنگ بہ سینۂ نواب رسید و کار آخر شد۔ افاغنہ سر نواب را بریدہ بر نوک نیزہ کردند و سلوکے کہ اُمت در ماہ محرم با امام الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کردہ بودند نوکران نواب با نواب کردند اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مردم لشکر آخر روز سر را با تن ملحق ساختند۔ و تابوت را روانۂ خجستہ بنیاد نمودند و پائین مرقد شاہ برہان الدین غریب نزد نواب آصفجاہ زیر خاک سپردند۔

شہادت نواب قریب قلعہ جنجی بفاصلہ بیست کروہ از پھلچری واقع شد۔ راقم الحروف گوید؎

نواب عدل گستر عالی جناب رفت	فرصت نداد تیغ حوادث شتاب رفت
در ہفدہم ز ماہ محرم شہید شد	تاریخ گفت نوحہ گرے۔ آفتاب رفت ۱۱۶۴ھ

دران شب کہ آبستن صبح قیامت بود فقیر تمام شب نزد نواب حاضر بود۔ وقت دستار بستن آئینہ طلبید و بدستار بستن مشغول شد دران حال با عکس خود مکرر خطاب کرد کہ ای میر احمد! خدا حافظ تست نام اصلی او میر احمد است۔ وقت سوار شدن با وصف آنکہ وضو داشت تجدید وضو نمود و دوگانہ نماز ادا کرد و تسبیح گردانان و ادعیہ خوانان بر فیل سوار شد۔

و معمول نواب بود کہ در محاربات از سر تا پا آہن می پوشید دران شب جز جامۂ یک تہی ہیچ نپوشید و بہمین حالت بمرتبہ علیای شہادت فائز گردید۔

حافظ محمد اسعد مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمود کہ بخاطر من گذشت کہ شہادت نظام الدولہ عند اللہ چہ طور باشد۔ روز ہفتم از شہادت بعد فراغ از نماز صبح مستقبل قبلہ نشستہ بودم کہ بیخودی دست داد۔ بَیْنَ النَّوْمِ وَ الْیَقْظَۃِ مشاہدہ می کنم کہ دو شخص بلباس عرب یکے دریمین من است و دیگرے در یسار شخص یمین بہ شخص یسار گفت

كَيْفَ شَهَادَتُهُ نِظَامِ الدَّوْلَهُ او جواب داد اِنَّهُ لَشَهِيْدٌ وَ اِللهِ لَعَنَ قَاتِلَهُ ۱۱۶۴

چون بافاقہ آمدم شبہ کہ درخاطر راہ یافتہ بود رفع شد۔ وصحت شہادت بیقین پیوست۔ باز بخاطر گذشت کہ تاریخے برای شہادت این امیر فکر باید کرد۔ با خود گفتم این عبارت را حساب باید کرد شاید بہ تغییر وتبدیل تاریخ شود۔ چون حساب کردم عبارت بی زیادت ونقصان تاریخ برآمد۔

حافظ محمد اسعد مذکور رحمہ اللہ تعالی مولد او مکہ معظمہ است نزد شیخ تاج الدین مکی ودیگر علماء حرمین شریفین تلمذ کرد ودر منقولات خصوص حدیث و فقہ بے نظیر زمانہ بود۔ ودر استقامت دین وسلوک جادۂ شریعت جدّ وجہد تمام داشت۔ فقیر را اوّل در طائف با او ملاقات دست داد وبعد ورود ہند باہم صحبتہا اتفاق افتاد

ذات بابرکات بود روز جنگ افاغنہ کہ شرح آن عنقریب می آید ہفدہم شہر ربیع الاول روز یکشنبہ وقت ظہر سنہ اربع وستین ومائۃ والف (۱۱۶۴) بہ زخم چند تیر شربت شہادت چشید۔

مدفن او میدان جنگ سرزمین لکر بیت پلی بفاصلہ یک فرسخ از موضع رای چوتی ویک فرسخ از درہ کمار کالو کہ درہ ایست مشہور در نواحی کربپہ

راقم الحروف گوید

مَضٰى حَبْرُنَا اَسْعَدُ الْاَتْقِيَا   اَلَا لَا يُرٰى مِثْلُهُ وَاحِدًا
تَقَبَّلَهُمُ اللهُ تَارِيْخُهُ   قَضٰى نَحْبَهُ عَالِمٌ مَاجِدٌ
۱۱۶۴

نواب نظام الدولہ نوبتے در ارکات بشکار آہو رفتہ کہ موافق ضابطہ قراولان رام کردہ بودند تشریف فرمود آہو را زیر خیمہ قریب مسند آوردہ نشاندند نواب با حضار مجلس خطاب کرد کہ این را شکار باید کرد یا آزاد باید ساخت چون

خاطر مائلِ شکار بود موافق مرضی بعرض رسانیدند که شکار باید کرد آخر نواب از فقیر پرسید چه باید کرد گفتم نقلے بیاد آمده - اگر حکم شود التماس کنم - فرمود چیست گفتم پادشاہے بقتل اسیری حکم کرد - ضابطه است که هرگاه شخصی را می خواهند بقتل رسانند استفسار مے کنند که اگر آرزوئے داشته باشی ظاهر کن - اگر امری ظاهر می کند بعمل می آرند - چون اسیر را پرسیدند گفت همین آرزو دارم که یک مرتبه در مجلس سلطانی باریاب شوم پیرم بعرض پادشاه رسانیدند درجهٔ قبول یافت - و اسیر را در بارگاه حاضر ساختند - و استفسار کردند که عرضی داری گفت بخیر - وقتیکه پادشاه از مجلس برخاست اسیر بعرض رسانید که گنهگار واجب القتلم امّا حق صحبتے بر پادشاه عالم ثابت کرده ام پادشاه ازین حُسن ادا مسرور شد و او را امان داد حالا این آهو هم حق صحبت ثابت کرده است - پیشتر هرچه مرضی مبارک باشد

نواب لب بتبسم شیرین کرد و آهو را هم نام فقیر یعنی آزاد ساخت میرزا جلال اسیر حرف با مزه می گوید ؎

مزهٔ کباب آهو نمکِ خلاصی او ‏ ‏ ‏ ‏ اگر از میِ مروت قدحے چشیده باشی

شبے در اورنگ آباد نواب سادات عرب را دعوت کرد - و دورِ قهوه درمیان آمد نواب قهوه را بسیار دوست می داشت - یکے از ساداتِ مدینه منوّره خالی ذهن با نواب گفت اَلْقَهْوَةُ مُحَرَّمَةٌ عِنْدَ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ نواب با فقیر خطاب کرد که مولانا چه میفرمایند گفتم - غرض مولانا این است که قهوه نزد بعضے علما معظم است و محرم از مادهٔ احترام است نواب ساکت شد و سید هم فهمید - و بعد برخاستِ مجلس ادائے شکر کرد که کلام مرا عجب توجیهے فوراً بخاطر رسانید -

روزے در عرض راه فیل سواری نواب و فیل سواری فقیر برابر می رفت و باهم حرف داشتیم - حدیث جبل احد مذکور شد که هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ فقیر

آن را نظم کردم و اخلاص نواب را با خود باقتباس حدیث شریف ادا ساختم ؎

هُوَ نَاصِرُ الْاِسْلَامِ سُلْطَانُ الْوَرٰی　　اَلْقَاهُ فِی الْعَیْشِ الْمُخَلَّدِ رَبُّهٗ
حَازَ الْمَنَاقِبَ وَالْمَاٰثِرَ کُلَّهَا　　حَبْلُ الْوَفَاءِ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ

فقیر سوای این قطعہ عربی کہ بطریق اخلاص برزبان گذشت و رباعی کہ در استغنائ سفر حج نسبت بہ نواب آصفجاہ نظم شد لب بمدح دولتمندے نکشودہ - رباعی این است ؎

ای حامی دین محیط جود و احسان　　حق داد تُرا خطاب آصف شایان
او تخت بدرگاہِ سلیمان آورد　　تو آلِ نبی را بہ درِ کعبہ رسان

نواب شہید ذکاءِ طبع و سرعتِ اندیشہ بدرجۂ کمال داشت - و در لجۂ غزل طولانی آبدار بہ نظم می آورد - روزے از علو مزاج خود حرف زد کہ ہرگاہ غزلی در زمینِ اُستاد فکر کردہ مے شود دل می خواہد کہ قوافی تازہ بہم رسد - گفتم قافیہ اجیر مشترک است اشتراک قوافی ہیچ مضایقہ ندارد - بسیار شگفتہ شد -

دیوان ضخیمی دارد - بعد شہادتِ او شخصے دیوان او را کشود سرِ صفحہ این مطلع برآمد ؎

گر تُرا خواہشِ قتل است بیا بسم اللہ　　دمِ شمشیرِ تو و گردنِ ما بسم اللہ

و بیاد دارم کہ شبے غزلے مشق کرد و ہرگاہ در خانۂ فکر می نشست اشعار آبدار مسلسل می تراوید - چون این بیت از طبعش سرزد ذوقی کرد ؎

از پنجۂ اجل نہ ہراسیم ہیچ گاہ　　ما ناف خود بہ تیغ شہادت بریدہ ایم

این چند بیت از و در خزانۂ حافظہ موجود بود ؎

کدام گل بہ چمن گوشۂ نقاب شکست　　کہ شبنم آینہ بر روے آفتاب شکست
ای دل ز زلف یار مدد میتوان گرفت　　سر رشتۂ زعمر ابد مے توان گرفت

گر بیخودی بمیکده فال سفر زند — از چشم مست یار بلد مے توان گرفت

ای شوخ هوائی مفگن تیر نگه را — این ناوک بیداد بکار جگرے کن

مرنجان خاطرم جانان مزاج نازکی دارم — تو گر از حسن مغروری من از عشق تو مغرورم

از گل گوشهٔ دستار بخود مے لرزد — قد او تازه نهالی است که من مے دانم

بعد شهادت نواب نظام الدوله- افاغنه و نصاری هدایت محی الدین خان را بسرداری برداشتند- و افاغنه در جلدوی این حرکت قلاع و ملک بسیاری از هدایت محی الدین خان نوشته گرفتند- هدایت محی الدین خان با افاغنه پهلچری رفت- و کپتان یعنی حاکم آنجا را ملاقات کرد و جمعی از سپاه نصاری همراه گرفته عازم حیدر آباد شد- و بر سر ارکات عبور نموده در ملک افاغنه در آمد- قضا و قدر اسباب انتقام نواب نظام الدوله آماده ساخت- و در دل هدایت محی الدین خان و افاغنه غبار نفاق بر انگیخت- روزی که در سرزمین لکهیت پلی مخیم شد ناخوشی طرفین به اعلان رسید- و عائد پرخاش شد- از یک طرف هدایت محی الدین خان و نصاری و از طرف دیگر افاغنه مستند شده صف آرای قتال گردیدند- همت خان و دیگر سرداران افاغنه بقتل رسیدند- و کار هدایت محی الدین خان نیز بزخم تیرے که در حدقهٔ چشم رسید آخر شد- اعیان لشکر نواب صلابت جنگ بن آصفجاه را سردار ساختند- و سر همت خان و دیگر سرداران افاغنه را بر نوک نیزه کرده و شادیانه نواخته داخل خیام گردیدند-

در این سانحه هفدهم ربیع الاول سنه اربع و ستین و مائة و الف (۱۱۶۴) واقع شد- خون نواب شهید طرفه گیرا افتاد کسانیکه با نواب شهید به دغا پیش آمدند همه به سزا رسیدند- و بعد شصت روز این همه قاتلان در آن واحد مقتول گردیدند ۵

دیدی که خون ناحق پروانه شمع را — چندان امان نداد که شب را سحر کند

از اتفاقات آنکہ روزیکہ این جنگ واقع شد یعنی ہفدہم ربیع الاول فرصت دفن مقتولان نشد۔ ہژدہم آنہا را از معرکہ برداشتہ درصحرای لق ودق مسکن وحوش وسباع روزانہ دفن ساختند وتابوت نظام الدولہ درہمین تاریخ ہژدہم بروضۂ مقدسہ۔ وبعد شام درجوار اولیاء اللہ مدفون گردید۔

سبحان اللہ نواب اوّل قاتلان خود را زیر زمین فرستاد وبعد از ان خود درکنار زمین آسود فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ

وہر جا در اثناء راہ تابوت او را گزاشتہ اند۔ مردم مکانے ترتیب دادہ زیارت می کنند ونیاز ہا می گزرانند۔ ازینجاست کہ برای انتقال او تاریخ دیگر ''حسن خاتمہ'' برخاطر فقیر القا شد ودر رشتۂ نظم منسلک گردید کہ ؎

نواب آفتاب جہانتاب معدلت	محشور با جناب حسین ابن فاطمہ
تاریخ خواستم زبرای شہادتش	ارشاد کرد پیر خرد۔ حسن خاتمہ

۱۱۴۴

از جملہ سرداران افاغنہ کہ با نواب شہید طریق دغا پیمودند عبد المجید خان است کہ جدش عبد الکریم خان میانہ از عمدہ امراء سلاطین بیجاپور بود۔ واولاد او تا حال بہ حکومت بنکاپور وغیرہ از توابع کرناتک می پردازند۔ عبد المجید خان پسر خود بہلول خان را بہ اتالیقی نصیب یاور خان در رکاب نواب فرستاد امّا باطناً پسر خود ودیگر سرداران افاغنہ را براہ غدر دلالت می کرد ومنصوبۂ شطرنج دغا غائبانہ می باخت۔

وہمت خان کہ نواب را بہ شہادت رسانید پسر الف خان بن ابراہیم خان بن خضر خان پنی است۔ خضر خان مدار کار عبد الکریم میانہ مذکور بود۔ وداؤد خان پنی کہ با امیر الامرا حسین علی خان بے وفائی کرد وجنگیدہ کشتہ شد پسر خضر خان است چون صوبہ داری دکن درعہد شاہ عالم بہ ذو الفقار خان پسر اسد خان وزیر تفویض یافت و

نیابت بہ داؤد خان پنی مرحمت شد۔ داؤد خان برادر خود ابراہیم خان را نیابت حیدرآباد مقرر کرد۔ و چون حیدر قلی خان در اوائل عصر محمد فرخ سیر دیوان دکن شد ابراہیم خان را بہ فوجداری کرنول مامور ساخت۔ از ان وقت کرنول در دست اولاد ابراہیم خان است۔

در جنگ انتقام ہمت خان و دیوان او امانت اللہ خان کہ تخم این ہمہ فساد کِشتۂ او بود و بہلول خان و نصیب یاور خان و دیگر بدخواہان از طرفین بیاسا رسیدند۔ و چون لشکر بر سر کرنول آمد شہر را غارت کرد و اہل و عیال ہمت خان ہمہ بہ اسیری در آمدند۔ و از شامتِ عملی کہ ازان بے ہمت صادر شد جان و مال و آبرو ہمہ بر باد رفت۔ حالتِ دنیا خود این است مآل عقبیٰ چہ خواہد بود۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

و حسین دوست خان عرف چندا ہم بہ تیغ انتقام مذبوح شد و سرش بنوک نیزہ رسیدہ۔ تفسیر این مقال آنکہ محمد علی خان پسر انور الدین خان گوپاموی بعد شہادت پدر قلعہ ترچناپلی را قائم کرد۔ چون طرۂ پرچم رایات نواب نظام الدولہ عرصۂ ارکاٹ را معطر ساخت محمد علی خان آمدہ دولت ملازمت دریافت و بخطاب پدر مخاطب گشت۔ و بعد شہادت نواب نظام الدولہ پناہ بہ قلعہ ترچناپلی برد۔ درین وقت ریاست ارکاٹ بہ چندا کہ در پہلچری نشستہ بود عائد شد۔ و ہمان جماعۂ نصارای فرانسیس کہ بر نواب نظام الدولہ شبخون آوردہ بودند ہمراہ گرفتہ با فوجی دیگر بر سر ترچناپلی رفت۔ انور الدین خان[1] فوج خود و فرنگیان انگریز ساکن دیوناپٹن را با خود متفق ساختہ بمقابلہ بر آمد۔ چندی آتش حرب شعلہ خیز بود۔ آخر انور الدین خان غالب آمد و چندا زندہ دستگیر شد و غرۂ شعبان سنہ خمس و ستین

---

[1] مراد ازین محمد علی خان پسر انور الدین خان است کہ بعد وفات پدر بخطاب پدر مخاطب گشتہ۔

وماَئة والف (۱۱۶۵) چندا را مذبوح ساختند و سرش را بر نوک نیزه کرده تشہیر نمودند
و ہمچنین سرداران فرانسیس با قوم خود ہزار و یکصد فرنگی سفید پوست ولایت زاسوای
فرقه کاروی زنده دستگیر شدند

و بعد شہادت نواب نظام الدوله جماعتی که شبخون آوردند۔ ہیچ کس روی
آسایش ندید و مآل کار باین حالت کشید اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ
اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ۔

(۸۶) نصرت[1] ۔ دلاور خان

نام اصلی او محمد نعیم است وطن اسلافش سیالکوت از توابع لاہور۔
میر عبد العزیز پدر دلاور خان نوکر شاہزاده دارا شکوه بود۔ بعد برہم
خوردن دارا شکوه و آرایش یافتن اورنگ دارائی به خلد مکان در سلک نوکران
خلد مکانی انخراط یافت و رفته رفته بمنصب دو ہزاری و خطاب دلاور خان امتیاز
پذیرفت

میر محمد منعم با دختر عنایت الله خان کشمیری که از امراء عالمگیری است
ازدواج یافت۔ و در عہد شاه عالم بخطاب پدر مخاطب گشت۔

و چون صوبه داری دکن در بدایت جلوس محمد فرخ سیر به نواب نظام الملک
مقرر گردید دلاور خان در رفاقت او رخت به دیار دکن کشید۔

و چون امیر الامرا سید حسین علی خان رایت حکومت دکن افراخت دلاور
خان را فوجداری راهچور از توابع بیجاپور تفویض نمود

و بعد زوال دولت سادات بارہه و استقرار نواب نظام الملک در ممالک

---

[1] ماٰثر الامرا جلد دوم صفحه ۹۶ و تاریخ الافکار صفحه ۳۲۴

دکن با نواب بسر می برد و بمزید قربت و احترام اختصاص داشت۔

و در سنه تسع و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۹) به سرابستان بقا خرامید و برطبق وصیت در پای قبر مرشد خود مدفون گردید۔

شاه ابراهیم

نام مرشد او شاه ابراهیم است۔ قبر شریفش درون حصار روضهٔ شاه برهان الدین غریب قریب دیوار حصار واقع شده۔ محوطهٔ مختصرے و مسجد سنگینے دارد۔

دلاور خان اقسام شعر خوب می گوید و مضامین مرغوب می بندد۔ دیوانش مرتب است این یواقیت ازان معدن استخراج می شود ؎

بسکه می دارد حیا در پرده محبوب مرا — دیدهٔ بیگانه داند مهر مکتوب مرا

مژگان بهم نیاید دلدار بی نقاب است — کی خواب میتوان کرد در خانه آفتاب است

بی ابروی تو از نظرم نور مے رود — این تیر بے کمان چه قدر دور می رود

به محفلے که بیک درد صد دوا بخشند — چه می شود دل ما را اگر بما بخشند

نیست ممکن که بروی تو دمے خواب مرا — می زند دست به پهلو دل بیتاب مرا

چشم پوشیده توان کرد سفر — چه قدر راه فنا هموار است

شیشهٔ ساعت بود آئینهٔ دنیا و دین — گر یکی آباد گردد دیگرے ویران شود

بر زمینی که او بناز نشست — خاک بر سر گر آسمان نشود

به عقبی رسیدیم از ترک دنیا — نشد آنچه از دست از پشت باشد

روز بد یاری نمی آید زیاران دیده ام — سایه هم در زیر پا گم می شود وقت زوال

(۸۷) قبول میرزا عبد الغنی کشمیری

فاضل ممتاز بود۔ و سخن سنج معنی نواز۔ شاگرد رشید میرزا داراب جویا ـــــ

کشمیری است در شاہجہان آباد بسر می برد۔ و در سنہ تسع ثلثین و مائۃ و الف (۱۱۳۹) پیمانۂ ہستی او لبریز گردید۔ مورخی تاریخ وفاتش ازین مصراع برآورد کہ ؎

"گنج معنی بود کرد افلاک در زیر زمین"

شعلۂ آوازش چنین می بالد ؎

بہر حالت کہ می بینی زعیب سرکشی پاکم | چو لای بادہ گرد در عالم آبم ہمان خاکم
نہان کرد است صیاد من از راہ فسون سازی | چو تخم عشق پیچان دام ہا در دانۂ خالی

(۸۸) گرامی۔ میرزا گرامی کشمیری

خلف و شاگرد میرزا عبد الغنی قبول کشمیری۔ رعنا طرز خوش مقالان است۔ و کلاہ گوشہ شکن نازک خیالان۔ در شاہجہان آباد قلندرانہ می گزرانید۔ و بہ کہنہ شراب تازہ گوئی دماغہا را می رسانید۔

وفاتش در سنہ ست و خمسین و مائۃ و الف (۱۱۵۶) واقع شد۔ تاریخ گوئے سال وفاتش درین مصراع ضبط می کند ؎

"رندے عجبے ازین جہان رفت"

طوطی ناطقہ را چنین در گویائی می آورد ؎

خون عشاق بران گردن سیمین باشد | چون بیاضی کہ پر از معنی رنگین باشد
ہمچو آن شمعی کہ روشن می کند صد شمع را | سوختم تا در غم او عالمے را سوختم

(۸۹) گلشن۔ شیخ سعد اللہ دہلوی قدس سرہ

از فقرا شعرا است۔ منشا خیالات رنگین و مصدر اشارات دلنشین۔ از وجنت کدۂ دنیا رم۔ و در تجرد و توکل ثبات قدم داشت۔

ومرید شاہ گل متخلص بہ وحدت بن شیخ محمد سعید بن شیخ احمد مجدد سرہندی بود قدس اللہ اسرارہم باین مناسبت گلشن تخلص می کرد۔

نسبتش بہ زبیر بن العوام صحابی رضی اللہ تعالی عنہ مے پیوندد و اسلام خان کہ بہ وزارت بعض سلاطین گجرات احمد آباد رسیدہ از اجداد اوست

بعد انقراض سلاطین گجرات و استیلای اکبر بادشاہ یکی از اسلاف او از گجرات بہ دار السرور برہان پور نقل کرد۔ شیخ سعد اللہ از برہان پور برآمدہ رحل اقامت بہ دار الخلافہ شاہجہان آباد افگند۔ و بہ ارادہ سیاحت ہم بر شاخت وطن اجداد یعنی احمد آباد و دیگر بلاد را سیر کردہ بہ شاہ جہان آباد برگشت

و در ہمین مصر بیست و یکم جمادی الاولی سنہ احدی و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۱) متوجہ روضۂ رضوان شد۔

دیوان سیر ضخامت دارد و شاہد سخن را باین رعنائی بر کرسی می نشاند ؎

بچشمم خویش نگر سحر سامری این است	نظر بہ آئنہ کن شیشہ و پری این است
کشتم شہید تیغ تغافل کشیدنت	جانم ز دست برد غزالانہ دیدنت

(۹۰) یکتا - احمد یار خان

از نژاد قوم برلاس است۔ اسلاف او در قصبہ خوشاب از اعمال لاہور توطن داشتہ اند۔ پدرش الہ یار خان بہ صوبہ داری لاہور و تتہ و ملتان رسید و آخر سالہا بہ فوجداری غزنین قناعت کرد۔

احمد یار خان در اواخر عہد خلد مکان صوبہ دار تتہ شد۔ یکتا ی اماثل بود و مستجمع فنون فضائل۔ خطوط در نہایت جودت مے نگاشت۔ و تصویر در کمال نغزگی می کشید۔ و اقسام شعر بقدرت می گفت۔

در سنہ تسع عشر و مائتہ و الف (۱۱۱۹) وارد بھکر شد۔ و با علامۂ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی صحبت معتقدانہ داشت۔ و نسخۂ کلام اللہ بخط نسخ از تحریر خود بطریق یادگار تسلیم نمود۔ و امروز موجود است۔

نگارندۂ اوراق وقت معاودت از سفر سندھ بہ ملتان رسیدہ استماع یافت کہ احمد یار خان بیست و سیوم جمادی الاولی سنہ سبع و اربعین و مائتہ و الف (۱۱۴۷) در قصبۂ خوشاب خلوت نشین تراب گردید۔ و بہ استدعاے مہربانے قطعہ تاریخی در سلک نظم کشیدم و یک عدد زیادہ را بحسن تعمیہ برآوردم ؎

خانِ والا رتبہ احمد یار خان	ذاتِ او آئینۂ خلقِ عظیم
در فنونِ فضل یکتای زمان	زادۂ افکار او دُرِّ یتیم
کرد از معمورۂ گیتی سفر	ماتم او ساخت دلہا را دونیم
چونکہ یکتا[1] رفت۔ شد تاریخ او	جای احمد یار خان بزمِ نعیم

مثنوی متعدد دارد مثل "گلدستۂ حسن" و "شہر آشوب" وغیر ذلک

وقتے محمد عاقل یکتا لاہوری با احمد یار خان مناقشہ کرد کہ یکتا تخلص از من است تخلص مرا ایمن وا باید گذاشت۔ احمد یار خان گفت یکتا نشدیم بلکہ دوتا شدیم و قرار داد کہ با ہم غزلے طرح کنیم۔ ہر کہ خوب گوید تخلص از و باشد۔ خان مذکور زمانے و مکانے تعیین ساخت۔ و جمیع صاحب طبعان لاہور را فراہم آورد۔ و غزلی کہ طرح کردہ بود بر یاران عرض کرد و صدای آفرین و تحسین از ہر جانب بلند شد محمد عاقل مہر سکوت بر لب زد۔ ہر چند یاران تکلیف کردند۔ غزل خود را دون یافتہ بزبان نیاورد۔ احمد یار خان محضری درست کردہ بہ مہر و دستخط حضار سخن سنج مزین گردانید۔

---

[1] ای ہرگاہ از مصرع تاریخ یک عدد کم نمودہ شد تاریخ مطلوب بیرون آمد۔

آفرین لاهوری این بیت دستخط کرده

بدین معنی گواهیم آفرین ما | که احمد یار خان یکتاست یکتا

و دیگرے این مصراع ثبت نموده

"گوهر یکتاست احمد یار خان"

این چند بیت ازان غزل طرحے است

تا خطش طرح جهانگیری کاؤسی ریخت | لشکر زنگ چو رومی بسر روسی ریخت
با میا یک شود جلوه گر آن سرو روان | خاک شد جبهه و در راه قدمبوسی ریخت
سرمه آلود نگاهی که بیادم آمد | که سرشک شفقی از مژه ام طوسی ریخت
بر در بتکده از ناله زارم ناقوس | همه تن اشک شد و در بر ناقوسی ریخت
شمع از اشک رخش بوقلمون سوخت به بزم | جای اشکش همه خاکستر طاؤسی ریخت
از بسکه سراپا زغم عشق تو داغم | چون کاغذ آتش زده یک شهر چراغم
چه پرسی از سر و سامان من عمریست چون کاکل | سیه بختم پریشان روزگارم خانه بر دوشم

(۹۱) شهرت - شیخ حسین شیرازی

از شعراء راست اندیشه - و اطباء حذاقت پیشه است - اصلش عرب بود - در ایران نشو و نما یافته - آخر سرے به هند کشید - و در سرکار محمد اعظم شاه بن خلد مکان بعنوان طبابت نوکر شد - و در عهد شاه عالم به اعزاز و احترام بسر می برد

و در زمان محمد فرخ سیر بخطاب حکیم الممالک سربلندی یافت - و در عصر محمد شاه احرام بیت الله بست و بعد ادای مناسک بدرگاه خلافت معاودت نمود - و بمنصب چهار هزاری سر افتخار بفلک چهارم رسانید -

---

[۱] نتائج الافکار صفحه ۱۷۴ مطبوعه مدراس ۱۲۵۸ھ۔

وفاتش در شاهجهان آباد ماه ذی الحجه سنه تسع و اربعین و مائة و الف (۱۱۴۹) اتفاق افتاد۔ محرر سطور گوید ؎

بی نظیرِ زمانه شیخ حسین　　گوی معنی ز نکته سنجان برد
هاتفی از برای رحلتِ او　　سال تاریخ گفت۔ شهرت مرد
۱۱۴۹ھ

منتخبی از دیوانش بنظر رسید و ازانجا بتحریر در آمد ؎

کی برای مطلبی دل را منور ساختیم　　مالوجه الله این آئینه را پرداختیم
نه من شهرت تمنا دارم و نی نام می خواهم　　فلک گر واگذارد یکنفس آرام میخواهم
ناله پیدا شد که در سینهٔ ما جا تنگ است　　رفت و برگشت سراسیمه که دنیا تنگ است
ای گل سر کوی تو جدا از وطنم کرد　　من خار تو بودم که برون از چمنم کرد
صبح شو تا در فروغت روز عالم بگذرد　　یکنفس دم را غنیمت دان که این هم بگذرد
مرا الفت ز دام آزاد خواهد کرد می دانم　　ولی بعد از رهائی یاد خواهد کرد می دانم
مفلسی می آورد از یاد دستی حاتمی　　هر کجا دیدیم آخر کرد بسیاری کمی
خوابِ گرانِ مردم بیدار کرد ما را　　بدمستی عزیزان هشیار کرد ما را
در خرابیهای دل هرگز ندارم مهلتی　　در شکستِ نقدِ قلب خود ندارم فرصتی
پس از عمری که کردم همچو قمری خدمت سروی　　برائی دارم و بر عالم بالاست تنخواهش
غیر در بزمم شکستم نکند پا قائم　　زانکه من خاصیت ریزهٔ مینا دارم
هر یکی گر زیادتی از بسکه می کنند　　این قوم نیستند ز این زیاد کم
به قاتل هم توان بخشید خونِ خویش گر مردی　　نه کم از حنا ظالم کسی را دستگیری کن
نمی رسد از بسکه پیش از من نصیب کار من　　دوستی دارم از خود دشمنانِ خویش را
قطرهٔ من گرچه گوهر شد ز سعی روزگار　　کار آسان سخت شد از منتِ یاران مرا
اهل دولت غلط است اینکه همی دردانند　　هر کرا دیدم ازین طائفه آزاری داشت

ای کہ می گوئی کہ از صحبت گریزانی چرا	در بساطم عمر ضائع کردنی کم ماندہ است
بغیر ظلم توقع مدار از ظالم	کہ نخل شعلہ اگر بار می دہد شررا ست
کدام واسطہ پروانہ را بہ شمع رساند	برای مردم گم گشتہ خضر راہ کہ دید

(۹۲) ثابت میر محمد افضل الہ آبادی

از احفاد میر ضیاء الدین حسین مخاطب بہ اسلام خان خوستی سفیدونی متخلص بہ والا است کہ از امراء درگاہ خلد مکان بود۔

میر محمد افضل ثابت آسمان والا فطرتی۔ وسیّار سپہر بلند فکرتی است۔ پایۂ فضیلت درسی محکم داشت۔ و در شعر گوئی و شعر فہمی و محاورہ دانی فرس استاد بے نظیر و مسلم صاحب کمالان شہر دہلی می زیست۔ چندگاہ در اردوی پادشاہی بتلاش منصب و جاگیر سلسلہ طالع جنبانید آخر پای سعی در دامن قناعت کشید و در دار الخلافہ شاہ جہان آباد منقطعانہ بسر مے برد۔

و دوازدہم شہر ربیع الاول سنہ خمسین و مأتہ والف (۱۱۵۰) رخت زندگانی بربست۔ و در شاہ جہان آباد مدفون گردید۔

جمیع اقسام شعر استادانہ می گوید خصوص در قصیدہ شانی بلند دارد۔ دیوانش حاوی انواع سخن است۔ در وقت تحریر۔ نسخۂ بدخطی بدست افتاد۔ و بہ مشقت تمام این ابیات حاصل شدہ

تا تماشای دہانت کرد حیران غنچہ را	شاخ گل دست است در زیر زنخدان غنچہ را
مرد ہر دم قطع اسباب معیشت مے کند	ہر چہ می افتد بدست تیغ قسمت مے کند
قسم بمصحف گل عندلیب باغ توام	برگ شمع کہ پروانہ چراغ توام
بند در قیب پیش تو بر خود نیاز را	چون نامتقیدے کہ گزارد نماز را

صدبار گر توانی مانند نبض جستن — صورت نمی پذیرد از دستِ خلق رستن

صیادِ بی مروت شوقِ طپیدنم گشت — تا چند پا شکستن بر بال رشته بستن

بخانهٔ نشستم بغیر خانهٔ خویش — شدم برنگ نگین سنگ آستانهٔ خویش

غنی در آتشِ سوزان همیشه چون حمّام — عذاب می کشد از پهلوی خزانهٔ خویش

شمع افروخته را کس نفروشد ثابت — داغم وگرمیِ بازار ندارم چه کنم

این تیر خاکیِ نگه شرمگینِ او — می جوید از مزار شهیدان نشانِ ما

چون ماهیِ تصویر که در آب بیفتد — در جلوهٔ معشوق شود کم اثرِ ما

همچو گردی که بلند از اثرِ قافله شد — داد بر بادِ فنا رفتنِ یاران ما را

خواب دیدیم که آئینه معارض بتو شد — می کند صورتِ این واقعه حیرانِ ما را

شبنمِ من خوردهٔ گل را نه بندد در کمر — آبرو غافل ز فکرِ سیم و زر دارد مرا

یافتم از سلام مردم هند — سرسری بود آشنائیها

چشمِ بیمار ترا حاجتِ تعویذی نیست — هیکلِ ناخنِ شیر است صفِ مژگانت

نذرِ این یاران کنی گر خوردهٔ جانِ عزیز — خورده گیران بر نمی دارند دست از کارِ خویش

چونگین نخواهم داشتن چشم از اقامت سیر آن — بود تا در سوادِ گلشنِ هندوستان جایم

هست چون سبحه بهم ربطِ عزیزانِ جهان — نگسلی ماند ازین سلسله بر جانه صدی

عکسِ رخ تو آینه را روئے دہد — تسکینِ خاطرش به چه صورت کند کسی

رباعی

در مملکتِ قدس شهنشاه حسین — بر اوجِ سپهرِ کبریا ماه حسین

برخاست کمر بسته پئے دعوۓ حق — انگشتِ شهادت بہ اللہ حسین

(٩٣) راسخ میر محمد علی سیالکوٹی

از سادات سیالکوت من اعمال لاهور است مردی آزاد مشرب خوش خلق

خوش صحبت بود۔ و در شہر خود قلندرانہ مے گذرانید۔ و ہنگامۂ سخنوری گرم می داشت عمرے دراز یافت۔ گویند در منتہای عشرہ خامسہ بعد مأتہ و الف (۱۱۰۰) مرحلۂ زندگانی طے کرد۔

فقیر در سنہ سبع و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۷) از سفر سندھ معاودت نمود۔ و عبور بر سر لاہور افتاد۔ دران ایام عزیزی از سیالکوٹ از صحبت او آمد و خبر قدوم فقیر شنیدہ رسم زیارت بجا آورد۔ و برخی از اشعار مہرہ آورد و فقیر ساخت ازان جملہ است ؎

روز وصل از بیم ہجران تو ام گریان گذشت | آہ عید آمد پس از عمری و در باران گذشت
چہ سان آموخت پیرحانہ برفتراک سر بستن | ز طفلی آن شکار افگن نمی داند کمر بستن
اگر با حق نیازی ہست حاجت نیست تعمیری | ستون و سقف درویشان ہمین دست دعا باشد

(۹۴) آفرین۔ فقیر اللہ لاہوری

در محلۂ بخارای لاہور سکونت داشت۔ راقم الحروف وقتے کہ از ہند جانب سندھ رفت بیست و نہم محرم سنہ ثلث و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۳) در لاہور باو برخورد۔ بسیار خوش خلق متواضع بود۔ دران ایام قصۂ ہیر و رانجھا نظم می کرد بپیش فقیر داستانے خواند۔ این بیت از قسمیہ یاد ماندہ ؎

بعریان بیتیمی تمنا نورد | کہ عید آمد و جامہ گلگون نکرد

و چون از بلاد سندھ عطف عنان نمودم و ہفتم رجب سنہ سبع و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۷) وارد لاہور شدم و تا دوازدہم ماہ مذکور درانجا اقامت اتفاق افتاد۔ ملاقات مشارٌ الیہ مرات واقع شد۔ مسودۂ اول تذکرہ "ید بیضا" تالیف فقیر کہ نقش ناتمام بود خواہ نخواہ گرفت۔ و از منظومات خود مثنوی "ابنیات

معرفت" بخط خودش بطریق یادگار تسلیم فقیر نمود۔ عنوانش این است ؎

ای مُغنّی به وضوے تجرید　　صبح شد صُبح نماز توحید

صبح یعنی که ظهورش همه جاست　　شش جهت سجده چو خورشید رواست

دیوان آفرین مشتمل قصائد و غزلیات و دیگر جنس شعر بنظر در آمد۔ و این چند بیت فراگرفته شد ؎

ستم بر زیردستان مرد سرکش را خطر دارد　　فلک را شیوهٔ عاجزکشی زیر و زبر دارد

شبِ سپاهِ تغافل پیِ صف آرائی است　　نقیب نالهٔ صدائی که اشک مجرائی است

هنوز حسنِ تو نو مشق جلوه پیرائی است　　هنوز اول درسِ کتاب رعنائی است

هنوز چشمهٔ نوشِ تو بوی شیر دهد　　هنوز لعل لبت غافل از مسیحائی است

هنوز سرو قدت گرچه گرد آغوش است　　هنوز لعل شکرخا در آستین خائی است

هنوز دامن حسنت ز صبح پاکتر است　　هنوز ماه تو ایمن ز داغ رسوائی است

نهال مهر و وفا تا چه بار سے بندد　　بهار حسن ترا آفرین تماشائی است

بقدر تاب و طاقت مگذر از تسکین محتاجان　　نداری قوت دست کرم دست دعا بکشا

حسن را در اضطراب آرد شکوه عجز عشق　　شمع می لرزد بخود از شوخی پروانها

گل آفت بود در ناتوانی خودنما بودن　　عروج شاخ نازک در بغل دارد تنزل را

داغ دل افتادگان از غیب باشد رونما　　شد کشف این معنی مرا از قرعهٔ رمالها

هست کار عاشقان بعد از فنا هم جذب دوست　　تشنگی بسیار دارد آنکه ماهی خورده است

بود بهزل زبردست من شود حاسد　　چنانکه طفل پدر را بخنده زیر کند

بجز محبت قاطع بود صاحب کمالے را　　قبای بخیه بر تن می درد هر نخی که کامل شد

مرد حق محکوم نادان گر شود بیمش نیست　　حرمت مصحف ز دست اندازِ طفلان کم نشد

ذلت بود نتیجهٔ آمیزش خسیس　　بر گرد می زنند و نمد چوب مے خورد

بامیدِ محقق مے پرستم ہر مزوّر را   ازین ویرانہا شاید رسم روزی بمعموری

(۹۵) روحی سید جعفر رنبیرپوری

رنبیر براء مہملہ در اول و آخر و نون و باء موحدہ و یای تحتانی بروزن زنجیر قصبہ ایست پانزدہ کروہی از لکھنؤ

سلسلۂ نسب سید جعفر بہ سید نعمت اللہ ولی مے پیوندد۔ و سید محمود حاجی الحرمین الشریفین کہ یکی از اجداد اوست سواد ہند را بہ پرتو قدوم خود روشن ساخت۔ و در قصبۂ جالیسر از مضافات آگرہ متوطن گردید و یکی از احفاد سید محمود بتقریبی در موضع رنبیرپور وارد شد و رحل اقامت افگند

سید جعفر در عشیرۂ شیوخ عثمانی بلگرام کدخدا شد۔ سیدے پاک نژاد صوفی مشرب بود۔ و در توحید مذاقی عالی داشت۔ مدتہا سید العارفین میر لطف اللہ بلگرامی قدس سرہٗ را خدمت کرد و فیضہا فراہم آورد۔ اکثر از رنبیرپور بدار السلام بلگرام کہ چہار منزل است برای ادراک صحبت سید العارفین قدس سرہٗ مے رسید و غنچہ ہای اسرار از بہشت محفل اقدس مے چید۔

و در عہد شاہ عالم بہ شاہجہان آباد تشریف برد۔ و چندی بسیر آن مصر جامع پرداخت و با صاحب طبعان آنجا سیما میرزا عبد القادر بیدل رحمہ اللہ تعالی صحبت داشت۔

در اواخر عمر سالہا در بلدۂ لکھنؤ رخت بدار الامن انزوا و توکل کشید۔ و نقد عمر ابطول شقق فنا خوش گزرانید۔ مردم بسیار باو گرویدہ بودند و از روی اعتقادِ صادق خدمت بجاے آوردند۔

فقیر و آن مرحوم باہم محبت مفرط داشتیم۔ و دوام مجلس صحبت مے آراستیم

ملاقات آخر این است که در تاریخ هژدهم ذی الحجه سنه ثمان و اربعین و مأته و الف (۱۱۴۸) عبور فقیر بر لکهنؤ و نزول در تکیهٔ ایشان اتفاق افتاد۔ آن روز در انجا مجمع صاحب طبعان بود مثل شیخ عبد الرضا متین اصفهانی و آقا عبد العلی تحسین کشمیری و میرزا داؤد اکبرآبادی از آخر روز تا نیم شب صحبتی رنگین گزشت۔

سید جعفر غره رمضان سنه اربع و خمسین و مأته و الف (۱۱۵۴) بحظائر قدس انس گرفت۔ و در زنبیل پور مدفون گردید۔ کاتب الحروف گوید ؎

سید نکته سنج حق آگاه ۔۔۔ کرد آهنگ بزم سبوحی

سال تاریخ او شود پیدا ۔۔۔ وقت تکرار۔ جعفر روحی

۵	۷	۷
		۴
۱۱	۵	۴

دیوان مختصری دارد این چند بیت از انجا بقلم می آید ؎

سپهر نزول ذات بانسان رسید و ماند ۔۔۔ چون وحی آسمان که بقرآن رسید و ماند

گذشت چشم تو ولی فتنهٔ قامت باقی است ۔۔۔ نیست آرام بمردن که قیامت باقی است

اسیر مفلسی می دارد استغنا هنرور را ۔۔۔ کند گردن کشی از دانه کم قسمت کبوتر را

از عدم بیداری دل همت ره آورد ما ۔۔۔ آب چشم خفتگان چون صبح باشد گرد ما

چو یاد تو کند جذبهٔ حسن است هر مویم ۔۔۔ بسر خورشید غلطان آید از تحریک ابرویم

زفیض مفلسی قیمت فزاید اهل جوهر را ۔۔۔ لباس غیر عریانی نزیبد لعل و گوهر را

بچشم شد دو جهان پردهٔ یک راز نماند ۔۔۔ سنگ گردید بهم گشت نگه باز نماند

صاحب دل از شکوه حرف و صوتم محرم است ۔۔۔ چون سویدا نقطهٔ شعرم سواد اعظم است

سکه رو سیاه گردم از مشق سواد سکه ۔۔۔ مرقم زخود نمود چون خامهٔ فرنگی

شگفته چهره کدام آفتاب سے آید ۔۔۔ کشنده چون سحر از گرد کاروان پیداست

(۹۶) اُمید۔ قزلباش خان ہمدانی

نام اصلی او میرزا محمد رضاست۔ در عنفوان جوانی از ہمدان بہ اصفہان آمد و با میرزا طاہر وحید نسبت تلمذ درست کرد

و در عہد خلد مکان بہ ہندوستان رسید و بہ عطای منصبی امتیاز پذیرفت و در عہد شاہ عالم بخطاب قزلباش خان سرفراز گردید۔ و در زمان محمد معز الدین بتقریب خدمتے بہ دار السرور برہان پور آمد۔ و در ایام ایالت امیر الامرا سید حسین علی خان از خدمتے کہ در برہان پور داشت معزول شدہ بہ فجستہ بنیاد رسید و بہ داروغگی احشام کرناتک مامور گردید۔ و باین تقریب بہ ارکات رفت و بعد چندگاہ رفاقت مبارز خان ناظم حیدرآباد اختیار کرد۔ و روز جنگ با مبارز خان حاضر بود۔ بعد کشتہ شدن مبارز خان در قید نواب آصف جاہ اُفتاد۔ و غزلے طرح کردہ بجناب نواب ارسال داشت۔ نواب شفقت فرمود۔ و بہ مزید عنایت و بحالی جاگیر مرہمے بر جراحت گذاشت۔ و حراست قلعہ منی مرگ از توابع کرناتک کہ الماس از سواحل دریای کشنا برآوردہ در انجا درست مے سازند۔ تفویض فرمود۔

قزلباش خان بعد چندی رخصت حرمین شریفین گرفت۔ و بعد تحصیل زیارت مراجعت نمود۔ نواب آصف جاہ بدستور سابق مورد الطاف ساخت۔ و چون نواب آصفجاہ در سنہ خمسین و مائتہ و الف (۱۱۵۰) حضور طلب شد قزلباش خان در رکاب نواب بہ شاہجہان آباد رفت و در سفر بھوپال ملتزم رکاب نواب بود۔ درین سفر فقیر را با قزلباش خان مکرر برخورد اتفاق اُفتاد۔ خوش خلق رنگین صحبت بود و موسیقی ہندی با وصف ولایت زا بودن خوب می دانست و می گفت

و چون نواب آصف جاہ از سفر بھوپال بہ دار الخلافہ شاہجہان آباد

معاودت فرمود قزلباش خان همراه رفت و از آن وقت در دار الخلافه بار اقامت کشاد و در سنه تسع وخمسین و مائة و الف (۱۱۵۹) در آنجا جهان فانی را وداع نمود محرر اوراق گوید ؎

خان سخن گستر سحر آفرین رخت سفر بست ازین خاکدان
سال وفاتش دل نالان من یافته-جان داده قزلباش خان ۱۱۵۹

ازو منقول است که روزی پیش ذو الفقار خان بن اسد خان وزیر شکایتے از دست روزگار کردم- ذو الفقار خان در جواب گفت دنیا را بامید خورده اند گفتم پس چرا نواب صاحب بی من مے خورند-

این چند بیت از دیوانش نقل افتاده ؎

زمانه بر سر جنگ است یا علی مددے وگرچه وقت درنگ است یا علی مددے
روشن شود به پیش تو چون شمع سوز من یکشب اگر تو هم نشینی بروز من
خوشا وقتی که می بالید از جانان برو دوشم برنگ ماه نو هر شام پر می گشت آغوشم
گشت ره گردان ز بس آبادی از ویرانه ام چون کمان حلقه بیرون شد درون خانه ام
خدا نا کرده اندوهت چرا از دوستان باشد شنیدم کلفتے داری نصیب دشمنان باشد
بدشمن دوست- با من سرگرانی بارها گفتم نمی خواهم چنین باشی تو میخواهی چنان باشی
ایما کشاده کی دره بستگی شود ظاهر کلید روزی استاد قفل گر قفل است
سر گشتگی بطالعم هست بر گرد سرت چرا نگردم

(۹۷) ذکر شیخ محمد فاخر

خلف الصدق شیخ محمد یحیی و دختر زاده شیخ محمد افضل الهآبادی است قدس الله اسرارهما نخست احوال این دو نیر اوج کمال بر ساحت قرطاس پرتوے انداز و سواد

کتاب را بہ لوامع انوار برکات معمور می سازد۔

شیخ محمد افضل الہ آبادی

شیخ محمد افضل الہ آبادی قدس سرہ سر حلقۂ خلفاء حضرت میر سید محمد کالپوی است قدس اللہ اسرارہما۔ مہر سپہر ولایت و کوکب دری اوج ہدایت بود و فضائل صوری و معنوی فراہم داشت نسبش بہ سیدنا عباس عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم منتہی می شود و غیر بنی الخلفا است۔

ولادت او شب دہم ربیع الاول سنہ ثمان و ثلثین و الف (۱۰۳۸) دست داد و در آغاز حال بطور طلباء پورب در بعضے امصار تنقل و ترحل نمود و نزد قاضی محمد آصف کہ از متوطنان بعض قریات الہ آباد بود و قضاء بلدہ مذکور داشت۔ و از شاگردان ملا عبد السلام دیوہ است و مولانا نور الدین جعفر جونپوری و دیگر فضلاء عصر تلمذ کرد۔ و در فضائل رسمی شانے عالی بہم رساند۔ و در عمر بیست و پنج سالگی بہ سعادت ارادت میر سید محمد کالپوی قدس سرہ فائز گشت و نعمت و برکت محمدیہ فراوان اندوخت و بہ اجازت و خلافت مستسعد گردید۔

اصل وطن او سید پور از توابع غازی پور است بہ اشارۂ پیر در الہ آباد رحل اقامت افگند۔ و بہ تلقین اصحاب و تعلیم آداب مشغول گشت حق تعالیٰ قبول خاص و عام عطا کرد و طالبان بسیار از فروغ التفاتش چراغ دل برافروختند۔

تصانیف عربی و فارسی وا فر دارد از انجملہ حل مثنوی مولانا روم بین الجمہور مشہور است

روز جمعہ پانزدہم ذی الحجہ سنہ اربع و عشرین و مائۃ و الف (۱۱۲۴) بہ عالم علوی شتافت۔ مرقد منور در الہ آباد است زرفیتبرک بہ

شیخ محمد یحیی

شیخ محمد یحیی المعروف بہ شیخ خوب اللہ الہ آبادی برادر زادۂ حقیقی و داماد و سجادہ نشین شیخ محمد افضل است قدس اللہ اسرارہما بحر مواج علوم شریعت و طریقت

بود۔ وجواہر سیراب در دامن دریوزه گران کوچه طلب می ریخت

درسن دوازده سالگی نهال استعدادش بتربیت عم بزرگوار نشو ونما یافت۔ واز بحث حال کافیه ابن حاجب حالش برگردید وتا انتهای تحصیل از خدمت شیخ استفاده نمود۔ وبعد تمام مدارج سلوک درنوردید۔ وبشرف کمال وتکمیل عروج فرمود وبخلافت و دامادی حضرت شیخ اختصاص یافت۔ وبعد ارتحال شیخ باستحقاق نائب مناب گشت وقبولی عظیم یافت وخوارق عادات بسیار سرزد وکتب ورسائل کثیره تصنیف کرده در کشف مشکلات علوم ظاهر وباطن شانی بلند داشت مکتوبات ایشان در چهار مجلد برهانی است جلی بر علو فطرت وکمال تبحر۔

شب دوشنبه یازدهم جمادی الاولی سنه اربع واربعین ومائة والف (۱۱۴۴) درجوار رحمت آسود وآیۂ کریمه "لقد مرضی" تاریخ است۔ مرقد مطهر در پہلوی قبر شیخ محمد افضل قدس الله اسرارهما

شیخ محمد فاخر بمصداق فعززنا بثالث زیب سجادۂ ابوین وفرع آسمان سای اصلین طیبین است۔ صاحب صفات رضیه ومناقب سنیه۔ اساس محکم مدارج علیا قیاس منتج ولایت کبری۔ میزان عدل نقلیات۔ برهان نقد عقلیات۔ تشرع بدرجه کمال داشت وهمیشه همت بتعدیل قسطاس شریعت می گماشت۔ بسیار گشاده دست شگفته پیشانی بود فتوح ذخیره نمی ساخت ویگانه وبیگانه را به احسان بی دریغ می نواخت اکثر اوقات در سفر گذرانید۔ در جمیع اسفار جمعی کثیر از ابناء سبیل بداوی می پیوستند شیخ از مأکولات وملبوسات خبر همه می گرفت۔ ومادامی که همه رفقا را طعام هم نمی رسید خود با اکل تمامی نمی پرداخت۔

از عنفوان شعور بخدمت والد ماجد وبرادر کلان خود شیخ محمد طاهر تلمذ نمود۔ و کتب تحصیلی مرتب گذرانید۔ بعد مسند استادی نشست و در شعر جاذبیت طراز علم

حدیث از مولانا و استاذنا شیخ محمد حیات مدنی قدس سره سند نمود۔ جوہر فہم و ذکای او از بس عالی افتادہ بود و در مقدمات غامضہ علمی بسرعت تمام منزی رسید۔

جد امجدش شیخ محمد افضل او را در صغر سن مرید ساخت و تربیت حوالہ شیخ محمد یحیی کرد۔ مشارٌ الیہ در ظل پدر بزرگوار تربیتہا یافت و مجاز و مرخص گردید و بعد ارتحال والد ماجد جانشین گشت۔

در حدود سنہ اربع و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۴) والد فقیر با نواب مبارز الملک سر بلند خان توفی ناظم صوبہ الہ آباد وارد این شہر شد۔ و فرزندان و قبائل را از بلگرام دران مقام طلبید۔ و با اہل بیت فقیر و اہل بیت شیخ محمد افضل قدس سرہ اتحاد و ارتباط بدرجۂ کمال شد۔ و چون محرر اوراق در سنہ سبع و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۷) از کشور سندھ معاودت نمود و در شاہجہان آباد خبر اقامت اہل بیت خود بہ الہ آباد شنیدہ راست از اکبر آباد بہ الہ آباد شتافت با اعزہ کرام دلبستگی تمام بہم رسید و ایام اقامت آن بلدہ بہ مجالست و موانست این اکابر بحظ وافر گذشت و الحال آن عہود جمی بیاد می آید و ناخن حسرتی بر دل می زند۔

و عمدہ جہت جامع با این اعزہ اخوت طریقت است کہ سلسلۂ جانبین بحضرت سید محمد کالپوی قدس سرہ متصل می شود۔ و با شیخ محمد فاخر جہتی دیگر ضم شد کہ علم حدیث در مدینہ منورہ از یک استاد سند کردیم یعنی مولانا و مخدومنا شیخ محمد حیات السندی المدنی قدس سرہ

شیخ محمد فاخر در سنہ تسع و اربعین و مأتہ و الف (۱۱۴۹) عازم حرمین شریفین شد و در سنہ خمسین و مأتہ و الف (۱۱۵۰) باین سعادت فائز گشت۔

و درہمین سال راقم الحروف احرام بیت اللہ بست و سفر دریا با نجام رسانید نوزدہم محرم سنہ احدی و خمسین و مأتہ و الف (۱۱۵۱) ابہ بندر جدہ نازل شد

مشارٌ الیه در جده تشریف داشت و خبر مقدم فقیر از مردم جهازی که دو روز پیش آن جهاز ما رسیده بود استماع یافته بر لب دریا چشم در راه انتظار داشت۔ بمجرد نزول از کشتی هم آغوش ملاقات شدیم طرفه سروری دست داد و کلفتهای غربت بیکبار رخت سفر بربست از جده باتفاق بمکّه رسیدیم و دیدهٔ نیاز بر آستان رب العزّت تعالیٰ شانهٗ مالیدیم۔

مشارٌ الیه (شیخ محمد فاخر) در اوائل سنه احدی و خمسین و مائة و الف (۱۱۵۱) بر جهازی که راقم الحروف رفته بود معاودت نمود و بوطن مالوف برگشت۔ و در سنه اربع و خمسین و مائة و الف (۱۱۵۴) کرت ثانی داعیهٔ حرمین شریفین صمّم ساخت۔ و رخت کوچ از اله آباد بربست

و درین سفر سید غلام حسن برادر اعیانی فقیر برفاقت شیخ ارادهٔ حرمین شریفین کرد۔ بعد طی مراحل داخل بندر سورت شدند و بیست و چهارم محرم سنه خمس و خمسین و مائة و الف (۱۱۵۵) در کشتی نشستند ناگاه دران بحر پر شور جهازات قوم مرهته دکن که از چندی بندر بسی را از دست فرنگیان انتزاع نموده در دریا قطع طریق شعار ساخته اند نمودار شد۔ بیست و نهم محرم سنه خمس و خمسین و مائة و الف (۱۱۵۵) وقت صبح بضرب توپها آتش حرب اشتعال گرفت۔ هنگام نماز عصر گولهٔ توپ تختهای بسیار متقابل یکدیگر سوراخ کرده به سید غلام حسن رسید۔ شیخ محمد فاخر مکتوبی به فقیر فرستاد در انجا می نویسد که :۔

"میر غلام حسن چون از زخم توپ بسمل در حرکت شدند گفتم میر صاحب شما شهید شدید کلمه بخوانید۔

"با هم اگر قسمت است بشما ملحق میشویم۔ لبهای شریف ایشان در حرکت بود۔ چون در اجل

"موعود۔ اندکی توقف دیدیم با ایشان متقیب شدم که کلمه بخوانید۔ اول سخن که از ایشان سرزد

"این بود که می خوانم و به این نهج میخوانم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه

"علیہ وسلم گفتم بخوانید یٰسین بکارے آید۔ باز گفتند خوب شد آنچہ شد و پرسیدند امروز
"کدام روز است گفتم پنجشنبہ۔ متبسم شدند۔ غالباً بیاد حدیثے کہ در فضل موت روز جمعہ و شب
"آن وارد شدہ در تبسم آمدند۔ والا کدام وقت تبسم بود۔ باز گفتند من نماز عصر نخواندہ ام مرا
"تیمم سازید۔ بہ تیمم نماز عصر بر پشت غلطیدہ خواندند و بدستور مغرب و عشا۔ تمام شب پیش
"ایشان نشستہ بودم کلمہ مے خواندند۔ درمیان حرفے ہم می گفتند۔ یک یک رفقا را طلبیدہ
"استغفا کردند و کلمہ خوانان شب را بآخر رسانیدند۔ ہرگز اثر جزع از ایشان ظاہر نشد۔
"می گفتند ہرگز اثر درد معلوم نمے شود۔ مزاجی کہ سابق داشتم دارم این چگونہ زخم است
"کہ اثرے از شدت سکرات با این زخم جگر دوز نیست۔ وقت صبح کہ بہ نماز برخاستم ایشان
"را آشنا نیافتم۔ بعد از نماز دیدم انتقال روح شدہ است اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
"در عرشہ کشتی غسل دادہ و تکفین نمودہ و نماز خواندہ بدریا سپردیم۔ باوجود آنکہ آب ساکن بود
"و ہوا غیر متحرک۔ جثہ ایشان چون تیر از جہاز دور تر رفت۔ تا بدن مبارک ایشان بر جہاز
"بود و جہ جہاز جانب مکہ معظمہ بود۔ بعد از ان تلیم جہاز را قابض گردیدند۔ زخمے شدن میر غلام حسن
"روز پنجشنبہ و انقطاع نفس روز جمعہ سلخ محرم سنہ خمس و خمسین و مائۃ و الف (۱۱۵۵)
"انتھی المکتوب ملخصاً۔

میرزا عنایت اللہ بیگ اندجانی متخلص بہ راجی این مصراع تاریخ یافت ؎

"شہید شد بہ رہ کعبہ سید سندم"
۱۱۵۵ھ

و مہر کلمات شرارے از آتشکدۂ دل بیرون مے دہد۔ رباعی

تار نفسم گسستہ شورم بردند　　بازوی مرا شکستہ زورم بردند
داغ است دلم کہ رفت نور بصرم　　تارم بگذاشتند و نورم بردند

از ظہور این سانحہ شگرف عبرتے دست داد و تیر اتی العین مشاہدہ افتاد کہ پیش عنایت
ازلی کثرت اسباب کارے نتواند ساخت۔ و بے جنبش ابروی قضا صد ہزار ناوک

صبیدی نتواند انداخت۔ برادر شهید با سامان طریق و فراوان رفیق جاده پیما شد و
بنده تن تنها بے زاد و راحله از وطن مالوف سر به صحرا زد. نیرنگی قدرت تماشا باید کرد
که طوفان حوادث خاک او را بر باد فنا داد۔ و بدرقهٔ عنایت سرمدی بنده را در آغوش
امن و امان به منزل مقصود رسانید. و بدستور باز آورد الحمد لله والمنه برادر شهید اگرچه
بمنزل نارسیده غریق لجهٔ فنا شد اما در حقیقت چست تر بمنزل رسید و شاهد مقصود بر وجه
اتم در آغوش کشید بحکم وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ۔

وحضرت لسان الغیب قدس سرهٔ فرماید ؎

دست از طلب ندارم تا کار من برآید　　یا تن رسد بجانان یا جان ز تن برآید

و دیگرے سراید ؎

بهر نحوی که باشد کام خود را از تو می گیرم　　ترا یا دست من یا خون من در گردن است امشب

از این دو صورت اول نصیب ما شد و ثانی نصیب شهید مرحوم۔ و او را رتبهٔ دیگر عظیم‌تر
حاصل گشت یعنی سرخ روئی جرعهٔ شهادت که شرف این رتبه حاجت بشرح ندارد

القصه بعد شهادت سید غلام حسن کفار غالب آمدند و جهاز را با متاع و مسلمین
گرفته به بندر بمبئی بردند و بحال شیخ محمد فاخر این قدر ترحم کردند که سوارے از
جانب خود داده از بمبئی به سورت رسانیدند۔ و اشیاء و اسباب ایشان را جز صندوق
کتب همه را بتصرف آوردند۔ شیخ محمد فاخر بانتظار موسم جهاز در سورت توقف کردند و در
ماه صفر سنه ست و خمسین و مائة والف (۱۱۵۶) بر جهاز عازم جده نشست قضا را
جهاز به تباهی شد۔ و به کنار رسیده شفا یافت۔ شیخ چند ماه درجا اقامت کرده در موسم
کشتی متوجه مکه معظمه گردیده و بیست دوم رمضان سنه ست و خمسین و مائة والف
(۱۱۵۶) بحرم امن واصل شد۔ و هم درین سال حج روز جمعه که آن را در عرف حج اکبر

مے گویند۔ دریافت۔ و در سنہ تسع وخمسین ومائتہ والف (۱۱۵۹) باز بہ ہندوستان عطف عنان نمود۔ و در جمادی الاولی سال مذکور از بندر سورت روانہ پیشتر گردید برادر فضائل مرتبت میر محمد یوسف سلمہ اللہ تعالیٰ قلمی نمود کہ:۔

"شیخ محمد فاخر در رجب سنہ تسع وخمسین ومائتہ والف (۱۱۵۹) بہ شاہ جہان آباد تشریف "آوردند۔ فقیر را از ملاقات مسرتہا حاصل شد و بعض رؤیا کہ در ملاقات ایشان دیدہ بودم "و بعید از عقل مے نمود۔ بقدرت حق سبحانہ وتعالیٰ صادق برآمد۔ و میرزا خان جانان "مظہر از ملاقات ایشان بسیار محظوظ شدند و باہم صحبتہا گذشت ششم رمضان سال مذکور "نقل مکان بخانہ فقیر کردند ہشتم منہ رخت کوچ بربستند و در ہمین ماہ بہ اکبر آباد رسیدند "و بیست وسیوم متوجہ الہ آباد شدند انتہی

شیخ یک سال در الہ آباد ماند و در ماہ شوال سنہ ستین ومائتہ والف (۱۱۶۰) از راہ بنگالہ عازم دریای محیط شد کہ از انجا در جہاز نشستہ سرے بحرمین کشند۔ و در عظیم آباد و مرشد آباد و دیگر امصار سر راہ حکام خدمتہا بتقدیم رسانیدند۔ از بندر ہوگلی بر جہاز نشست۔ قضارا مسافت چند روز قطع کردہ چوبے از جہاز شکست سہ ماہ جہاز در دریا بہ تباہی ماند آخر الامر بہ موضع چاٹگام کہ منتہای دیار شرقی عمل پادشاہ ہند است از جہاز فرود آمد و بہ علت موسم برشکال سہ چہار ماہ در چاٹگام گزرانید از راہی کہ رفتہ بود بہ الہ آباد برگشت۔ درین مرتبہ نیز حکام سر راہ نذور فراوان گذرانیدند۔ قریب دو ماہ در الہ آباد ماندہ قصد شاہ جہان آباد کرد و بیست و پنجم رمضان سنہ اثنین وستین ومائتہ والف (۱۱۶۲) واصل آن شہر شد۔ و چندی بہ اقامت آنجا پرداخت و باز نطاق ہمت بزیارت حرمین شریفین بر بست۔ و محض بہ ارادۂ ملاقات راقم الحروف اول قصد دکن کرد۔ و غرۂ شعبان سنہ اربع وستین ومائتہ والف (۱۱۶۴) از شاہجہان آباد روانہ شد و پنجم

ذی الحجہ سال مذکور بہ برہان پور رسید۔ فلک ناتوان بین فرصت نداد کہ بہ رویت یکدیگر کہنہ تمنا برآید۔ بعد عبور دریای نربدا بیماری سرسام او را عارض شد۔ وپس از وصول برہان پور بیماری قوت گرفت و یازدہم ذی الحجہ روز یکشنبہ وقت اشراق سنہ اربع وستین ومائتہ والف (۱۱۶۴) جان عزیز را در راہ بیت اللہ فدا ساخت

تاریخ تولد او کہ در سنہ عشرین ومائتہ والف (۱۱۲۰) واقع شد "خورشید" است وتاریخ انتقال "زوال خورشید" عمرش چہل وچہار سال۔

درحالت مرض وصیت کرد کہ از مشائخ برہان پور۔ شیخ عبد اللطیف قدس سرہ در کمال تشرع بودند و بر مرقد مبارک ایشان بدعتہای اہل زمان بہ عمل نمی آید مرا در جوار ایشان دفن سازند۔ موافق وصیت بعمل آوردند

واحسرتا کہ این چنین صاحب کمال در ایام شباب ازین عالم رحلت کرد وداغ مفارقت بر دل یاران گذاشت۔ سپہر بیداد اگر عمرہا چرخ زند مشکل کہ چنین ذات قدسی صفات بہم رساند۔

قول میرزا جانجانان است کہ:۔

"بسیارے از کبراء دین را منتاہدہ نمودم بعد از یازدہ صد سال یک شخص کہ عبارت از شیخ محمد فاخر "است موافق کتاب وسنت دریافتم۔

ونیز قول میرزا است کہ:۔

"بسا ارباب کمال را بر خوردم آن قدر کہ نزد شیخ محمد فاخر ارزان شدم ہیچ جا اتفاق نیفتاد۔"

یعنی میرزا بر خلاف وضع خود بہ ملاقات شیخ محمد فاخر اکثرے رسید

شیخ محمد فاخر صاحب دیوان است۔ این چند بیت از انجا ذکر گرفتہ شدہ

بباغ عاشقی از میوہ وگل نیست سامانے	کنم بادام ونرگس را فدائے چشم گریانی
آئینہ با صفای رخت روگرفتہ است	گل پیش آن دہن دہن بوگرفتہ است

دارم دلے کہ بردم تیغ ست راہ او — مژگان چشم یار بود سیر گاہ او

برمیان برزدہ دامان زکجا مے آئی — مرحبا گر بشکار دل ما می آئی

حب دنیا می فریبد خاطر افسردہ را — گوشمالی می دہد روباہ شیر مردہ را

مور را در خم زلف تو بہ بیند مارے — عینک داغ دلم ازچہ کلان بین شدہ است

مرا ازآمدورفت نفس روشن شد این معنے — کہ اقبال جہان دردم زدن ادبار می گردد

دنیا عزیز کردہ دنیا طلب بود — از التفات شوی بود قدر زن بلند

کنند گورپرستان زیارت زاہد — کہ زیر گنبد دستار زندہ درگور است

بعد مردن نیز بارم نیست بر دوش کسے — ہمچو رنگ گل عدم پیمایم از پرواز خویش

درگلستانی کہ ما رنگ تماشا ریختیم — آسمان یکبال برہم خوردہ طاؤس بود

رباعی

تا پیرو چار یار اخیار نۂ — از چار اصول دین خبردار نۂ

در طبع تو این چہار عنصر باہم — تا ہست باعتدال - بیمار نۂ

رباعی

گر تن بہ بلاہای قضا نتوان داد — از کف سر رشتہ رضا نتوان داد

در ہر چہ نشد مگو چنین بایستے — تعلیم خدائی بخدا نتوان داد

(۹۸) افضلی - شیخ محمد ناصر

برادر اعیانی شیخ محمد فاخر زائر است - کسب کمالات از حاشیۂ محفل والد ماجد خود شیخ محمد یحیی و برادر کلان خود شیخ محمد طاہر قدس اللہ اسرارہما نمود - و از علوم صوری و معنوی بہرۂ وافر اندوخت -

جد بزرگوارش شیخ محمد افضل او را در خورد سالی مرید گرفت - و بہ دست

تربیت شیخ محمد یحییٰ حوالہ نمود۔ وبعد فوت پدر والاگہر بر مسند آباء کرام مربع نشست۔
وطریقۂ انیقۂ اسلاف را باہتمام تمام نگاہبانی فرمود۔

فیما بین فقیر و او اخلاص خاصے بود۔ حیف کہ در ریعان جوانی آن شجر سایہ
افگن از پا افتاد و این حادثہ بیست ویکم جمادی الاولیٰ روز چہارشنبہ وقت نماز مغرب
سنہ ثلث وستین ومائۃ والف (۱۱۶۳) واقع شد و پائین روضہ منورۂ شیخ محمد افضل
جد خودش مدفون گردید۔

مسود اوراق در تاریخ وفات مشارٌ الیہ و شیخ اسد اللہ غالب کہ ذکرش می
آید۔ سے گوید ؎

افضلی شیخ کامل و غالب	آرمیدند در ریاضِ ارم
سال تاریخ گفت غمزدۂ	آہ رفتند ہر دو زین عالم

ذکاء ذہن بدرجۂ کمال داشت وشعر بسرعت تمام می گفت۔ صاحب دیوان است ؎

صفای خاطرِ روشندلان ہمین سخن است	چو صبح صافی آئینہ ام زدم زدن است
زاہد از خلوت نشینی فکر صید عام کرد	چون نگین در حلقۂ خود در از برائے نام کرد
سخنور چون بمیرد شعر او مشہور تر گردد	کہ صافی تر کند گردِ یتیمی آب گوہر را
لب گزیدۂ اغیار را چہ بوسہ زنم	عقیق کندۂ نام دگر چہ کار آید

(۹۹) غالب ـ شیخ اسد اللہ

دختر زادۂ شیخ محمد افضل الہ آبادی است و برادر خالہ زادۂ شیخ محمد ناصر افضلی
اصلش از جونپور است۔ جدش سجادہ نشین شیخ محمد افضل جونپوری استاد
علامۃ العصر ملا محمود جونپوری بود۔ غالب بانتساب افضلین تفاخر داشت۔ جوان
صاحب استعداد و شائستہ بود۔ ہمیشہ رگ خامۂ سخن ریز را بنشتر اندیشہ مے کشود۔

وقتیکه راقم الحروف از دیار سندھ بولایت ھند معاودت نمود۔ مقارن طلوع ہلال رمضان المبارک سنہ سبع واربعین ومأتہ والف (۱۱۴۷) داخل الہ آباد گردید۔ مشارٌ الیہ این رباعی گفتہ ضیافت طبع فرستاد ؎

چون کرد ورود سوی من یار سعید	فی الحال مہ نو بفلک گشت پدید
ازبسکہ فزود عشرت از آمدنش	ماہ رمضان برای من شد مہ عید

او اخر ایام زندگانی بہ دارالخلافہ شاہجہان آباد آمد و نہم ذی القعدہ سنہ ثلث وستین ومأتہ والف (۱۱۶۳) از لباس حیات مستعار عاری شد و دران شہر مدفون گردید۔

از افکار اوست ؎

دل دیوانۂ دارم کہ خاموشی است تقریرش	برنگ زلف خوبان بی صدا افتادہ زنجیرش
گذر از کوچہای تنگ کو صاحب دماغان را	نمی آید برون از خامۂ نقاش تصویرش
سیر مہتاب دوچندان کند آرایش حسن	سایۂ زلف برخسار تو زلف دگر است
پی تفکر آن دہان از یاد ابرو مے برم	تیغ قاتل رہبر ملک عدم را جادہ است
زبیماری نیفتد تا بہر جا سرمہ را نازم	عصای آبنوسی داد از دنبالہ چشمش را
روز محشر غبار تربت ما	دامن بو تراب مے خواہد

(۱۰۰) مخمور مرشد قلی خان

نام اصلی او میرزا لطف اللہ است پدرش حاجی شکر اللہ تبریزی از ایران دیار وارد ہندوستان شد و در بندر سورت طرح توطن انداخت۔

مرشد قلی خان در بندر سورت سنہ خمس وتسعین والف (۱۰۹۵) متولد شد سال ولادت این مصرع مستفاد مے شود ؎

"بر سپہر سعادت آمد ماہ"
۱۰۹۵ھ

بعد از انکہ سنین عمرش بسر حد تمیز رسید در خدمت آقا حبیب اللہ اصفہانی که از فضلاء مقرری و از شاگردان رشید آقا حسین خوانساری بود و در بندر سورت سکونت داشت۔ بتحصیل علوم پرداخت و بقدر فضائلی اکتساب نمود

بعد فوت والد بر سبیل تجارت جانب بنگالہ رفت نواب شجاع الدولہ ناظم بنگالہ جوہر قابلیت او دریافتہ صبیۂ خود را در عقد ازدواج او در آورد۔ و از حضور سلطانی بمنصب عمدہ و خطاب مرشد قلی خان سرافراز شد و سالہا بصوبہ داری ممالک اودلیسہ فرق امتیاز افراخت

آخر از ورق گردانی روزگار و دغا سازی نوکران خود از دار الامارۃ بیجا شد و خود را در ظل نواب آصف جاہ ناظم دکن کشید و مدتی با او بسر برد۔ انجام کار در حیدرآباد (دکن) رخت اقامت انداخت۔ و شانزدہم رمضان سنہ اربع وستین ومائۃ والف (۱۱۶۴) مسافت زندگانی بپایان رسانید[1]

در شعر زبان خوبی دارد۔ و مضامین تازہ ہم یابد۔ دیوان مخمور بخط خودش بنظر در آمد و این چند شعر فرا گرفتہ شد۔

کو ساغرے تا دمے از ہوش خود افتم	مانند سبو دست در آغوش خود افتم
پشت فلک بخاک رساند غرور ما	کہسار را کند کمر سنگ زور ما
بسان شیشۂ ساعت رفیق کار پیدا کن	بیک ساعت زمین و آسمان را زیر و بالا کن
باشد دو جہان قائم از ان ذات یگانہ	بر پا چو کمان است بیک تیر دو خانہ
عجب نیست بطبیعت اگر حاجت روا گردد	کہ زخم کہنہ را خاکستر عقرب دوا گردد
ز دو تا ان کی بجو دور ماندگان را کار کشاید	گرہ امکان ندارد باز از انگشت پا گردد

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۷۵ ذیل تذکرۂ مؤتمن الملک جعفر خان۔

زان نسبتی که هست بسنگ آبگینه را ای سنگدل شکست من آخر شکست کیست

بگذار ه محبّت رشتهٔ گلدسته را مانم که عمرم جمله صرف اجتماع دوستان گردد

سر از مضمون آن زلف سیه بیرون نمی آرم که در چشمم چو مکتوب مرکب خورده مے آید

تسکین دل ز صحبت روشندلان طلب آئینه بیقراری سیماب مے برد

چرا بسر نرود زود دفتر ایام که خود بخود ورق این کتاب مے گردد

مے زداید چونگین سجده سیه روئی را کاش پیشانی خود وقف زمین می کردم

می فریبد نازنینان را بهر صورت که هست کاش چون آئینه من هم جوهری می داشتم

چون درختی که زهر شاخ دهد ریشه بخاک در سجود تو زهر عضو زمین گیر شدم

منم آن مست که گر مے ندهد دست بهم بفشارم لب ساقی و به پیمانه کنم

رتبهٔ شخص فزاید ز صفاے باطن چون نگینے که گذارند ورق در تہِ او

درین چمن بچه اُمید خوش کنم دل را چو نخل موم ندارم بخود گمان ثمرے

پندار از ضعیفان کار سنگین بر نمے آید که کوهی می شود صورت پذیر از خامه موئی

(۱۰۱) اقدس میر رضی شوستری

والد او سید نور الدین شیخ الاسلام بلدهٔ شوستر بود۔ و منصب شیخ الاسلامی آن دیار از قدیم الایام به آبا و اجداد او تعلق دارد۔

ولادت میر رضی در شوستر سنه ثمان و عشرین و مائة و الف (۱۱۲۸) واقع شد از آغاز شعور دامن به کسب فضائل بر زد۔ و علوم عقلی و نقلی در شوستر از خدمت والد خود۔ و بعضی از فضلاء آن دیار اخذ نمود۔ بعد از ان شبدیز سیاحت جولان داد و اصفهان و قم و کاشان و سائر بلاد عراق عجم را تماشا کرده درین اماکن نیز بتحصیل علوم پرداخت۔ و ایضا عراق عرب را سیر نموده پیشانی سعادت در عتبات

عالیات مالید- آنگاه نطاق عزم بگلگشت هندوستان بربست- و در سنه تسع واربعین
ومائة والف (۱۱۴۹) از بندر بصره به بندر سورت رسید- و ایامی درین شهر توقف
نموده از راه دریا سری بدیار بنگاله کشید و در سایهٔ عاطفت نواب شجاع الدوله
ناظم بنگاله بصیغهٔ مصاحبت مدتی بسر برد- و بعد از انتقال نواب مذکور رفاقت نواب
مرشد قلی خان صوبه دار اودلیسه برگزید-

و چون مرشد قلی خان به دکن آمد میر هم مرافقت نمود و بعد چندی از مرشد قلی خان
جدا شده در ظلال مرحمت نواب آصفجاه خدیو کشور دکن مدتی روزگار گذرانید-

چون مسلک او وارستگی و استغناست آخر الامر دست از مصاحبت نواب آصفجاه
برداشته در حیدرآباد دکن گوشهٔ انزوا گرفت و با یکی از سادات تفرش که از مدتی متوطن
حیدرآباد اند وصلت نموده بتأهل پرداخت-

فقیر را اول در لشکر نواب آصفجاه سنه ستین ومائة والف (۱۱۶۰) با میر ملاقاتهای
مستوفی دست داد- بعد ازان در سنه خمس وستین ومائة والف (۱۱۶۵) در ورود فقیر به
حیدرآباد صورت بست و دیدوا دید مکرر بعمل آمد-

امروز میر بی نظیر زمان است و در طلاقت لسان و صنوف فضائل ممتاز اقران-
صریر کلک اقدس سامعه می افروزد ـه

ظالم از عربده پابستم خویش کشد   عقرب از کجروشی بر سر خود نیشش کشد
نباشد خودنمائی مردم افتاده از پا را   که رنگینی نباشد سایهٔ گلهای رعنا را
عمر بهیچ مے رود رحم و جفاے یار کو   وصل سبک عنان چه شد هجر گران وقار کو
نرم شو کز سختگیران کار صورت گیر نیست   خامهٔ فولاد هرگز لائق تصویر نیست
رفته رفته ظلم گردون بیشتر از عدل شد   این کمان از بسکه بیجا ماند آخر خانه کرد
پرتو خورشید را آئینه سازد گرم تر   مهر کم را سینه صافیها فراوان مے کند

ریاضت در جهادِ نفس باشد حربۂ مردان — خوش ... ورۂ تسبیح نماز است مرا
سخت رو یان فارغ انداز کاوشِ اہلِ جہان — در زمینِ سخن ...
دولتِ بے زنگان سرمایۂ سنگین دلی ست — خاک چون یا تو ... اکبر آبادی
تا چند بار خاطرِ دلہا توان شدن — یک چند گر به سبز گلشن ... سال است که
... می شکند-
... شاہجہانیہ

(۱۰۲) حزین — شیخ محمد علی

سلسلۂ نسبتش بہژده واسطه به شیخ زاہد گیلانی مرشد شیخ صفی الدین اردبیلی جد سلاطین صفویه می پیوندد-

و مولد و منشأ شیخ اصفہان است- چون نادر شاه بر ممالک ایران استیلا یافت و امنی که در عہد سلاطین صفویه بود برہم خورد- شیخ رخت سفر به دیارِ ہند کشید و در سنه سبع و اربعین و مأته و الف (۱۱۴۷) از راه دریا به بندر ٹھٹه رسید- و از طریق سیوستان و خدا آباد وارد بلده بھکر گشت-

اتفاقاً دران ایام عطف عنان فقیر از سنده بجانب ہند واقع شد و در بلدۂ بھکر با شیخ ملاقاتہا دست داد- جامع علوم عقلی و نقلی است و در نظم و نثر مرتبۂ بلند دارد-

آخر از راه ملتان و لاہور متوجه دار الخلافه دہلی شد- و قریب چہارده[۱۴] سال درین شہر بعنوان انزوا اقامت گزید-

و در سنه احدی و ستین و مأته و الف (۱۱۶۱) از شاہجہان آباد برآمده چندی در اکبر آباد وقفه کرد و از انجا به شہر بنارس شتافت- و بعد چندے از انجا به عظیم آباد پٹنه رفت

در بھکر جزوے از اشعار طبع زاد به دستخط خود تواضع فقیر نمود- و اکنون دیوان

عالیات مالید۔ آنگاہ نطاق عزم بگلگشت انتخاب نہ شد۔

و مائتہ والف (۱۱۴۹) ازین ... کفایہ است ؎

نمودہ از راہ دریا سیری ... دل آید بیرون　　آہ دل سوختہ کان متصل آید بیرون

ناظم بنگالہ بصبغۂ مصاحب گل دام ہوسہا　　رشک است بآزادیِ مرغانِ قفسہا

مرشد قلی خان ... جلوۂ جانانہ سوختیم　　آتش بسنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

و ... برا سیری گر بباد رفتہ باشد　　در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

جدا ... شادم کہ از رقیبان دامن فشان گذشتی　　گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

دلم ز وعدہ بر آتش فگندی و رفتی　　بیا کہ سوختن این کباب نزدیک است

(۱۰۳) متین میرزا عبد الرضا صفاہانی

از صاحب طبعان حال و نکتہ سنجان بلند مقال است۔ سلسلۂ نسبش بہ مالک اشتر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتہی مے شود۔

مولد و منشأ او اصفہان است۔ مدتہا است کہ بسیر ہند تشریف آوردہ اول با نواب برہان الملک سعادت علی خان نیشاپوری ناظم صوبۂ اودھ۔ قرین اعتبار بسر مے برد۔ و بعد انتقال برہان الملک رفاقت نواب ابو المنصور خان صفدر جنگ مے گزیند۔

فقیر در بلدۂ لکھنؤ او را دیدم و چند در حجرۂ سید جعفر روحی تحریر یافت۔ مردی درویش سیرت فانی مشرب است۔ خلق و شکستگی بمرتبۂ کمال دارد۔ صحبت او ہمنشینان را سرمایۂ سرور مے افزاید۔

صاحب دیوان است۔ اما اشعار ایشان بفقیر کم رسیدہ۔ رباعی

تو خط بچہرہ نیاز است مرا　　در بہر موی خویش ناز است مرا

صد بار چو بر گرد سرش مے گردم   یک دورۂ تسبیح نماز است مرا

(۱۰۴) آرزو ـ سراج الدین علی خان اکبرآبادی

از شعراء حال ـ و تازہ گویان خوش خیال است ـ قریب پنجاہ سال است کہ
در گلستان سخن عندلیبی می کند و بہ سنباری ثعبان قلم بازار سحر آفرینان می شکند ـ
فقیر در حین تالیف این کتاب دوستی نامہ مشتمل طلب ترجمہ تقلم آورد مشار الیہ
بمنطوق وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا عمل نمود ـ و مکرر بہ تحریر
جواب و ارسال احوال و اشعار خود مسرور ساخت و قلمی نمود کہ :ـ

"فقیر بخدمت میر عبد الجلیل مرحوم بلگرامی مکرر مستفید شدہ و صحبت شعر اتفاق
"افتاد ـ حالا بادۂ ارتباط دو آتشہ شد و گل دوستی رعنا گشت"

نسب آرزو از جانب پدر بہ شیخ کمال الدین خواہرزادۂ شیخ نصیر الدین محمود
نَوَّرَ اللّٰہُ ضَرِیحَہٗ و از جہت مادر بہ شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری عطاری
رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہٗ منتہی می شود ـ

و نسب شیخ محمد غوث بہ شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری عَطَّرَ اللّٰہُ ضَرِیحَہٗ مے
پیوندد و لہذا ایشان را عطاری گویند ـ

ولادت شیخ سراج الدین در منتہای مائۃ حادیۃ عشر (۱۱۰۰) واقع شد ـ از
بدو شعور بہ تحصیل علوم رسمیہ پرداختہ ـ و در سن چہاردہ سالگی خود را بہ سخن مشغول
ساختہ ـ و تا بیست و چہار سالگی کتب متداولہ دری در خدمت فضلاء عصر گذرانید
در فنون فراوان استعداد بلند بہم رسانیدہ ـ سپس در سلک منصب داران پادشاہی
درآمد ـ

در اوائل سلطنت محمد فرخ سیر بخدمت انضمامات گوالیار مامور گردیدہ در

سنهٔ اثنتین وثلثین ومأته والف (۱۱۳۲) به دار الخلافه شاهجهان آمد وازان وقت تا زمان حال درین شهر بسر می برد- وهنگامهٔ سخنوری گرم دارد

صاحب فراوان تصانیف است مثل رسالهٔ "موهبت عظمی" درفن معانی ورسالهٔ "عطیهٔ کبری" درفن بیان- هردو بزبان فارسی بطریق "مفتاح" و"تلخیص" که سابق کسی برین منوال ننوشته- وفرهنگ "سراج اللغة" بطور برهان قاطع و "چراغ هدایت" دربیان لغات واصطلاحات شعراء جدید که درکتب سالفه نیست و"نوادر الالفاظ" مشتمل بر لغات هندیه که فارسی وعربی آن در هند غیر مشهور است- و"شرح سکندرنامه" و"شرح قصائد عرفی" و "سراج منیر" اجوبهٔ اعتراضات ابو البرکات منیر بر اشعار عرفی وغیره ونسخهٔ "داد سخن" "شرح قصیدهٔ ابو البرکات منیر" که در اعتراضات شیدا بر قصیدهٔ قدسی محاکمه نموده- وشرح گلستان مسمی به "خیابان" و"تذکرهٔ اکثر شعراء متقدم ومتاخر" که درین ایام بتحریر آن اشتغال دارد- کلیات او نظماً ونثراً قریب سی هزار بیت است

وبعد از انکه خط مشار الیه چهرهٔ وصول نمود مختصر دیوانش شخصے تازه از شاهجهان آباد آورد واین ابیات ازانجا سمت تحریر یافت ؎

مگو که چارهٔ دل از سبوے آید | کدام کار که از دست او نمے آید

چه چشم دوستی زین ساده لوحان داشتن | چو چشم حفظ الغیب از آئینه نتوان داشتن

به هوای آن پری رو چشم من پرواز کرد | طفل بازی گوش اشکم را کبوتر باز کرد

کجیے نیست در طریق خدا | بنگلین راست می کنند دعا

مخفی سعدیم و در عالم هویدا ایم ما | خوب اگر فهمیده تصویر عنقائیم ما

نماند همچو حنا هیچ اختیار مرا | سپرده بسته بدست تو روزگار مرا

چو شبنم آبله پیدا ابروی آن گل شد | قماش حسن به بیند که چشم بلبل شد

اگر از ناز بتان اذن تماشا گیرند | از کف آئینہ گذارند و دلِ ما گیرند

دفعِ غفلت زندگی افزای انسان می شود | عمر از شب زنده داریہا دو چندان می شود

گلرخان تنگ دلم خاطرِ من شاد کنید | چون شود بندِ قبا باز مرا یاد کنید

دلبران باہم آشنا مشوید | مبتلائیم ما شما مشوید

بنوش خونِ دلِ من کہ خوش نمک دارد | شراب میکدہ ام لذتِ گزک دارد

می کند ناز خطِ او نہ دمیدہ است ہنوز | بیدماغ است کہ تیغش نرسیدہ است ہنوز

عرضِ بے طاقتیِ خود بچہ انداز دہم | بشکنم شیشۂ دل تا بتو آواز دہم

وحشت آموزِ غزالانم من | شہر استاد بیابانم من

بہ بزمِ می پرستان خود نمائی شیخ کمتر کن | بسانِ شمع اسبابِ معیشت را بسر بر کن

شنیدم از رہِ دور آمد آن شوخِ فریبندہ | شود ای کاش شمعِ محفلِ من ماہ آیندہ

ندارد یاد ایام جدائی چشمِ مستِ او | حسابی نیست در پیشِ فرنگی سالِ ہجرت را

فریب خوش پسران خوردن آرزو رسم است | ز روی تجربہ گفت این چنین پدرِ ما را

شکستہ پا بنشین آرزو بگوشۂ صبر | کہ شاہ مملکتِ فقر چون تمر لنگ است

ہر کہ خود تربیتِ خود نکند حیوان است | آدم آنست کہ او را پدر و مادر نیست

تغافل این ہمہ رسم کجاست جان کسی | بخلفِ وعدہ دلم نیز شرمسار تو نیست

گرفت آن مہِ ہندی مہِ دگر در بر | دگر مپرس حکایت کہ چند در چند است

گر مصحفِ عذار تو افتد بدستِ من | ختمش کنی بشوق بیک بوسہ کردن است

نیست خالی از تناسب عضو عضو آن پری | ساق ہمچون دستۂ آئینہ زانوی او ست

چنین کہ منع ز ہمسر گوشی خودم کردی | بخاطرِ تو ندانم چہ احتمال گذشت

می دوانند آسمان را بہرِ کارِ خاکیان | از بزرگیہا بود گر بے وقارم کردہ اند

خجالت می کشم بسیار از روی وفای خود | تو گاہی کردہ باشی یاد من یادم نمی آید

حسود پست شد آنجا که بیت خود خواندم　　چنانکه بر سر کس خانهٔ فرود آید

نمی فهم زبان ترکی چشمم سخن گوییت　　اشارتهای ابرو شاید اینجا ترجمان باشد

نقش در عالم نشاند آنکه سود عمر او　　همچو خوش خط مهرکن در نیکنامی صرف شد

دیده باشی گل شبنم آلود　　گریه را هم دل خوش می آید

آرزو بیجاست سعیت در تمنائے وصال　　عاملے گر جان دهد آن شوخ کی تن میدهد

کم بود از شوق خالی حسن موزون بتان　　سرو این باغ است دار عشق پیچان بیشتر

لیکن دل ما آخر از ان شوخ کشیدی　　ای آینه ما قدر تو نشناخته بودیم

پامال کرد خون من تیره روز را　　زانو سیه سمند سواری که دیده ام

نصیب اهل کمال است از جهان تعذیب　　که در شکنجه فتد چون شود کتاب تمام

ربود از دل عشاق بیحضوری را　　غبار خط تو خاک شفاست پنداری

زنار و قشقهٔ ما بے سبحه نباشد　　چون شمع جمع کردیم رندی و پارسائی

خطاست اخذ معانی ز فکر هم طرحان　　زمین شعر کجا حق شفعه داشته است

شود چه بازوی من ناز بالش خوابت　　تو خود بگو که مرا آن زمان چه باید کرد

واجب القتلی نخواهد بود زینسان در جهان　　خون عاشق تیر چون شنجرف باشد کشتنی

آرزو اطفال را هم هست افیونی ضرور　　حیف آن عاقل که ماند زنده بے کیفیتے

هر چند ازو نیم و لیکن همه اوئیم　　مانندهٔ قیلے که تراشیده زعاج است

آن دو گیسوے سیه بر روی رخشان آرزو　　شعر هندی بوده است از میرزا روشن ضمیر

پوشیده نماند که بعد اتمام سرو آزاد سراج الدین علی خان آرزو از شاهجهان آباد برخاسته رخت سفر به دیار شرقی کشید. و در بلدهٔ لکهنو آمد. و بوساطت اسحٰق خان با نواب صفدر جنگ ناظم صوبه اوده برخورد و بعواطف اختصاص یافت و چون نواب صفدر جنگ هفدهم ذی الحجه سنه سبع و ستین و مائة

والف (۱۱۶۷) درگذشت - آرزو باشجاع الدوله خلف نواب مذکور که قائم مقام پدر شد بسر مے برد - و در جمادی الأخری سنه تسع وستین و مأته والف (۱۱۶۹) در بلدۂ لکھنؤ فوت کرد - و در ہمین شہر مدفون گردید

مؤلف کتاب گوید ؎

سراج الدین علی خان نادرِ عصر — زمرگِ او سخن را آبرو رفت
اگر جوید کسے سالِ وفاتش — بگو - آن جانِ معنی آرزو رفت ۱۱۶۹ھ

(۱۰۵) مظہر - میرزا جانجان سلمه اللہ تعالےٰ

مظہر فیض الٰہی است - و مشرق صبح آگاہی - شاہ مسند فقر و فنا - و مقیم آستان توکل و استغنا -

نام والد ماجد او میرزا جان است ازینجا وجہ تسمیۂ او توان دریافت امّا نام وتخلص او گویا عنایتِ ترجمان اسرار قیوم مولانای رومی است که پانصد سال پیش ازین در دفتر ششم مثنوی ارشاد فرموده و کراستے نمایان بحضار انجمن استقبال را نموده یعنی ؎

جان اول مظہرِ درگاه شد — جانجان خود مظہرِ اللہ شد

لیکن نام او بر السنه میرزا جانجانان جاری شده - این اسم ہم معنیِ بلند دارد فقیر را با میرزا ملاقات صوری صورت نه بسته اما غائبانه اخلاص کامل است وہمیشه به آمد و رفت مراسلات خط ہمکلامی حاصل -

میرزا جامع فقر و فضیلت و سخن گستری است - و به اقتضای اسم خود در فن الرتح معنی پروری - نو عروس مقال را بمشاطگی ذہنش طرز تازه - و تصویر خیال را بتروتی فکرش حسن بے اندازه - شعلۂ آوازش آتش زن خرمنہا - و شوخی اندازش شوخ

افگن انجمنها۔

فقیر در اثناء تحریر این کتاب تکلیف ترجمہ کرد۔ میرزا ترجمہ خود و اشعار آبدار بہ تحریر در آورد۔ و متاع نفیس از انفاس خود ہدیۂ دوستان ساخت نسخۂ ترجمہ این است:

"فقیر جانجان متخلص بہ مظہر پسر میرزا جان جانی تخلص۔ علوی نسب۔ ہندی مولد حنفی مذہب

"نقشبندی مشرب است۔ در عشرۂ اولی مائۂ ثانیہ بعد الف ولادتش اتفاق افتاد۔ نشو و نمای

"ظاہری در بلدۂ اکبر آباد یافتہ۔ تربیت باطنیش در محروسہ شاہجہان آباد از جناب حضرت سید نور محمد

"بداونی نقشبندی مجددی واقع شد۔ سلسلۂ نسبش بہ بیست و ہشت واسطہ بتوسط محمد بن حنفیہ

"بہ شیر بیشۂ کبریا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ منتہی می شود۔

"جد اعلای او امیر کمال الدین در اوائل مائۂ تاسعہ از خطۂ طائف بجذب قسمت بحدود

"ترکستان رخت اقامت انداخت۔ و بفرمان روائی بعضی ازان ممالک عمر گزرانیدہ۔ اولاد

"کثیر بہم رسانید از انہا امیر مجنون و امیر بابا در حین فتح ہندوستان کہ بر دست ہمایون

"پادشاہ اتفاق افتاد۔ درین مملکت وارد شدند۔ ازان باز خدمت و رفاقت سلاطین گورگانیہ

"شعار مردم این خاندان بود

"میرزا جان مذکور کہ ششم مرتبہ از امیر بابا و در درجۂ دوازدہم از امیر کمال الدین مسطور

"واقع است بعہد عالمگیر پادشاہ علیہ الرحمۃ بعالی منصب ترک دنیا سرافراز گردید۔

"و این خاکسار از بدو طفلی ہوای مال و جاہش در سر نپیچید۔ بعد تحصیل ضروریات این شکستہ

"شغبا خود را ازان دولت از خود رفتگان بستہ بامید آنکہ ہیچی در عالم دیگر باز کند۔ چون نقش قدم

"بردر ایشان لحشتر است۔ ازین رو اخلاص ضعف قوی دارد۔ تا بتدبیر اسباب نمی آرد تجرید و تفرید

"اختیار کردہ نان پر جوان دو نان نخوردہ۔ و چون کل عمر خود را بیک خرقہ بسر بردہ بتحریک شور عشقی

"کہ نمک خمیر اوست گاہی بفریاد و واہی کند۔ چون نالہ اش موزون واقع می شود احباب از راہ جوہر

"شناسی بمیزان اشعارش می سنجند۔ و گرنہ او را از غایت انصاف نظر بہ بے سرمایگی خود دکانی بر

"سخن پیچیده - زیاده برین نیست که نظر بزرگان یافته حسن قبولی بهم رسانیده است - او سبحانه حسن خاتمه هم نصیب کند

"ومن اشعاره"

باغبان رو بمن آور که ثنا خوانِ تو ام
چون صبا باد فروشِ گل و ریحانِ تو ام

همچو سیلاب روم گریه کنان جانبِ دشت
من که جاروب کشِ گورِ غریبانِ تو ام

طرفه شمعی تو که چون صورتِ فانوسِ خیال
متصل گردِ تو می گردم و حیرانِ تو ام

خوب گفتی غزلِ مرثیهٔ من مظهر
جان ندارم که دهم کشتهٔ احسانِ توام

آنکه روز و شب بلا گردانِ دیدارِ خود است
داغ همچون آفتاب از دستِ رخسارِ خود است

پشت پائی بر حنا زد سر مرا در خاک ریخت
از پیِ آزارِ من ناحق در آزارِ خود است

خدایا آتشِ سودا ز سر تا پای من گیرد
اگر عریانیم چون شمع نام پیرهن گیرد

هنر در کار باشد عشق را چون پا بسنگ آمد
درین رهِ تیشه باید که دستِ کوهکن گیرد

ازان پیراهنِ خود چاک می سازم که می ترسم
گریبانم بمحشر آید و دامانِ من گیرد

ازین عالم مجرد می روم چون بوی گل مظهر
که ترسم حقِ عریانی گریبانِ کفن گیرد

نسب درست کند گر بها به زاری ما
همین بس است پس از مرگ خیر جاری ما

کاهید دخلهای سخن گرچه تن مرا
بالید چون نگین ز کندن سخن مرا

مرا کشت است دیا ز این مرگ با من سرگران دارد
ترا از نقشِ من چون دید گفت این مرده جان دارد

سوز دل از سرِ هر مویم نمایان کرده اند
این جفا جویان مرا سرو چراغان کرده اند

سحر عیدِ گل و عاشورِ بلبل در چمن دیدم
برنگ امتزاج کردن چون سحر بسیار خندیدم

نیاز مشرب پروانه شمع خواهم کرد
اگر وصالِ تو این بار رو نمود مرا

صیاد ار بلبل دیگر پس از من آشیان بندد
توان آویخت از شاخ بلندی استخوانم را

چشم بر چشم چو افتاد گرفتار بهاست
حلقه بر حلقه چو افزود دگر زنجیر است

عکس رنگ پان نمایان آمد از پشت لبت
این بزرگی از کجا در سبزه زار افتاده است

هیچ کس بر جامه زیبا تحمل من ثابت نکرد | گرچه خونم چون سجاف سرخ دامن گیر بود
نداشت هستی من تا عدم سر مو فرق | گر تو هستی و من صفت از میان رفتم
سپین آئینه گردی زخمی تیغ نگاه خود | ضروراست ای پسر از صحبت سیفی حذر کردن
جز تو در دیدهٔ من کس نگذارد قدمی | شهره دارد که درین خانه پری سے باشد
بتان اگرچه نداشند قدر مظهر ما | خدا گواه که دیوانه سخت مغتنم است

(۱۰۶) دردمند - فقیه صاحب

از نجباء اودگیر است - و شعراء خوش تقریر -

اودگیر شهری است از توابع محمد آباد بیدر - مرقد منور شیخ صدر الدین قدس سره که از مشاهیر اولیاء دکن است درین شهر واقع شده - راقم الحروف مکرر بزیارت مزار فائض الانوار سعادت اندوخته -

مولد فقیه صاحب اودگیر است - در صغر سن همراه والد خود مطابق سنه ست و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۶) از دکن به دار الخلافه شاهجهان آباد رسید - و در ظل عاطفت شاه ولی الله نبیرهٔ شاه گل متخلص به وحدت سهرندی قدس الله اسرارهما جا گرفت - و به تهذیب اخلاق و تحصیل حیثیات مشغول گردید - بعد چندی والد او رخت زندگانی بربست - میرزا جانجان مظهر سلمه الله تعالی او را در سایهٔ شفقت خود گرفت و به حسن عنایت و تربیت ایشان مجموعهٔ کمالات شد - در فن سخن رتبهٔ شایسته بهم رسانید و میرزا در حق او گوید -

مظهر مباش غافل از احوال دردمند | لطیست اینکه دیگر روزگار نیست

شعر فارسی و ریخته هر دو خوب می گوید - ساقی نامه رتبهٔ او مشهور است که مقبول طبائع گردیده -

فیما بین فقیر و مشارٌ الیہ غائبانہ اخلاص دانی است و ہمیشہ طریق مراسلات مسلوک
درین ایام بہ تقریبی از شاہجہان آباد بسمت بنگالہ رفتہ و نزد ناظم بنگالہ بہ جمعیت
مے گزراند

اشعار او بہ فقیر کم رسیدہ۔ چند بیت پیش ازین بہ بیتشت خطی نوشتہ بود ازان است ؎

برزخم خویش ازان کوہکن نمک ریز است | کہ شور خندۂ شیرین بکام پرویز است
در کوی میفروش نماند آبرو مرا | لب تشنگی فروخت بدست سبو مرا
جان بیکسانہ دادم و شادم کہ عمر ہا | بود است بیمراد تو مرگ آرزو مرا

رباعی

از فیض نوای شافع روز محشر | ہر روز بود عید غدیر دیگر
چون جام بود چشم امیدم در حشر | بر دست نوای ساقی حوض کوثر

رباعی

یکچند عتاب و ناز ظاہر کردی | وین عمر دو روزہ بار خاطر کردی
بعد از مردن رہت بہ ماکم افتاد | اول بایست آنچہ آخر کردی

(۱۰۷) شاعر۔ گل محمد معنی یاب خان

از مردم سرکار محمد شاہ پادشاہ است۔ بعنایت شاہی ممتاز بود۔ و بہ خطاب
معنی یاب خان سرفراز۔ نسبت تلمذ بخدمت میرزا عبدل درست کردہ۔ و در تلامذۂ میرزا
فائق برآمدہ۔ امروز منتخب شعراء شاہجہان آباد است و قلمرو معنی یاب بہ پیامن نظم و نسق
او آباد۔

گلدستۂ خیالات رنگین چنین می بندد ؎

بگلشن چشم شہلایش چو می آشام مے گردد | دکان حسن خوبان تختہ چون بادام مے گردد

اگرچه داخلِ بزمم ولے نیم داخل   جدا از صحبت هم همچو شاخ پیوندم

(۱۰۸) عزلت میر عبد الولی

بن سید سعد الله سلونی سورتی که ترجمه اش در فصل ثانی از دفتر اول گذارش یافت از مستعدان وقت است۔ کتب درسی نزد پدر والاگهر خوانده۔ و در معقولات طبیعی خوب بهم رسانده۔

فقیر را بعد مراجعت از سفر بیت الله در بندر سورت ملاقات او اتفاق افتاد خوش صحبت است۔ موسیقی هندی خوب می داند۔

مشار الیه را اشتیاق سیر شاهجهان آباد در حرکت آورد۔ و از بندر سورت روانه شده۔ بعد از طی عرض راه بیستم جمادی الاولی سنه اربع وستین ومائة والف (۱۱۶۴) واصل آن بلدهٔ فاخره شد۔ وتا وقت تحریر۔ همان جاست

منتخبی از دیوان خود برای مطالعه فقیر در بندر سورت فرستاده بود این چند بیت از انجا فراگرفته شد ؎

نشود مرد کسی کوه گر از جا برداشت   رستم است آنکه دلِ دوست ز دنیا برداشت

به گرم جوشی یاران عصر تکیه مکن   که چون معانقهٔ عید اعتمادی نیست

دوستان از دوستان محروم و دشمن کامیاب   چیده مقراض از نهالِ شمع گل پروانه سوخت

دلم افسرده خواهد ماند یا وا می شود روزی   ندانم غنچه ام در دست گلچین یا صبا افتد

ندانم کرده گر صیاد از دامم رها سازد   اسیر حلقه به گرد سر گردیدنش گردم

سر بلند داشت نکهت گلشن ز شمیم او   بوی گلی نبود که پا در حنا نداشت

(۱۰۹) جرأت[۱] میر محمد هاشم

مخاطب به موسوی خان که خلافش بیداهت نظر اصل و نسب نشان می دهد در

[۱] مآثر الامرا جلد سوم صفحه ۱۱۹۔

سنہ ثمان و ثمانین و الف (۱۰۸۸) در نزہتکدہ عالم ناسوت خرامید و ہلال استعدادش در سنہ چہاردہ سالگی بہ استفاضۂ انوار تربیت والد ماجدش بعروج بدر کامل رسید۔ سلسلۂ نسبش بہ بیست واسطہ بہ سابع ائمہ ہدیٰ علیہ التحیۃ و الثنا منتہی می شود جدش سید علی بہ اقتضاء آبخور از خطۂ گیلان بہ دیار ہند وارد شد پدرش میر محمد شفیع بن سید علی از فنون فضل و کمال آگہی داشت۔ و در خجستہ بنیاد اورنگ آباد رنگ توطن ریخت۔

موسوی خان نخست دامن دولت امیر الامرا سید حسین علی خان گرفت و بہ قلعہ داری دھارور امتیاز یافت۔ و چون امیر الامرا در سنہ احدی و ثلثین و مأتہ و الف (۱۱۳۱) از دکن جانب ہند حرکت کرد۔ موسوی خان در رکاب امیر الامرا بسیر ہند شتافت۔ و صحبت اکثرے از صاحب کمالان آنجا مثل میرزا بیدل و میر عبد الجلیل بلگرامی دریافت ــ مے فرماید:۔

"ہمیشہ در دکن از زبان امیر الامرا اوصاف کمال میر عبد الجلیل سامعہ افروز بود۔ چون ملاقات واقع شد عجب نسخہ جامعی یافتم۔"

بعد از برہم خوردن طبقۂ سادات از سن سی سالگی تا انتہای سن انحطاط در نزہتکدۂ ظل نواب آصفجاہ طاب ثراہ اوقات زندگانی را صرف گلگشت بہشت برین نمود۔ و بمنصب دو ہزار و پانصدی و خدمت دار الانشا سر افرازی داشت۔

و بعد رحلت نواب آصفجاہ و نشستن نواب نظام الدولہ شہید بر مسند ریاست دکن خدمت انشاء سرکار والا ہم بہ موسوی خان قرار یافت۔ الحال نیز در دکن قیام دارد۔ و بہ عہدۂ انشاء و منصب چہار ہزاری و خطاب معز الدولہ فرق امتیاز می افرازد۔

فقیر را بعد ورود ممالک دکن با خان مذکور مجالس متوفی اتفاق افتاد نسیم گفتگوئش

گره کشای غنچهٔ دلهاست - وگلریزی تقریرش رنگ افروز چهرهٔ مدعا -

این چند بیت از دیوانش فرا گرفته شده

پاس دل گرمی توانی داشت سلطان می شوی — این نگین را گر بدست آری سلیمان می شوی

نه بهر آنکه منزل دور و پا لنگست می نالم — دلم را چون جرس جای طپش تنگست می نالم

در دیده ام خیال رخ خوب یار ماند — این نقش بر جبیدهٔ بلبل و نهار ماند

فارغ از هر دو جهان بندهٔ احسان توام — سرو آزادم و پابند گلستان توام

بسملم کردی و پر سے طپیم آزرده مشو — می کنم رقص که در ذیل شهیدان توام

بے بهار خلق شهرت با هنرور ساز نیست — نکهت گل بے شگفتن قابل پرواز نیست

منتهای کار عاشق از بدایت روشن است — شمع را آئینهٔ انجام جز آغاز نیست

شد صرف سوز عشق بیانی که یافتم — مانند شمع سوخت زبانی که یافتم

منظور از نظارهٔ حسنت شهادت است — از قتل بدتر است امانی که یافتم

راز جانان نیز معشوق است با پاس داشت — بهر این لیلی نباشد بهتر از دل محملی

لذت همه در مناسبتهاست — از شیر دل شکر کشاید

هوس زخم بمهتاب تجلی دارم — کاش عریانی من رنگ کتانی می داشت

توان خدنگ نگاهی بسوی ما افگند — هنوز با تن مجروح نیم جانی هست

آمد اندیشهٔ دنیا بطلبگاری دل — گفتم آن شیفتهٔ بے سر و پا حاضر نیست

خاک میکده رندان مست محترم اند — سبوی می چو مرادید دست بر سر شد

تا در قلمرو اقلیم رندی میکده گر — دم بستم اهل حرص چو رندان نشسته اند

(۱۱۰) رسا - جان میرزا

مخاطب بمیرزا خان الحسینی است موطن آبائش همدان - و نسبتش بمیر

سید علی ہمدانی رحمہ اللہ می رسد۔

از اجدادش میر شاہ طاہر در عہد اکبر بادشاہ وارد سواد اعظم ہندوستان گردید وقبول تمام یافت۔ وپس از چندگاہ متوجہ گلگشت دکن گشت سلاطین عصر مقدمش را گرامی داشتہ بآئین ارباب عقیدت احترام مالاکلام بعمل می آوردند۔ پس ازان اخلافش در گجرات احمد آباد توطن اختیار نمودہ مرجع اہل فضل وکمال بودند۔ وبہ سنت سنیۂ مشائخ عمل می کردند۔ واز چند قریہ کہ اکبر بادشاہ بطریق سیورغال مقرر کردہ بود صرف مایحتاج می نمودند۔

والدش سید میر خان در زمان خلد مکان خود را در سلک ارباب مناصب منتظم ساخت وبخدمات عمدہ ممتاز بود واز علوم آگاہی داشت۔

مولد میرزا خان۔ حیدرآباد است نشوونما در لشکر نواب آصفجاہ یافتہ و از مجلسیان خاص نواب بود۔ ودر اواخر عہد آصفجاہ بخدمت انشاء سرکار والا قیام داشت۔ ودر رکاب نواب میر شاہجہان آباد کرد۔ وصحبت شعراء آنجا دریافت۔ بسیار خوش خلق۔ رنگین صحبت است۔ وجامۂ میرزائیت بر قامتش او دوختہ اند۔

فقیر را در دکن صحبتہای فراوان با او صورت بست۔

این چند بیت از بیاضش دیبای سواد نقش می بندد ؎

خود را ز تنگی قفس آزاد می کنم	این مشت پر تواضع صیاد می کنم
در سراپردۂ دل ہر نفس آوازی ہست	کہ درین خانۂ پنہان خانہ براندازی ہست
نرسم اگر بہ بزمش ز ہجوم نارسائی	خیال آستانش من و مشق جبہہ سائی
کہ برد پیام ما را بحریم خوش نگاہان	رقمی نمود آہم دو سہ مصرع ہوائی
نگہ کن ای باغبان گلدستۂ پیش من بیار	صبح یاران رنگین یاد می آید مرا

به گلشنِ دلِ پر داغ سیرها دارم | معاشرانِ چمن انتظارِ من مبرید
نمی توان به فلک طرح اختلاط انداخت | مرا ز صحبتِ این سفله ننگ می آید
خو بغربت کرده را در بیکسی هم عالمی است | بلبلِ ما در قفس کم می کند یادِ وطن

(۱۱۱) ایجاد - میرزا علی نقی

از قوم قاچار است - مولد پدرش نقد علی خان - همدان - و با شیخ علیخان وزیر شاه سلیمان صفوی قرابت قریبه داشت - نقد علی خان از ولایت خود بگذشت هند شتافت - و در عهد آصف جاه بتهاید دیوانی پادشاهی بلده حیدرآباد سرافراز بود - و باین علاقه پای توطن در حیدرآباد افشرده -

محل ایجاد میرزا علی نقی ایجاد دار السرور برهانپور است - بمصاحبت نواب آصفجاه رسید و فراوان اختصاص بهم رسانید - و بعد فوت پدر در سنه اربع و ستین و مائة و الف (۱۱۶۴) بخطاب موروثی نقد علی خان و خدمت دیوانی حیدرآباد نقد افتخار بدست آورد -

اول مرتبه در اورنگ آباد دار دفتر خانه شد و بعد ازان در لشکر نواب نظام الدوله شهید در حیدرآباد بجناب متوالی اتفاق افتاد - جوهر قابلیت سرمایهٔ اوست - و زیور تهذیب اخلاق پیرایهٔ او -

این چند بیت از دیوانش بنظر رسیده است

بدست یار سپردند اختیار مرا | توان برنگ حنا یافت رنگ کار مرا
یار آمد و نمی نشست و شتاب رفت | عمرم عزیز عجب به این اضطراب رفت
ای مصوّر از لباس یار دامانش بکش | بهر تقسیم دست گریبانی گریبانش بکش
وطن کو بجوی و من انتظارها دارم | بیا بیا به جلوه که من با تو کارها دارم

پرسند هرچه از تو بگفتن شتاب کن ... خود را مثال آینه حاضر جواب کن

خطاست اینکه بگویم به جبهه چین داری ... خدا نکرده مگر در گره همین داری

خط پشت لب و حرف تو در دل کرد تاثیری ... بقربانت روم ظالم چه تحریری چه تقریری

گفتهٔ دل شکنان به که فراموش کنی ... این گهر بین ندارد که تو در گوش کنی

گیرم که در کفم همه رنگ حنا شوی ... آخر تو رفته رفته ز من بیوفا شوی

بروی مشهد پروانه شمع را دیدم ... که چادری ز گل داغ میکشد امشب

بی خورده دل لاله برد داغ ز گلشن ... آرام شناسی ست کزبی زر نتوان یافت

بالیده بود پر بخود آخر خراب شد ... چشم حباب کور شود این سزای او ست

راست می گوید اگر سرو که همدوش توام ... بهر دعوی خود مصحف گل بردارد

دلم از تست چه خواهی ببر من پیشکش کردم ... به صورت ترا آئینه در کار است می دانم

اول ابروی تو دیدیم ز معمورهٔ حسن ... ما درین شهر مبارک شب ماه آمده ایم

دارد همیشه در بر پیراهن معطر ... ما را ز گل خوش آمد این وضع میرزائی

(۱۱۲) افتخار ـ عبد الوهاب دولت آبادی

از خوش فکران این عصر است - در ایام تالیف این کتاب ترجمهٔ خود را باشارهٔ قیصر الشعرا کرد - چون نسبت به مؤلف کتاب تکلفی بکار برده هر چند بساط عذر گستردم تا ملاحظه را بهر ابرام بند ساختند —

نسخهٔ ترجمهٔ این است :—

"راقم عبد الوهاب متخلص به افتخار از سادات حسینی الاصل است سلسلهٔ نسبش از طرفین به مخدوم جهانیان بخاری قدس سره منتهی میشود - مولد و منشا این خود سید بود احمد نگر دار السلطنهٔ سلاطین نظام شاهیه - چون [illegible] با عمهٔ سید مرتضی خان بخاری حاکم

"حصار شهرپناه دولت آباد اتفاق افتاد - باین تقریب طرح اقامت در قلعه دولت آباد
"ریخته شد - بعد از ان کہ حیثیت استفاضه بهم رسید از چشمه سار نکته سنجان بقدر زلالی برداشت
"ومشت خاک خود را بتقویت این آبحیات کامیاب عمر جاودانی ساخت - گویند شخصی این بیت
"تکرار می کرد ؎

خدا ناکرده گر آید اجل پیش — بامیدی که بگذارم جنون را

"فرزندی داشت صاحب کمال گفت "بامید من" لله الحمد والمنه که جگر گوشگان اشعارم
"هریکی بزبان حال ادا نمود که آن شخص بیک فرزند تسلی شد تو خود به عنایت ایزدی چندین
"نتائج ارجمند داری همه را از نظر مؤلف کتاب گذرانیدم و از زیور اصلاح محلی ساختم - سخن
"آفرین تعالی شانه این غریب زادها را بحسن قبول صاحب طبعان رساند و از سواد به بیاض
"بلند فطرتان جلوه گر گرداند ؎

بود فیضان دیگر چشمهٔ داد الهی را — زماهی قیمت افزون تر بود دندان ماهی را
چو سیر غنچه کردم اعتبار این چمن دیدم — زند بر هم نسیمی منصب صاحب کلاهی را

غیرت افزای بهار است گل رخسارت — شمع افروز تماشاست مه دیدارت
می کنی جلوه بصد رنگ چو آئی بخرام — گردش خامهٔ نقاش بود رفتارت

ابرو که بود نازکش وسمه نخواهم — چون پی بکمانی که دو کار است بچسپیم

بعد مکانی هم ترا من نظرها هست می دانم — که چشم دوربین نزدیک بیند دوردستان را

تا چشم باز کرد خدا دید دیده ور — اول به بیند آینه آئینه ساز را

سازنده است صورتش را ز مین چشم — تا دل دوانده ریشه اگر یک زمان نشست

سنگین دل آن بت و من آبگینه دل — دل را بدل رهیست الهی تو خیر کن

ابروی دیگران نرسد ابروی ترا — هر ماه نو مقدمه عیش عید نیست

نگینم بسکه پیدا هیچکس چون من نمی داند — بنامی آشنا می گردم و با چهره می سازم

او بزلف آنجا گره زد، شد دلم اینجا بدام　　می توان دادن سرانجام امور از راه دور

(۱۱۳) امداد - شیخ غلام حسین

هاشمی النسب - قادری الطریقه - برهان پوری المولد است - کتب اوائل درسی تحصیل نموده - و نقش او بامشق سخن درست نشسته - از وی آید ؎

از تو پنهان می کند آئینه روی خویش را　　هر کسی منظور دارد آبروی خویش را

گل کند از باطن صاحبدلان بی قصد فیض　　در گره بستن نداند غنچه بوی خویش را

گر بصحرا نگه او چمن آرا گردد　　شاخ آهو قلم نرگس شهلا گردد

صندلی رنگ بتی گر سر درمان دارد　　درد هم گرد سر ما به تمنا گردد

رباعی

رونق ده تخت شرع شاه نجف است　　روشن کن آفتاب ماه نجف است

شاهی خواهی دگر تو را چه طلبی　　شاه نجف است و شاه راه نجف است

تا اینجا ذکر شعرای غیر بلگرام است و اسامی کتبی که ماخذ این تالیف است بخصیص جا در طی کتاب مسطور شد و مقصد استیعاب اشخاصی که در کتب ماخذ مذکور اند نیست مبدع فیاض کسی را که بر خاطر القا کرد بر زبان قلم گذشت - اکنون به تمهید شعرای بلگرام می پردازم و ذکر این طائفه را طراز دامن کتاب می سازم -

تمهید شعرای بلگرام

بر ضمیر قیان نقود اخبار و مبصران جواهر آثار هویدا است که چون ماهچه رایت اسلام بر سواد هند پرتو انداخت - و طنطنه غازیان کفر شکن کوس کلمة الله هی العلیا نواخت - اقسام صاحب کمالان عرب و عجم باقامت این دیار پرداختند و علوم ابوالبشر آدم را علیه السلام که از چندین هزار سال مندرس شده بود تازه ساختند از انجمله سخن موزون که از آن وقت تا این حال ماهران این فن شعرها

پرانگیخته اند۔ و رنگها از خامهٔ بوقلمون ریخته۔ امّا در عهد قدیم این طائفه بیشتر در پای
تخت سلاطین بوده اند و در اطراف و اکناف ملک کمتر توان یافت مثل ابوالفرج
رونی و امیر خسرو و امیر حسن و شیخ جمالی که هر سه از شهر دهلی برخاسته اند و غیرهم
رحمهم الله تعالی و از عهد اکبر پادشاه سکهٔ سخن را رواجی دیگر بهم رسید و
اکثر امصار بوجود موزونان معمور گردید۔ از انجمله شهر بلگرام حَفِظَهَا اللّٰهُ عَنْ
حَوَادِثِ الْاَیَّامِ۔

من سواد خوان نسخهٔ نادانی کمترین یاران وطنم۔ و خادم صاحبان این انجمن
اما باثبات مآثر این گروه کرام بر صفحهٔ روزگار حق نجیبی ثابت کرده ام و خدمت نمایانی
بقدر طاقت بجا آورده۔ سیما طائفهٔ شعراء قدیم و جدید که باصلاح سخن اینها پرداختم
مطلع کردم خود را از خدمت ایشان ممنون ساختم عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ تَعَالىٰ
شَانُهُ می داند که باعث اظهار این معنی نه برخود بالیدن است و دکان خودفروشی
چیدن۔ بلکه از سر عجز و نیاز زبان به تحدیث عنایات الٰهی کشوده ام۔ و لب به تذکر
عنایات شاهی وا نموده۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَبِرَحْمَتِهِ
تَنْزِلُ الْبَرَكَاتُ۔

(۱۱۴) نصیری شیخ نظام بلگرامی

از فضلای شعرای این مقام۔ و از گویندگان شیرین کلام است محل سکونت او محله
قاضی پوره در دامن بلگرام [illegible]۔

پدرش ابو الحسن [illegible] عالم [illegible] کردید عمش شیخ سلیمان که از
نوکران با اقتدار درگاه اکبر پادشاه بود در هر طرف تربیت کرده۔

شیخ [illegible] از عنفوان جوانی مشق سخن پیش گرفته درین فن رشدی بهم رسانده

ومخدرات صنائع وبدائع رابیشتر بکرسی نشاند۔

همواره با اُمراء عهد بسر می برد وبه اعزاز واکرام مخصوص بود۔ وایام زندگانی را به تجرد وتفرد گذرانید۔ آخرالامر در قصبۂ سفیدون از توابع دارالخلافه دهلی وارد شد وهمانجا به گلگشت نزهتکدۂ آخرت خرامید۔ واین سانحه درسنه ثلث و الف (۱۰۰۳) واقع شد۔ مبارک خان دهلوی تاریخ وفاتش درین قطعه بضبط آورده

مالکِ ملکِ نظم شیخ نظام	شاعر نادر و فصیح کلام
در قصیده شُده ظهیر زمان	در غزل گشته خسروِ ایّام
بست رخت بقا ز ملکِ فنا	کرد آهسته سوی خلد خرام
کردم اندیشه بهر تاریخش	خردم گفت۔ آه آه نظام ۱۰۰۳

دیوانش قصیده وغزل ورباعی وصنائع شعری پانزده هزار بیت است وقصیده به از دیگر اقسام می گوید۔

سید محمد اشرف درگاهی که ترجمه او در فصل دانشمندان از مجلد اول تسطیر یافت۔ فرمود۔ دیوان ضمیری بخط مصنف بنظر من درآمد۔ بر پشت دیوان مُهر خود زده که این بیت نقش داشت

خدایا بحق رسول انام	پذیرای کار ضمیر نظام

کلامش بطور آن عصر واقع شده لهذا درین جریده کم گرفته می شود

جز آئینه در روی تو دیدن که تواند	جز شانه بزلفِ تو رسیدن که تواند
بس مدعیان گوش بر آواز نشستند	در خلوتکدهٔ عشق طپیدن که تواند
آنجا که صبا را نبود بار ز تنگی	جان بخش کلام تو شنیدن که تواند
هر گل که به گلزار جمالِ تو بخندد	ای دای بجز دستِ تو چیدن که تواند

صد تیغ کشیدند ز هر سو به ضمیری | پیوند هوای تو بریدن که تواند

آن تُرک شوخ دیده خود از دودمانِ کیست | یا رب چنین خراب کنِ خانمانِ کیست
از ناله و فغانِ من آید جهان بجان | آن سنگدل نگفت که آیا فغانِ کیست
این سرو سرفراز که خوش می چمد بناز | یا رب چنین کشیده سر از بوستانِ کیست
هر تیر بر دلم که دو ابروی او کشید | دانستم از طپیدنِ دل کز کمانِ کیست
چون نامهٔ نیاز ضمیری رسید و خواند | پرسید بر سبیلِ تغافل از آن کیست

بزمی که شوی جلوه گرای سیمتن آنجا | گویند ثنای تو همه بی سخن آنجا
چشمم که بود خانهٔ خوش آب و هوائی | شایستهٔ آنست که سازی وطن آنجا
خواهم که کنم پیش تو دردِ دل خود عرض | لیکن بمقامی که تو باشی و من آنجا
تا کرد خریداری خاکِ سر کویت | از نقد روان داد ضمیری ثمن آنجا

رباعی

یا رب بدر تو نامه سیاه آمده ایم | وز آتش دوزخ به پناه آمده ایم
هر چند که ما غرقِ گناه آمده ایم | با قافلهٔ عذر براه آمده ایم

در تاریخ گنبد حاجی افضل علیه الرحمه گوید

بدوران شه اکبر که گشته | خطاب او جلال الدین محمد
چو حاجی افضل از تقدیر حق رفت | ازین دار فنا در دار سرمد
ز خسروی بیگ سلطان یافت بنیاد | برای مرقدش این پاک گنبد
ضمیری جست سال این بنا را | بلفظ پارسی و هم به ابجد
نمایان گشت پنهان و آشکارا | خرد گفتا بهشتِ جاودان شد
۹۸۰

و این حاجی افضل مردی بزرگ متقی بود و در بلگرام بر مسند هدایت و ارشاد متمکن بود. و خسروی بیگ سلطان از امراء اکبری بخدمت او اخلاص و

اعتقاد داشت - وچون حاجی افضل از قصر مینا بسرا پردۂ کبریا خرامش فرمود و درسواد شہر مدفون گردید - ترُدی بیگ سلطان برمرقد او گنبد عالیشانی از سنگ عمارت کرد و قطعہ مذکور را بخط نستعلیق در نہایت خوشخطی بر لوح سنگ کندہ در پیشانی باب گنبد تعبیہ نمود - اما این گنبد بنام سالار بیگ کہ بہ اہتمام تعمیر بود شہرت یافت و نام ترُدی بیگ سلطان را کسے نمے داند - شاعرے مناسب این مقام گوید ؎

چون نگین مطلب ندارم غیر کام دیگران	می نشانم نقش خود اما بنام دیگران

(۱۱۵) شاہدی میر عبدالواحد حسینی واسطی بلگرامی قدس سرہ

دفتر اول از ترجمۂ مفصل زینت یافتہ و خامۂ خوش نصیب شاہراہ سعادت شتافتہ و اینجا ہم طریق اجمال می پیماید - و صدر ورق را بہ رسلۂ جواہر آبدار می آراید -

آنجناب از بیعتیان خاص شیخ صفی سائی پوری است نوّر اللہ ضریحہٗ و از خلفای پیش قدم شیخ حسین سکندرہ سمّٰی روّح اللہ روحہٗ - عمری دراز مسند ارشاد را بجلوس میمنت مانوس زینت بخشید - و سالکان مناہج حق پرستی را بسرا بستان کبریا رسانید -

تصانیف والا " سنابل " و " حل شبہات " و " شرح کافیہ ابن حاجب " بطور تصوف - وغیرہا متداول است -

احیاناً بنا بر موزونی طبع گوہر قافیہ مے سنجید - و طلای خوش عیار سخن برمے کشید - در حل شبہات مے فرماید :-

" این کس در فن غزل تلمیذ خواجہ حافظ شیرازی است قدس سرہ و خواجہ نیز بشاگردی خود "

" مرا قبول کردہ و گویا بایں ضعیف ایمائے نمودہ ؎

"ہرکہ درطورِغزل نکتۂ حافظ آموخت — یارِشیرین سخن نادرہ گفتار من است"

ومیر علاؤ الدولہ قزوینی صاحب نفائس المآثر می طرازد کہ :-

"میر سلیقۂ شعر خوب دارد ازو است ؎

"مرو بجنگ چو اول بصلح آمدۂ — دمی بہ لطف نشین تا ز خویش برخیزم

وشیخ عبد القادر بداؤنی در منتخب التواریخ مے نویسد کہ :- میر طبع نظم بلند دارد"

آنجناب شب جمعہ سیوم رمضان سنہ سبع عشر والف (۱۰۱۷) بعالم قدس خرامید- ودر بلگرام مغرب خاک رامشرق انوار گردانید مورخی تحفۂ تاریخی بہ روح اقدس گزرانید ؎

چو رفت واحد صوری و معنوی گفتم — ہزار و ہفدہ و شب جمعہ ماہ صوم سیوم

مصرع ثانی تاریخ صوری و معنوی است - اما بیست عدد بقاعدۂ جمل افزون میشود آن را بتعمیۂ نازک خارج کردیعنی واحد صوری کہ نوزدہ است و واحد معنوی کہ یک است برآمد -

دیوان غزل موجزی ازو موجود است - وکلامش روشن زمان خود دارد لہذا برقلیلی اکتفا رفت ؎

ز گریہ خانۂ مردم خراب خواہم کرد — خیال غیر تو نقشی برآب خواہم کرد

گوئیم چہ گفتہ زلف تو دراز است — بورا نتوان بست درین نافہ کہ باز است

دانی کہ خوشنویسی ما از برای چیست — مائیم و اسطی و قلم نیز و اسطی است

(۱۱۶) مفتی سید برکت اللہ

الملقب بہ صاحب البرکات بن سید اویس بن میر عبد الجلیل بن میر عبد الواحد مذکور بلگرامی قدس اللہ اسرارہم -

ذات مفیض البرکات پیشتر شمع حلقۂ فقر است و اینجا انجمن افروز شعرا۔ در اوائل حال دست بیعت بجناب سید مربی بن سید عبد النبی بلگرامی قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمَا کہ ترجمۂ ہر دو در دفتر اول نگارش یافت۔ داد۔ و از عنفوان سن تمیز تا مبادی ایام کہولت بخدمت سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی سعادت اندوخت و از فیض تربیت والا جادۂ سلوک بنہایت رسید و در زمرۂ سَیْرٌ فِی اللّٰہِ خرامش در آمد۔ و از مشرب خاص آنحضرت حظی مستوفی حاصل کرد۔ و سند خلافت و اجازت اخذ نمود و بہ دار الولایۃ کالپی شتافتہ از خدمت مخدوم زادہ عالیجناب شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمَا تیمناً وَ تبرّکاً مثال اجازت و خلافت گرفت۔ و ہمین سلسلہ را جاری کرد

و چون مرقد منور جد امجد او میر عبد الجلیل قدس سرہ در مارہرہ از مضافات مستقر الخلافہ اکبرآباد واقع شدہ۔ دران مقام رفتہ رنگ توطن ریخت۔ و روز عاشورا سنۂ اثنتین و اربعین و مأتہ والف (۱۱۴۲) عنان از عالم سفلی تافت و با روح مقدس امام علیہ السلام بہ گلگشت فردوس اعلیٰ شتافت۔ راقم الحروف گوید ؎

بیدار دلی رفت سوی محفل قدس	بربست ز صحرای جہان محمل قدس
تاریخ وصال او خرد کرد رقم	صاحب برکات واصل منزل قدس

ہموارہ چراغ ارشاد می افروخت۔ و احیاناً لباس فارسی و ہندی بر قامت معنی موزون می دوخت۔ منظور نظر او از نظم و نثر ضبط معانی حقائق بود۔ و بر قول مولوی معنوی عمل می فرمود کہ ؎

قافیہ اندیشم و آن یار من	گویدم مندیش جز دیدار من

دیوان شعر موجزی و مثنوی مختصری مسمی بہ "ریاض عشق" دارد۔ این چند بیت از و تیمناً قلمی می گردد ؎

به دیر پیر مغان باش و می پرستی کن | زلعل ساقی ما جرعه گیر و مستی کن
چشم حیرت پیشه را خار و گل رعنایکی است | دل خرابی دیده را آبادی و صحرا یکی است
چشم دل داریم دیگر از نگاه ما مپرس | گرد کوی خویش می گردیم راه ما مپرس
خانهٔ دیده شود رشک پریخانهٔ چین | گر قدم رنجه کند یار بسر منزل ما

محل ذکر سید برکت الله قدس سره مابعد است اما برای اتصال ترجمهٔ او با ترجمهٔ جد امجدش میر عبد الواحد شاهدی قدس سرهٔ درینجا تحریر یافت۔ و نظیر این وجه در تقدیم و تاخیر تراجم دیگر هم ازین فصل منظور است۔

(۱۱۷) ضیا۔ حافظ سید ضیاء الله بلگرامی قدس سرهٔ

مشارٌ الیه چنانچه در حوزهٔ دانشمندان ورود کرامت آمود نموده در مجمع تلامذهٔ رحمن نیز بطرز موزون جلوه فرمود

در بدایت حال کلام الله را با تجوید حفظ کرد۔ و دامن اکتساب کمال برزد و در قصبات صوبهٔ اوده بطور طلاب این ملک گلگشت نمود و از دانشمندان عصر فنون درسی فرا گرفت و با جناب سید احمد بن سید محمد کالپوی قدّس اللهُ اَسرارَهُما عاشقانه عقیدتی بهم رساند و این بیت بنظم آورد۔

کالپی مکه بلگرام یمن | ای تو احمد منم اویس قرن

بعد ازین بادراک رؤیت و الا دیده و دل را مظهر تجلی ساخت۔ و در بلگرام محله میدانپوره مسند خدا پرستی و تدریس علوم آراست۔ و عالم عالم طلبه را از مبادی بنهایت بسر منزل نهایت رسانید۔ و دو عصر خود بغایت متزهد و مکرم می زیست۔ و در نقاوت و طهارت و حفظ حمای سنن نبوی قدمی راسخ داشت۔

انتقال او بیست و پنجم شعبان روز سه‌شنبه ثلث و مائة و الف (۱۱۰۳) واقع

شد- و موافق وصیت پایان مرقد خواجه عماد الدین بلگرامی که صاحب ولایت آن مقام است بیرون حریم متصل دیوار جنوبی منزل آرام یافت- راقم الحروف گوید ؎

زہی سید ضیاء الله نحریر ... منور ساخت از خود محفل قدس

خرد تاریخ او درخواست از غیب ... ندا آمد- ضیاءِ[۱] منزلِ قدس ۱۱۰۴

نظمش دلنشین است و نثرش ماء معین- شعر و انشا دون مرتبۂ آنجناب است و اشعاری که ثبت می شود پرتوی از آن آفتاب ؎

قطرۂ می که لبی بی تو چشیدن گیرد ... بگلو نا شده از چشم چکیدن گیرد

براه دیده دو رویه درختهای مژه ... نشانده ام که خیالِ تو راه گم نکند

رباعی

ای لطف تو آب بر سر شعلۂ خشم ... چون موم بدست خلق تو خارۂ و یشم

گویا گردد ادب چو آئی بسخن ... بینا گردد حیا چو بکشائی چشم

(۱۱۸) میر طفیل محمد بلگرامی

آفتاب جهان افروز یکتائی است- و در اوج دفتر اول سرگرم جلوه آرائی- نسخۂ جامع فنون عقلی و نقلی بود- در تجرد و تفرد و خصائل رضیه و شمائل سنیه بی مثل می زیست-

اصل والا از سادات اترولی من اعمال آگره است و همانجا در تاریخ هفتم ذی الحجه سنه ثلث و سبعین و الف (۱۰۷۳) شبستان امکان را روشنی بخشید- و در

---

[۱] درین ماده همزۂ ضیاء را یک عدد محسوب است و الا تاریخ تام نمی شود و در اصل سال وفات ضیا این نیست- مصنف خود در مآثر الکرام دفتر اول صفحه ۲۴۰ مطبوعه مفید عام آگره ۱۳۲۸ھ می گوید که آخر به تحقیق رسید که تاریخ انتقال مشارٌ الیه سنه اربع و مائة و الف (۱۱۰۴) است و مادۂ تاریخ "ضیاءِ منزلِ قدس" ۱۱۰۴

سن پانزدہ سالگی سنہ ثمان وثمانین و الف (۱۰۸۸) بارادۂ کسب علم از انتر ولی بخطۂ بلگرام تشریف آورد۔ واز فضلاء بلگرام وعلماء جوار فنون درسی برگرفت۔ و در حوزۂ درس مولوی سید قطب الدین شمس آبادی مسافت تحصیل بنہایت رسانید۔

وبعد از تکمیل تحصیل در بلگرام طرح اقامت انداخت۔ اول بخانۂ سید فیض زمیندار کہ از اعیان سادات بلگرام است سکونت داشت۔ بعد از ان قریب سی سال تا دم آخر در محلہ میدانپورہ در دیوانخانہ علامۂ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ اقامت ورزید۔ و درین مدت احیانا بجانب گجرات شاہ دولہ و کشمیر و مکانہای دیگر بطریق سیر برخاست۔ و در ہر نوبت بفرصت قلیل معاودت فرمود و قریب ہفتاد سال بر مسند تدریس باحیاء علوم پرداخت۔ و عالم عالم طلبہ را از حضیض شاگردی بہ اوج استادی رسانید۔ ازانجملہ ما دو برادریم یعنی فقیر و میر محمد یوسف کہ ذکرش می آید۔

رحلت والا در بلگرام بیست وچہارم ذی الحجہ سنہ احدی وخمسین ومائۃ و الف (۱۱۵۱) واقع شد و بروفق وصیت در "باغ محمود" متصل مرقد علامۂ مرحوم میر عبد الجلیل نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ۔ جانب شرق مدفون گردید۔ مؤلف اوراق گوید ؎

افسوس کہ آفتاب معنی از حلقۂ آسمان برون رفت

تاریخ وصال او خرد گفت علامہ ازجہان برون رفت
۱۱۵۱

احیاناً بنا بر تشحیذ طبع بہ ترتیب نظم می پرداخت۔ و فرق شعر را بر شعری می افراخت این رباعی نتیجۂ فکر عالی است ؎

گر بوالہوسی نیاز ظاہر آموخت کی آتش سوز دل تواند افروخت

چون صورت پروانۂ فانوس خیال گرد سر شمع گشت ویک ذرہ نسوخت

(۱۱۹) واسطی میر عبد الجلیل حسینی واسطی بلگرامی نور اللہ ضریحہ

عندلیب ناطقہ در چمن نخستین زمزمۂ مناقب والا سنجیده۔ و گوش ارباب ہوش را شگفتگیِ یکچمن گل بخشیده۔

اینجا ہم بتحریر فصلی از احوال میمنت اشتمال مے پردازد۔ و پیشانی صفحہ را بانوار قدسیہ منور می سازد۔

× × × × × × × × × × × × ×

× × × × ×

آنجناب باتفاق جمہور از خواص اتقیا و اجلۂ علماء عالی مقدار است۔ و در تقدس ذات و جلائل صفات یگانۂ روزگار۔ و از عنایات ایزد کامیاب دولت نشأتین بود۔ و بہ منطوق آیہ فیض پیرایہ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ از جمعیت صوری و معنوی حظی وافر داشت۔

و از مناقب والا اینکہ بیمن طالع بیدار شاہ ولایت کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ را در خواب مے بیند و دستِ بیعت می دہد و در قصیدۂ منقبت زبان بادای شکر می کشاید کہ ؎

دین پناہا تفضل آگاہا	دلِ پاکِ تو شمعِ عرفان است
کرده ام بیعتِ تو در رویا	این سعادت ز فضلِ رحمان است
دستم آخر گرفتہ بکرم	می شناسم کہ این چہ احسان است
من و این رتبہ از کجا لیکن	مور پروردۂ سلیمان است

کتب اوائل از بعض علماء بلگرام و قصبات پورب اخذ نمود۔ و در حلقۂ درس شیخ غلام نقشبند لکنوی قدس سرہ سر رشتۂ تحصیل بانتہا رسانید۔ و علم حدیث

از خدمت میر سید مبارک محدث بلگرامی کہ از تلامذۂ خاص شیخ نور الحق خلف الصدق شیخ عبد الحق دہلوی است سند نمود۔ و در جمیع علوم منقول و معقول خصوص تفسیر و حدیث و لغت و فنون عربیت و تاریخ و موسیقی اقتداری عظیم بہم رسانید۔ وحافظۂ سلف بمرتبۂ بود کہ قاموس اللغۃ از اول تا آخر از بر داشت

ملاقات آنجناب با سید علی معصوم مدتی در اورنگ آباد دکن اتفاق افتاد سید علی می گفت:۔ من در تمام عمر خود جامع غرائب علوم مثل میر عبد الجلیل ندیدم" و شیخ غلام نقشبند لکنوی ہمیشہ تعریف و توصیف مے نمود۔

آنجناب در سنہ اربع و مائۃ و الف (۱۱۰۴) بہ دکن شتافت۔ وعنقریب عطف عنان نمود۔ وکرت ثانی در سنہ احدی عشر و مائۃ و الف (۱۱۱۱) بہ ارادۂ تلاش معاش جادۂ مسافت دکن پیمود و بعد از طی مراحل در اسلام پور (عرف برہما پوری) از توابع بیجاپور اردوی خلد مکان را دریافت۔ میرزا یار علی بیگ سوانح نگار حضور پادشاہی لوازم قدر شناسی بجا آورد۔ و بملازمت سلطان رسانید۔ پادشاہ بمنصبی شایستہ و جاگیر چند از محال سائی پور قریب بلگرام و خدمت بخشیگری و وقائع نگاری گجرات شاہ دولا۔ قرین عنایت ساخت۔ آنجناب در تاریخ خدمت انشا می کند

مرا از جناب خلافت عطا شد	ز روی کرم خدمت عیش افزا
خرد گفت تاریخ تفویض خدمت	وقائع نگاری گجرات زیبا

بعد حصول خدمت از دکن محمل سفر بخطۂ بلگرام بربست و از انجا متوجہ گجرات شد و غرۂ ربیع الاول سنہ ثلث عشر و مائۃ و الف (۱۱۱۳) گجرات را مورد برکات ساخت۔ وقریب چہار سال ہر دو خدمت را بہ دیانت و استقلال تمام سرانجام داد

و در سنہ ست عشر و مائتہ و الف (۱۱۱۶) عزل در میان آمد۔ آنجناب در ماہ جمادی الاولی سال مذکور بمحروسۂ بلگرام تشریف آورد۔

میرزا یار علی بیگ غائبانہ نقش قدردانی زد و ہم دران سال خدمت بخشیگری و وقائع نگاری و سوانح نویسی سرکار بھکر و سرکار سیوستان از جناب خلد مکان برای ایشان گرفت و سند حاصل کردہ ہمراہ قاصد اجیر روانہ بلگرام ساخت

آنجناب بعد وصول این بشارت سمند عزم جانب ملک سندھ بخرامش در آورد و بیست و چہارم رجب سنہ سبعہ عشر و مائتہ و الف (۱۱۱۷) سواد بھکر را از پرتو قدوم بر افروخت۔ و سالہا خدمات را بہ دیانت و امانت پرداخت

و بعد رحلت خلد مکان چون قدر و منزلت آنجناب نقش خاطر شاہزادہا و جمیع ارکان سلطنت بود در طبقات لاحقہ بی آنکہ از بھکر حرکت کند ارکان سریر خلافت در ہر عصر سند استقلال خدمت روانہ ساختند تا آنکہ در عہد محمد فرخ سیر پادشاہ از نیرنگیہای قدرت الٰہی در پرگنۂ جنوبی از اعمال بھکر ریزہای نبات بقدر ژالۂ خورد از ابر بارید۔ و بہ نزول این حلاوۂ غیبی کام و زبان عالمے شیرین گردید۔ آنجناب درین سانحۂ غریب رباعی انشا کردہ در فرد وقائع معروض بارگاہ خلافت داشت کہ ؎

فرخ سیر آن شہنشہ با برکات ۔۔۔ چرخ از ادب او شدہ شیرین حرکات
در سند زمین عہد عشرت مہدش ۔۔۔ بارید سحاب ریزۂ قند و نبات

میر جملہ سمرقندی کہ دران زمان رائق و فائق مہمات سلطنت بود و سوانح حضور معلی باو تعلق داشت۔ و آخر صدر الصدور جمیع ممالک ہندوستان شد بمجرد ملاحظہ فرد وقائع بی آنکہ حکم بہ تحقیق کند حمل بر خلاف واقع نمودہ در اوائل سنہ ست و عشرین و مائتہ و الف (۱۱۲۶) معزول ساخت۔ آن جناب درہمین سال از بھکر

جانب دار الخلافه شاهجهان آباد حرکت کرده خدمات بوساطت امیر الامرا سید
حسین علی خان بحال ساخت- و شیخ محمد رضا بهکری را نیابت مقرر فرمود
و در سنه اثنتین و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۲) بعد شانزده سال بلگرام
را از مقدم گرامی مستسعد ساخت و یک سال توقف کرده به دار الخلافه شاهجهان آباد
تشریف برد-

ولادت باسعادت سیزدهم شوال سنه احدی و سبعین و الف (۱۰۷۱) است
وانتقال شب شنبه بیست و سیوم شهر ربیع الآخر سنه ثمان و ثلثین و مائة و الف
(۱۱۳۸) در شاهجهان آباد واقع شد- نعش مبارک حسب الوصیة بدار السلام
بلگرام نقل کرده روز جمعه اول وقت عصر ششم جمادی الاولی سال مذکور در قدم والد
بزرگوار ایشان سید احمد مرحوم دفن ساختند-

راقم الحروف کریمه لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ (۱۱۳۸) تاریخ
یافته در تفسیر بیضاوی گوید:- اَلْحُسْنٰی اَلْجَنَّةُ وَالزِّیَادَةُ هُوَ اللِّقَاءُ" و نیز
دائرهٔ تاریخی به پرکار فکر کشیده و تواریخ لا تعد و لا تحصی بمرکز نشانده-

دائره این است-

طریق استخراج تاریخ ازین دائرہ این است کہ از خانہای چہاردہ گانہ ہر خانہ را کہ خواہند مبدء قرار دہند۔ وبہر عددی کہ بخاطر برسد شمار نمایند سوای واحد و چہاردہ و اضعافش و اول با آخرین۔ وبہر خانہ کہ شمار تمام شود عددش بگیرند۔ پس عددی کہ بدان شمار مقرر شدہ اگر فرد باشد باز خانہ منتہی را مبدء گردانیدہ تعداد نمایند مَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰی وَدَوْرَةً فَدَوْرَةً تا آنکہ منتہی مبدء اصل گردد۔ اکنون مقدار عددش بگیرند کہ مجموع اعداد حاصلہ تاریخ شود۔ واگر زوج باشد خانۂ مابعد منتہی را مبدء گردانند۔ وبہمین نمط شمار منجر شود تا آنکہ منتہی خانہ ماقبل مبدء اصل گردد۔ پس بدستور مجموع اعداد حاصلہ تاریخ شود۔
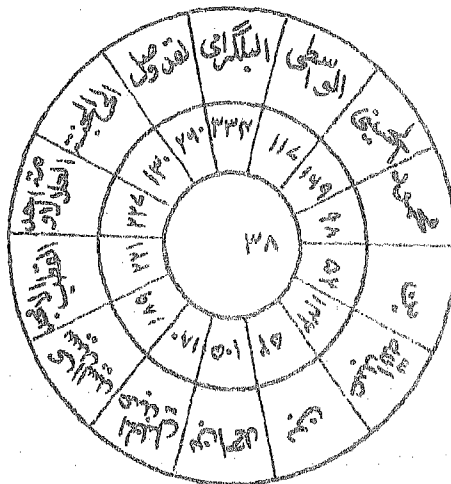
مخفی نماند کہ مراد از اضعاف در اعداد مستثنٰے مثلین و سہ مثل فصاعداً باشد۔ واطلاق ضعف از روی لغت بر سہ مثل فصاعداً آمدہ است بر خلاف مصطلح علماء حساب۔ فِی الْقَامُوْسِ:۔ "اَلضِّعْفُ بِالْكَسْرِ الْمِثْلُ اِلٰی مَا زَادَ يُقَالُ لَكَ ضِعْفُهٗ يُرِيْدُوْنَ مِثْلَيْهِ وَثَلٰثَةَ اَمْثَالِهٖ لِاَنَّهٗ زِيَادَةٌ غَيْرُ مَخْصُوْصَةٍ"

حالا خامۂ زبان آور فضائلی کہ تعلق بموزونی طبع اقدس دارد بیان می نماید۔ ولذت جویان معانی را حظوظ روحانی می افزاید۔

میر محمد مراد متخلص بہ لائق جونپوری کہ در عنفوان جوانی بشوق ملاقات میرزا صائب پیادہ از ہند بہ صفاہان رفت۔ و روزگارے بخدمت میرزا بسر بردہ بہ ہند برگشت۔ و از پیشگاہ خلد مکان مدتی بہ سوانح نگاری دار السلطنت لاہور سرافرازی داشت با علامۂ مرحوم بسیار مرتبط بود و باشارۂ ایشان خمسہ در سلک نظم کشید۔ چہار کتاب از خمسۂ او بنظر راقم الحروف رسیدہ۔ در خاتمہ مثنوی مقابل "مخزن اسرار" تصریح بتکلیف علامۂ مرحوم می کند و زبان بہ ستایش والا می کشاید کہ ؎

راقم این نامۂ معنی سواد　　محو سخن بندہ محمد مراد

بود شبی انجمن آرای فکر — داشت سری گرم ز سودای فکر

یافته از قید تعلق خلاص — خامه بکف منتظر فیض خاص

از در م القصه در آمد درون — اهل سخن را به سخن رهنمون

نشئهٔ سرجوش خمستان هوش — از پی تحقیق سخن چشم و گوش

صورت ازو گشته بمعنی دلیل — سید علامهٔ عبد الجلیل

کرده بموزونی طبع سلیم — طالب خویشم چو کلام کلیم

می دهد از لفظ بمعنی پیام — زود تر از نکهت گل با مشام

می برد از طرز بمطلب سراغ — گرم تر از نشئهٔ می با دماغ

دید که فکر سخنم پیشه است — دل گرو صورت اندیشه است

گفت سخن ساده و پرکار به — تاب کش سبحه و زنار به

بس بود از بهر سخنور گوا — معنی بیگانهٔ لفظ آشنا

گفتن او فکر مرا تازه کرد — روی سخن را به نفس غازه کرد

شد ز پری خانهٔ دل جلوه گر — خیل معانی ز پی یکدگر

جوهر کش بزم ادیبی شدم — پنجه در خمسه نویسی شدم

خامه بتحریر گرو ساختم — نقش دلاویز به پرداختم

از مدد باطن گنجوی — طرز سخن یافت ز فکرم نوی

ناظم خان فارغ قمی - در مدح سامی گفته و گوهر حق سفته ـه

چو تو کجاست شاهی بقلمرو معانی — بتو هیچکس نماند تو به هیچکس نمانی

قیمت شناسان لآلی فصاحت می دانند که تا در یتیم سخن منظور نظر معنی پرور گردیده یعنی تا صدف آسمان بر خود بالیده - شعر گفتن آنجناب تقریبی بوده - مدتها می گذشت که مصراعی موزون نمی کرد - و هر گاه تقریبی روی می داد پری زادان معانی را بادنی توجه

تسخیر می نمود- طبع معنی آفرین همین معنی دارد- و برهانی روشن تر ازین بر علو قدرت و سمو فطرت نمی باشد- و در اصل توجه فکر عالی جانب شعر محض برای تفنن طبع و استیفاء صنوف کمال بود- و الا شاعری را دون مرتبه خود می شناخت- و درین باب جرسی می جنبانند ؎

مقصود من تفنن طبع است از سخن ورنه سزای رتبهٔ من نیست شاعری

آنجناب از هفوات شاعری بسیار احتراز داشت و فرزندان و تلامذه را سخت تاکید می کرد که زبان را از هفوات محفوظ دارند- سیما نسبت به انبیا صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ مثل ترجیح معشوق مجازی بر یوسف وطعن عاشق بر صبر ایوب عَلَیْہِمَا السَّلَامُ و هرجا هفوتی از شاعری بنظر می آمد- آیهٔ خاتمهٔ سورهٔ شعرا بر زبان می آورد که سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ-

و فقیر التزام کرده ام که درین صحیفه هفوات شاعری بر زبان قلم نیاید- و کام و زبان از تلوث آن محفوظ ماند آنجناب در ابتدا "طرازی" و بعده بنا بر آنکه سید واسطی الاصل است "واسطی" تخلص می کرد- اما اکثر اسم شریف خود می آورد- و در زبان عربی و فارسی و ترکی و هندی داد فصاحت می داد- غزل کم گفته و از دیگر اقسام سخن جواهر آبدار به الماس اندیشه سفته- و لاشک سلیقه صاحب طبعان مختلف افتاده شخصی و احدرا مشاهده می کنیم که بسر انجام نوعی از شعر خوب می پردازد و در نوع دیگر با مقابل سپر می اندازد-

عرفی شیرازی قصیده را بپایهٔ اعلی رساند اما غیر قصیده را طرزی که باید بر کرسی نه نشاند-

میرزا صائب در غزل داد سحر آفرینی داده اما در غیر غزل قدمی پیش ننهاده اینجا کمال قدرت الٰہی تماشا باید کرد و بکمال عجز خود اعتراف باید نمود که این کس هیچ ندارد و

انچه بردل وارد می سازند برزبان می آرد۔

ملاقات میر عبد الجلیل مرحوم با ناصر علی در اورنگ آباد دکن واقع شد۔ خود بافقیر نقل کرد که صحبت خوب برآمد۔ مردم دیگر را جواب داد۔ واز اول روز تا نیم شب جلسہ اتفاق اُفتاد۔ درآن ایام ناصر علی قصیدۂ لامیہ تازه گفته بود۔ تشبیب آن در وصف گرما ست وگریز به نعت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم مطلعش این است ؎

گداخت بسکه هوای تموز مغز خیال ... شرر ز سنگ برآید بصورت تبخال

تمام قصیده برخواند واستفسار کرد که بیتی خوش آمد۔ گفتم تمام قصیده خوب است باز بجد شد که اگر بیتی پسند اُفتاده باشد نشان باید داد۔ گفتم یک بیت۔ بمجرد استماع این کلمه تغیری در چهره ظاهر شد۔ دریافتم۔ گفتم این همه جواهر ریزه هاست ودر مرتبۂ جوهر همه مساوی۔ اما گاه می شود که آبداری یکی ممتاز می اُفتد۔ ازین حرف رنگ اصلی بحال آمد۔ وپرسید که کدام بیت خوش آمد۔ گفتم این بیت ؎

زبسکه تم ببزین نارسیده مے سوزد ... چو شمع بر سر شاخ است ریشهای نهال

ناصر علی تحسین کرد که فی الواقع من هم این بیت را از سائر ابیات ممتاز می دانم۔

ونیز می فرمود که در دو بیت ناصر علی دخل کردم یک بیت از یاد راقم الحروف رفت وبیت دیگر این است که در مثنوی در مدح خلد مکان می گوید ؎

محی الدین محمد زیب اورنگ ... فضای شش جهت بر شوخیش تنگ

میر عبد الجلیل فرمود که لقب پادشاه محی الدین است بی تشدید یا از باب افعال۔ ناصر علی اعتراف نمود

باز میر فرمود که درهمین مثنوی جاےدر مدح اسپ گفته اید که ؎

بنای لامکان میرش هم آهنگ ... فضای نه فلک بر شوخیش تنگ

مدح پادشاه و مدح اسپ بریک وتیره واقع شده وشوخی نسبت به پادشاه ملایمت ندارد۔ ناصر علی بیت را از مثنوی برآورد۔ و در اکثر نسخہا نیست اما دریک نسخۂ کہنہ بیت مذکور بعینہ بنظر راقم الحروف رسیده۔ و در نسخۂ دیگر بتغیر مصراع چنین دیده شد ؎

شہنشاہِ جہانِ ہوش وفرہنگ   محی الدین محمد زیب اورنگ

میر عبد الجلیل را غلامی بود کہ در سفر دکن خدمتہا کرده وشرائط وفا بجا آورده ہنگامی کہ در لشکر خلد مکان وبا اُفتاد۔ وعالمی بتاراج فنا رفت۔ پیمانۂ او ہم لبریز گردید۔ میر در مرثیۂ او مثنوی پرسوزی بنظم آورده وبا ناصر علی ذکر مثنوی مسطور درمیان آمده مطلعش این است ؎

بیا ای خامۂ ماتم روایت   پریشان ساز گیسوی حکایت

ناصر علی بسیار محظوظ شد و نسخۂ استدعا نمود۔ آنجناب نسخہ ارسال نمود۔ ناصر علی درجواب این بیت بدیہہ برشقۂ کاغذ زرافشان نوشتہ فرستاد۔ وراقم الحروف آن را مشاہده کرد ؎

ندانم تا چہا از دستِ ایوب تو می آید   کہ بوی خونِ مظلومان زمکتوب تو می آید

شخصی مصراعی از بیت میرزا بیدل در مجلسے خواند کہ ع

"روز سوار شب کند اسپ چراغ پا"

وگفت کسی نمی تواند کہ پیش مصرع بہم رساند۔ علامۂ مرحوم فی البدیہ انشا کرد ؎

غرۂ شوکہ ابلق ایام رام تست   روز سوار شب کند اسپ چراغ پا

ازان شخص بے اختیار آفرین سرزد وگفت حق این است کہ مصرع شریف بہ از پیش مصراع میرزا واقع شده۔ میرزا چنین گفتہ است ؎

با طبع سرکش این ہمہ رنج وفا مبر   روز سوار شب کند اسپ چراغ پا

مہارتِ آنجناب در فن عروض عربی وفارسی بمرتبۂ نہایت بود۔ میر نور اللہ احراری

در شرح قول شیخ سعدی کہ ؎

وَإنْ سَلِمَ الإِنْسَانُ مِنْ سُوْءِ نَفْسِهٖ　　فَمِنْ سُوْءِ ظَنِّ الْمُدَّعِي لَيْسَ يَسْلَمُ

نوشتہ کہ لَا یَسْلَمُ فصیح تر از لَیْسَ یَسْلَمُ می نماید چہ در نسخۂ لیس مصرع زیادہ میشود انتہی

آنجناب برین قول حاشیہ تحریر نمودہ۔ در اینجا کلام شریف بجنسہ نقل کردہ می شود۔

"مخفی نماند کہ این بیت بر وزن دوم از اوزان ثلثہ بحر طویل است کہ عروض و ضرب آن مقبوض

"می آید و تقطیع مصراع ثانی کہ مناط گفتگوست و موزون بہ آن فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن باشد چنین

"است فمن سو فعولن۔ ء ظن نلمد مفاعیلن دعی لی فعولن س یسلمو مفاعلن۔ و چون تقطیع

"مذکور معلوم گردید ظاہر شد کہ واجب و متعین است کہ نسخہ لیس یسلم باشد نہ لا یسلم چنانچہ

"میر گمان بردہ چہ حرف لام و یا از حرف لیس در تقطیع بالفظ دعی مرکب شدہ بر وزن فعولن خواہد

"شد و سین کلمہ لیس بالفظ یسلم منضم گشتہ بر وزن مفاعلن خواہد گردید کہ ضرب مقبوض است۔

"و در صورتیکہ نسخہ لا یسلم بقول میر اعتبار نمایند لفظ لا بالفظ دعی مرکب شدہ فعولن خواہد شد

"و یسلم بر وزن فاعلن خواہد ماند۔ و فاعلن در ضرب بحر طویل نمی آید چنانچہ بر متتبع عروض ہویدا

"ست چہ ضرب بحر طویل تام سے باشد یا مقبوض یا محذوف۔ و فاعلن ازین ہر سہ قسم خارج است

"پس آنچہ میر نوشتہ کہ از نسخہ لیس مصرع زیادہ می شود موافق میزان طبع میر است نہ موافق میزان

"عروض طرفہ آنکہ مصراع در صورتیکہ لا یسلم باشد کم می شود۔

"و چہ مناسب این مقام است بیتی کہ خلیل بن احمد واضع فن عروض در مثال وزن دوم بحر

"طویل آوردہ ؎

"سَتُبْدِي لَكَ الأَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلاً　　وَيَأْتِيكَ بِالأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

"و عبارت میر کہ لا یسلم فصیح تر از لیس یسلم می نماید چہ در نسخۂ لیس مصراع زیادہ می شود انتہی

"محل تامل است زیرا کہ منطوق عبارت دلالت دارد برین کہ زیادت مصراع منافی فصاحت است

لہ سبعہ معلقہ

"وزن عروضی را وجوداً وعدماً در فصاحت وعدم آن دخلی هست وحال آنکه هیچ یکی از علماء معانی
"این معنی را در فصاحت کلمه وکلام وعدم آن اعتبار نکرده - برفرض تنزل مقتضای عبارت میر
"آنست که بر تقدیر زیادت فصاحت مرتفع می گردد وحال آنکه لفظ فصیح تر که برای تفضیل است
"دال است برین که نسخهٔ لیس سیلمہ ہم فصیح است پس فصاحت این نسخه با زیادت وزن
"باعتقاد میر چه قسم جمع می تواند شد - اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ھَفَوَاتِیْ وَاعْفُ عَنْ سَیِّئَاتِیْ
"اِنْتَھٰی کَلَامُہٗ"

از عهد خلد مکان تا عصر محمد شاه پادشاه جمیع امراء عظام اعزاز و اکرام میر بجا می آوردند و تشنهٔ صحبت والا بودند سیما امیر الامرا سید حسین علی خان که با ایشان الفتی خاص داشت - و اکثر در مجالس خود بر ملا می گفت که میر عبد الجلیل درین عصر نظیر ندارند و لوازم احترام فوق الحد بتقدیم می رسانند لهذا آنجناب از تهٔ دل بمدحت او پرداخته و نام او را زندهٔ جاوید ساخته

و آنجناب با امیر خسرو علیه الرحمه تشابه تمام دارد - و خود در مثنوی می فرماید

اگرچه میر خسرو بود استاد	ندارد چرخ چون او دیگری یاد
بفکر دور دو پرواز دارد	نبی نبود ولی اعجاز دارد
در انواع سخن مشهور جهان است	بقدرت خسرو صاحبقران است
ولی من هم ازین گلدستهٔ نو	درین عصرم بجای میر خسرو
کمال از هر نمط دلخواه دارم	امید تربیت از شاه دارم

تشابه ایشان با امیر خسرو هم از راه جامعیت علم و عمل و هم از جهت مصاحبت ارباب دول - چه امیر خسرو از آغاز تا انجام با سلاطین دهلی بسر برد و هفت پادشاه را خدمت کرد - طرفه آنکه علامهٔ مرحوم هم بلوازم خدمت هفت پادشاه دهلی از سلاطین تیموریه پرداخت یعنی خلد مکان عالمگیر و شاه عالم و محمد معز الدین (جهاندار شاه)

و محمد فرخ سیر[۴] و رفیع الدرجات[۵] و شاهجهان[۶] ثانی و محمد شاه[۷] رحمهم الله تعالی[۱]

اما رفیع الدرجات و شاهجهان (ثانی) ایام معدودی بر سریر فرمان روائی نشستند وازغارت گر اجل فرصت نیافتند۔ قصیدهٔ میمیهٔ میر که عنقریب می آید بنام شاهجهان ثانی است

اشعار میر اگرچه در مدائح واقع شده اما مدة العمر صلهٔ شعر از احدی نگرفت الا یکبار وقتیکه این رباعی از نظر سلطان اورنگ زیب خلد مکان گذرانید ؎

کسری که بعدل بود عالم پرور بی جرم آویخت پای زنجیر ز در
ذاتت زکمال عدل تجویز نکرد آویختن سلسلهٔ درهم در کشور

سلطان چهار خریطهٔ از طلای مسکوک دکن که آن را هون نامند بدست شهزاده کامبخش داد۔ شاهزاده بدست مخلص خان میربخشی داد۔ مخلص خان به میر رسانید۔ و این یکبار صله گرفتن میر در تمام عمر غالباً برای استکمال تشابه با امیر باشد چه امیر خسرو صلات از سلاطین و امرا قبول می فرمود چنانچه از تتبع تصانیف امیر واضح مے شود

سلطان قطب الدین بن سلطان علاء الدین خلجی جائزهٔ کتاب "نه سپهر" زر برابر وزن جثهٔ فیل تسلیم نمود۔ امیر در آن کتاب تصریح مے نماید و از زبان سلطان قطب الدین می فرماید ؎

بتاریخ همچون من اسکندری کند هرکه آرایش دفتری
ز گنج گرانمایه بے شمار دهم بار پیلش نه آن پیل بار
مرا خود درین ره پدید شد دلیل که می داد زر هم ترازوی پیل
شناسد کسی کش خرد رهنمون که از پیل بار است وزنش فزون
چو میراث شه پیل زر دادم نه زیباست زین سهل زر دادنم
شها گنج بخشا کرم گسترا معانی شناسا سخن داورا

مرا عمر کز شصت بالا گذشت ‏ ‏ همه پیش شاهان والا گذشت

بسی بندگی کردم از عون بخت ‏ ‏ کمر بسته در خدمت چار تخت

ز شاهان کسی کاولم کرد یاد ‏ ‏ معز الدنا بود شه کیقباد

ازان پس ز فیروزه چرخ بلند ‏ ‏ شدم پیش فیروز شاه ارجمند

ازان پس که در شه ستائی شدم ‏ ‏ تونگر ز گنج علائی شدم

شد اکنون که اقبال همدم مرا ‏ ‏ نوازنده شد قطب عالم مرا

چنین بخششی کز توجم یافتم ‏ ‏ در ایام پیشینه کم یافتم

کنون لابد از سحر سنج زمن ‏ ‏ باندازهٔ بخشش آید سخن

جرائد کزین پیش پرداختم ‏ ‏ چو این نامهٔ خاص کم ساختم

مخفی نماند که مراد از معز الدنا معز الدنیا است برای ضرورت شعر دنا درآورده وآن جمع دنیاست و مراد از فیروز شاه سلطان جلال الدین خلجی باشد چه نام اصلی او فیروز است

اکنون سلسلهٔ مطلب اصلی می جنبانم۔ در عنفوان شباب "امواج الخیال" نام مثنوی در تعریف دار السلام بلگرام فرموده۔ و درین مثنوی اکثر قواعد موسیقی هندی ضبط نموده باثبات برخی ازان مثنوی روی اوراق را مزلف سازم ؎

آب و گل من که فیض عام است ‏ ‏ از خطهٔ پاک بلگرام است

سبحان الله چه بلگرامی ‏ ‏ کوثر می و آفتاب جامی

خاکش گل نوبهار عشق است ‏ ‏ آبش می بی خمار عشق است

از عشق سرشته ایزد پاک ‏ ‏ از روز ازل خمیر این خاک

هر لاله کزین دیار روید ‏ ‏ تخم دل داغدار روید

هر گل که دمیده است زین خاک ‏ ‏ خونین جگریست پیرهن چاک

نرگس نبود بصحن گلزار   منصور برآمد است بر دار
گل با سنبل بهم وران خاک   آویخته بسملی بفتراک
خورشید از آن بهار نیرنگ   پژمرده گلیست باخته رنگ
سنبل بچمن بود بصد ناز   زنگی بچهٔ کمند انداز
از فیض هوای آن گلستان   سرسبز شود نفس چو ریحان
ز آتشکده سبزه می زند جوش   همچون خط یار از بنا گوش
تا شد چمنش بدیده محسوس   شد پردهٔ چشم بال طاؤس
تابستانش که عیش بار است   چون گرمی عشق سازگار است
گرمی آنجاست مایهٔ زیست   گوئی که حرارت غریزیست
سرما چو در آن مقام آید   عنقای هوا بدام آید
هر دود که از جگر کند گل   افسرده شود چو شاخ سنبل
چون موسم برشکال آید   خشنش بحد کمال آید
جولان سحاب شوخ طناز   چون خیل پری بود به پرواز
درویش هوا لبی نفس سوخت   تا خرقهٔ رقعه رقعه دوخت
وز نشهٔ ذکر چرخ شد مست   تسبیح هزار دانه در دست
شاهنشه یکه تاز برسات   ساغرکش نشهٔ مباهات
نقاره نواز حشمت خویش   مشکین علم سحاب در پیش
از برق نموده تیغ خونریز   وز ابر سپر دلاویز
ترکش ز قطار بهارین   وز قوس قزح کمان رنگین
تا روی زمین بهشت آرد   بر فوج خزان شکست آرد
باریدن ریزه ریزه باران   کرده ورق نشاط افشان

تقی است ازین بهار مرغوب   ظلّ ممدود ماء مسکوب

هر سو صنمی کرشمه پرداز   از نوک نگه جگر رفو ساز

تا پای کشان کمند کاکل   سرمست نگاه پر تغافل

تا در تتق حیا نشسته   حق از مژه بر نگاه بسته

صفهای مژه بترکتازی   مشغول نبرد نیزه بازی

قدی و نهال جلوه نوخیز   حسنی و بهار غمزه گل ریز

از چین جبین ناز نخچیر   در پای نگاه بسته زنجیر

از وا شدن گل تبسم   در خون شفق طپیده انجم

از سینه نشان که خوش بهار است   پیشانی صبح داغدار است

دیگر مثنوی گفته در جشن طوی محمد فرخ سیر پادشاه با دختر راجه اجیت سنگه راتهور که در سنه سبع وعشرین ومائة والف (۱۱۲۷) واقع شده- جولان فکر عالی ازین مثنوی هویدا است خصوص در مقامی که اسماء پرده‌های هندی در ضمن الفاظ فارسی آورده- و بے تصنع سحر حلال بکار برده- این چند بیت ازان مقام است ؎

چو صید دل نماید جشن آهنگ   پرد از چهرهٔ هر یار سارنگ

دران محفل کجا بر گوش می زد   نوای کانهره راه هوش می زد

اگر شاپور با خسرو ختاک اند   پی این نغمه از حسرت هلاک اند

مغنی بر نواز آسان و تر زد   که از بربط بهار عیش سر زد

شگفتنهای دل در دوتار است   که آن را نغمهٔ گل دیسکار است

نوای نغمه گرم دلبری بود   بظلم تهری پیلو جهری بود

شگفتن انجمن سری ندا زنا   که کرد سینها را صحن گلزا

اگرچه زهره دارد خوش نوائی   بیاد حال ادا این سوگرائی

مثل این نغمه را دانش نمی زد | بر و صد چوب کا والله نی زد

زبس مدهوش شد زین نغمه شیدا | ندارد از آکه یارای رفتار

نوا گوید قوام ساحری ام | پی تقویم چون من بیت جری ام

نوای نغمه بود از نقصها پاک | نباشد در نگار حور دیس آک

چنان در نغمه باشد دل پذیری | کز افسون ترنم د لبه گیری

لب بر ساز این معنی ادا کرد | که جشن شاه کام ما روا کرد

به الفت همرگر را داده یاری | نوا و ساز از صحبت براری

چنان از نغمه دل بربیخی زد | که بی اهمال کوس خرمی زد

کسی کو زین ترنم قوت جان کرد | ز شادی پک نیاز مطربان کرد

باستیفاء لذات ترانه | ترا کافی ست این جشن شهانه

جهان شد زنده ز آهنگ تبیره | کز و برخاست موجی جان وتیره

چو مشتاق ازپی آن جشن تر کرد | ره احسن گرا بر نغمه سر کرد

اگر دلی نماید فخر شاید | نوای زین به اگره کی سراید

بود در گلشن گل ریز هر لب | سرود خارکن بایست در آن شب

حواشی ابیات

وتر بفتحتین تار ساز دیس بکسر دال مهمله و یای مجهول بمعنی مانند پیگو (پیغو) نام ملکی است که جواهر آبدار را بدو نسبت دهند۔ اسدی گوید ع

"ز یاقوت سپید گهر پیگوئی"

الم بفتحتین سرگشته شدن پیت الاکبر کاغذ و جامه دهند وتقویم از و حاصل آید

آک بالمد عیب پاک بفتح رای فارسی اسباب خانه تبیره دہل و نقاره گرا بالفتح مرغ جاری

---

[1] فرہنگ رشیدی جلد اول صفحه ۱۸۹ مطبوعه کلکته۔

هر چند حباری مرغ نواسنج نیست اما مقصود مبالغه است یعنی شادی نوعی عام شد که حباری هم از می این جشن منقار تیز کرده در نواسنجی در آمد خارکن نام شخصی که نوای خار کن باو منسوب است با بیت شب کننده مشتق از بیتوتت ـ

واسماء پردهای فارسی دوازده مقام و بیست و چهار شعبه و شش آوازه وسی لحن باربد نیز بیان کرده نوعی که بے ملاحظۂ معنی اسمے معانی ابیات تمام است چند بیت بر سبیل استشهاد آورده می شود ؎

دلت گر بر مقام عیش شید است — زنا بر ساز راه راست پیداست
کند هر پرده از عشرت فزائی — چو معشوق مرقع دلربائی
باین لذت چو زاهد آشنا شد — نماز پنج گاه از وی قضا شد
مغنی نغمهٔ چون باده انگیخت — بجام باده کحل اصفهان ریخت
بهار نغمه چون در دل دهی شد — نی از فیض نوا سرو سهی شد
ز مطرب هر نوا در ثمین است — بمعنی گنج باد آورد این است

وفائده آوردن اسماء نغمات هندی و فارسی بکیفیت معهود در خاتمۂ داستان نغمه بیان می نماید و می فرماید ؎

جگر چون دانهٔ یاقوت سفتم — که نام پردها در پرده گفتم
که تا هر سامعی کوته رسائی — بهیچ معنی ندارد آشنائی
نگردد گر ز حسن صنعت آگاه — ز حسن نظم گیرد حظ دلخواه
مغل با راگ هندی آشنا نیست — بجز فرس هندی راشنا نیست
اگر آن این و گر این آن نداند — بنظم من ز معنی در نماند
درین دریا شناسی ما به بیند — تلاش دست و پای ما به بیند

(ایضاً از آن مثنوی)

در وصف طائفهٔ رقاصان

گروهی از صباحت غازه بررو — گروهی از ملاحت سبزهٔ جو

یکی از تاب حُسنِ صندلی رنگ — صداع شوق افزودی به نیرنگ

یکی از فیض رنگِ زعفرانی — بهارِ دیده کردے ارغوانی

یکی بُردے ز رنگِ سرمئی هوش — بعشقِ ناله زن گفتے که خاموش

گره زن گشته بر شوخِ پری زاد — ز کاکل بردل و از غمزه برباد

رخی برهم زنِ هنگامهٔ گُل — نگاهی قبلهٔ کیفیتِ مُل

ز موجِ جنبشِ ابروی ایشان — فتاده کشتیِ دلها به طوفان

به ابرو کرده جا دلهای عشاق — تو گوئی شیشها چیدند در طاق

ادای گردشِ چشمِ فسون ساز — بچرخ آورده دلهای نظر باز

بسوی گردشِ چشم آرد آهنگ — تماشائی ببالِ گردش رنگ

نگه دزدِ دلِ هر هوشمند است — ز خطِ سرمه در دستش کمند است

نگردِ چشمِ مستِ سحر پرداز — ز هر گردیده مژگانِ فسون ساز

کند تا بسمل کند دلهای خسته — کرشمه آستین را بر شکسته

بود کاکل باین معنی مباهی — که رنگے نیست بالاے سیاهی

میانِ زلف لعل گوشواره — بهارِ عشق پیچان کن نظاره

کنارے مون لٹین لٹکا سو گوندین — گھٹا ہے دامنی ہے اور بوندین

ز مروارید بینی گاه دیدن — چو قطره دل همیای چکیدن

دران بینی نه مروارید و یاقوت — نگاهے عالمے را کرده مبهوت

سرشکِ قطرهٔ خونِ دلِ ماست — که سرگردانِ حُسنِ حیرت افزاست

دهن سرچشمهٔ گوهر فشانی — تبسم موجِ آبِ زندگانی

تبسم را ز برق آخر چه فرق است　　که هر دندان بمعنی تخم برق است

مسی زیر لب اطراف دندان　　تو گوئی ظلمت است و آب حیوان

تبسم در مسی دارد بهارے　　چو شمشیری که رخشند در غباری

ترنم از لب شان می کند گل　　ز برگ گل شنو آهنگ بلبل

لب از رنگ لطافت چهره افروز　　شفق کرد است گل از صبح نوروز

بگرداب زنخ مائل جهانی　　چو بر چاهی هجوم کاروانی

چنان سیب زنخ حسرت نورد است　　که از فرط خجالت سرخ و زرد است

بود گوش از صفا بالای گردن　　بلورین قیف بر مینای گردن

دو ترک چشم ساغر بر کف دست　　چنان گشتند از صهبا سبیت

که هر دو گوش نزد صاحب دید　　دو ساغر از دو دست هر دو غلطید

گلوبندی زری چون بر نظر زد　　خطوط آفتاب از صبح سر زد

دو چشم و سینه را با هم بهاری است　　چو بیماری که در پیشش اناری است

نمودے موج رنگ پان ز سینه　　برنگ موج می از آبگینه

خم چوری بغایت دل پسند است　　بصید هوشها چین کمند است

سیه چوری بود چون تار سنبل　　که پیچیدند بر گلدستهٔ گل

ز انگشتان مپرس و خون بسمل　　که ناخن می زند این حرف بر دل

در انگشتان نگین را فتنه کار است　　همانا اختر دنباله دار است

نگین در دست گرم دلبری بود　　بهم کف الخضیب و مشتری بود

سرین کوهی نهان در جوش گلشن　　دلیل آن کمر و انگاه دامن

نظرها در سرین مشغوف دیدار　　چو مفلس در طلای دست افشار

نگارین پای زیب ساق دلجو　　تهی سروی دمیده بر لب جو

قدم در رقص زان رو بیقرار است | که بر دلهای گرم او رگذار است
برنگ شمع زانها قد کشیدن | برنگ قطره از دلها چکیدن
گمر در پیچ و تاب رقص بیتاب | چو موی کوفتند در جوش گرداب
بهنگام اشارت چشم و ابرو | کف دست و سر انگشتان و بازو
بنطق آیند در تصویر ایما | قیامت می نماید نطق اعضا
زمین از رقص شان گلزار چین شد | هوا تا چرخ طاؤس آفرین شد

در صفت چراغان

شبی روشن‌تر از صبح سعادت | مصفا چون دل اهل عبادت
هزاران شمع هر سو جلوه گر شد | تجلی پرور نور نظر شد
زده هر شمع بر سر طرهٔ زر | زمرد اید غلطان جامه در بر
درین شب شمعها را خوش ظهور است | سراسر بزم سر و ستان نور است
صف فانوسها چون گنبد نور | بانواع تجلی گشته معمور
ز هر فانوس بیند چشم انصاف | دل نورانی از پیراهن صاف
به فانوس خیالی دیده مانوس | نظر در سیر رنگ بال طاؤس
شعاع مشعل تابان دل افروز | برنگ پرتو حسن گلو سوز
چراغان صف زده چون شاخ شمشاد | که در هم داشت شب زلف معنبر
چراغان جلوه گن گشته دهانها | قندیلهای تا سر شده زبانها
دعا کرد بهر شاه چون من | که شمع سلطنت تو باد روشن

در صفت آتشبازی

هوائی عزم سیر آسمان کرد | بهر جانب جریب زر روان کرد
پی تعلیم حرف روشنائی | فلک شد صفحهٔ حرف هوائی

زجوش نور مهتاب و ستاره　　هوا شد چرخ دیگر در نظاره

شجرها از طلای صاف کردند　　پرند شب مشجر باف کردند

زچرخی شد عیان بر عام و بر خاص　　که خورشید اندر این شب گشته رقاص

چنان در وود طالع شد ستاره　　که در گیسوی شعاع گوشواره

بنفشه تختهای شعله افروز　　سر شب را گرفته در بغل روز

نمودی روشنی از جام مهتاب　　چو در بوته گداز نقرهٔ ناب

در صفت سقایان

ز سقایان گوهر پاش درگاه　　گروهی پیش پیش موکب شاه

عرق ریزان ز جبین خوش تلاشی　　برنگ ابر گرم آب پاشی

قدم زن پای هر یک برنگ ابر　　دوال مشک هر یک چون رگ ابر

بگرد راه مشک شان جدل داشت　　که هر یک موج دریا در بغل داشت

چو گرد از آب پاشی شست و شو یافت　　زمین هم زین عروسی آبرو یافت

بگیتی محو شد بر وجه دلخواه　　غبار از خاطر و گرد از سر راه

مخفی نماند که این مثنوی بموانع وقت از نظر پادشاه نگذشت و چون پادشاه غفران‌پناه سریر آرای ملک جاودانی شد۔ آنجناب دل به تبییض مسودهٔ مثنوی نداده متوجه عالم قدس گردید۔ بعد رحلت ایشان محرر اوراق مسوده را از سواد به بیاض برد و ابیات مشکل را حسب الطاقة حل کرده حواشی بقلم آورد۔ و درین محل چند بیت مشکل با حواشی در معرض تحریر می رسد که خالی از فوائد نیست۔

در مدح پادشاه

وَاِنْ فَاقَ الْوَرٰی فِی الْجِنْسِ وَ فَضْلٍ　　فَاِنَّ اللّٰهَ بَعْضُ الْقَطْرِ فِی الْاَصْلِ

ان شرطیه است و جزاء آن محذوف ای فلا باس معنی چنین است که اگر فائق شد

پادشاہ خلق را در جنس و فصل ماہیت انسانی باک نیست پس بدرستیکہ مروارید بعضی از قطرہاست در اصل حال آنکہ فائق است از دیگر قطرہا۔

این بیت در تتبع ابی الطیب متنبی است کہ در مدح سیف الدولہ ممدوح خود گفتہ[1]

وَاِنْ تَفُقِ الْاَنَامَ وَاَنْتَ فِیْهِمْ   فَاِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

خطاب بہ ممدوح است یعنی اگر فائق شدے خلق را حال آنکہ تو از ایشانی پس باک نیست زیراکہ مشک بعضی از خون غزال است حال آنکہ فائق است۔

بر وقت شناسان ہویدا است کہ تشبیہ لاحق از سابق پاکیزہ واقع شدہ۔

ایضاً در مدح بادشاہ

مثل از دانشِ او گر کند گوش   فلاطون از مُثُل سازد فراموش

مُثُل بضمتین جمع مثال۔ و مثل افلاطونی بچند معنی است۔ گاہی[1] مراد می شود عالم مثال کہ متوسط است درمیان عالم غیب و عالم شہادت و گاہی[2] مراد می شود صور علمیہ الٰہیہ کہ قائم بذوات خود اند نہ بذات خداوند تعالےٰ شانہ و گاہی[3] مراد مے شود جواہر مجردہ کہ آن را ارباب انواع نامند یعنی از ہر نوع فردی است مجرد از مادہ ازلی و ابدی کہ افاضہ کمالات جمیع افراد آن نوع وابستہ اوست۔ و آن را بلسان شرع ملک البحار و ملک الجبال و جز آن خوانند

این معانی از حاشیہ میرزاہد بر امور عامہ شرح مواقف و کتب دیگر بقلم آمد۔

ایضاً در مدح پادشاہ

سپاہش چون عروضی وقت تصریع   کند روشن بر اعدا حرف تقطیع

عروض بالفتح نام علم مشہور است عروضی منسوب بآن و تصریع در لغت افگندن

---

[1] دیوان متنبی صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۵۵ھ

ودر اصطلاح شعرا قافیه آوردن در مصرع اول از بیت یعنی مطلع ساختن و حرف تقطیع
در اصطلاح عروضیان ده اند مجموع درین عبارت "لمعت سیوفنا" معنی آن
درخشیدند شمشیرهای ما۔

درصفت فیلان

خط قرمز به پیشانی فیلان   اگر می دید خنساء سخندان
نمی کردی بشعر خویشتن فخر   بآن نار و علم درباره صخر

تلمیح است بسوی بیت مشهور از قصیدۂ خنسا بفتح خاء معجمه و نون و سین مهمله
یکی از مشاهیر نساء سخن طراز عرب که در مرثیۂ برادر خود صخر نامی گفته که ؎

وَاِنَّ صَخْراً لَتَاْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهٖ   کَاَنَّهٗ عَلَمٌ فِیْ رَاْسِهٖ نَارٗ

یعنی بدرستی که صخر هر آینه اقتدا می کنند راه نمایان باو۔ گویا صخر کوهی است که بر
سر آتش داشته باشد۔ چه کوه که در راهنمونی هویدا است خصوص درحالی که بالای آن
آتش افروخته باشند۔
ودرینجا مراد آن ست که اگر خنسا خط سرخ پیشانی فیل می دید به تشبیه کوه و
آتش فخر نمی کرد۔

درصفت اسپان

چو گام شان به تندی آشنا شد   بهرگامی بنا برج العصا شد

عصا نام اسپ جذیمة الابرش پادشاه یمن۔ گویند هرگاه جذیمه در بلاد روم رفت
و به دغا کشته شد قصیر که وزیر جذیمه بود بر آن اسپ سوار شد۔ اسپ بجلو ریز بسیری
میل خود را رساند و در انجا بول کرد۔ و در آن موضع برجی بنا کردند و برج العصا
نام گذاشتند[1] کذا فی المحاضرات للراغب الصفاهانی۔

---

[1] کامل مبرد صفحه ۴۷۶ مطبوعه یورپ۔ [2] (ملاحظه هو صفحه ۲۷۶)

ایضاً در صفت اسپان

وثوبِ شان تعجب آفرین است   مثالِ طفرهٔ نَظّام این است

طفره در لغت بمعنی برجستن و نظام بنون و تشدید ظاء معجمه عالم معتزلی مشهور قائل مسئلهٔ طفره۔ و مراد نَظّام از طفره این است که متحرک مسافت را طی کند بر وجهی که از مکانی بمکانی بجهد و مسافت میانه را اصلا محاذی نگردد۔

معنی بیت آنکه اسپان از بس سرعت برین روش مسافت طے می کنند و مثال طفرهٔ نظام که محال است بوجود مے آرند۔

در سنه احدی وثلثین ومائة والف (۱۱۳۱) نیکوسیر بن محمد اکبر بن خلد مکان که در قلعهٔ آگره محبوس بود واقعه طلبان او را برآورده بر تخت نشاندند۔ امیر الامرا سید حسین علی خان با لشکر جرّار از دہلی به آگره رسید و قلعه را بعد محاصره مفتوح ساخت۔ میر عبد الجلیل قصیدهٔ غرائی در تہنیت انشا کرد۔ نواب پنج ہزار روپیه و اسپ و خلعت صله می داد۔ علامهٔ مرحوم بر وفق ضابطهٔ خود سر بقبول فرو نیاورد قصیده این است ؎

مژده ای دوستان که در عالم   نقد شد نسیهٔ بهار ارم
نونهالِ طرب ببار آمد   گل فشان گشت خاطرِ خرم
دل خوشی گشت رسا بخشید   به گل و سبزه و بهار قسم
باغ از بس شگفتگی پر کرد   ساغرِ گل ز بادهٔ شبنم
ابر دامن کشان خرامان آمد   برق رقصان و رعد گرم نغم
نوبهار از برای جشن نشاط   هر طرف از شگوفه ریخت درم
که امیر سپه آمد امرا   کرد تسخیر قلعهٔ اعظم

(بقیه حاشیه) ابن اثیر جلد اول صفحه ۲۷۸ مطبوعه یورپ و محاضرات راغب جلد دوم صفحه ۳۷۵ مطبوعه مصر ۱۲۸۷ھ

این ظفر از مواهب عظمی است — بر زبان واجب است ذکر نعم
پسر اکبر آنکه در افواه — یافت نیکوسیر بعکس علم
بود در حصن آگره محبوس — هیچ مفهوم ممتنع بعدم
داشت عیشی و کنج عافیتی — خاطر آسوده تر ز صید حرم
ناگهان نفس شوم راهش زد — خفیه آمیخت در طعامش سم
دید اسباب بغی آماده — اشتها صاف و لقمه پر ز دسم
زر بسیار و زمرهٔ اوباش — اکبرآباد قلعهٔ محکم
ابروی فتنه زه نمود کمان — زلف آشوب گشت خم در خم
از پدر داشت ارث بغی ازان — فتنه انگیخت در کمال عظم
کرد پرویزنی ز چتر به سر — بیخت بر فرق خود غبار الم
چون برید این خبر به دهلی برد — شعله زد خشم داور عالم
خسرو دین پناه شاه جهان — آب و رنگ بهار فضل و کرم
آن ابو المجد و العلا ذو الجود — مسند آرای چار بالش جم
بنده اش کیقباد و کیکاوس — نوکرش گیو و بیژن و رستم
بخشی الملک را اجازت داد — تا کشد لشکر ظفر پرچم
آن امیر جماعهٔ امرا — چون حسین علی هزبر شیم
قرة العین حیدر کرار — نخبهٔ نسخهٔ بنی آدم
خلف الصدق موکم الاشبال — پیش او شیر شرزه کم ز غنم
جد او شهرهٔ دیار عرب — تیغ او ضابط بلاد عجم
تا دو از نسبتش سمو نسب — بالد از همتش علو همم
می کند با جماعهٔ دلریش — لطف او آنچه می کند مرهم

غوطه در جود او زند دریا   لطمه از دست او خورد ضیغم

هست مقیاس جود او بسحاب   مثل مقیاس فربهی بورم

در فن صرف همتش نبود   ذکری از لا و از لن و از لم

در صف جنگ با سر اعدا   چون الف گشته تیغ او الزم

دشنه و نیزه اش بجان عدو   می کند کار عقرب و ارقم

تیغ او شد بفرق اعدا غرق   همچو حرفی که می شود مدغم

در دل خصم او درآید رمح   چون درآید بر اهل خود محرم

با کمندش سر معاند او   مثل دلوی است با رسن منضم

ظفر از فوج او شود پیدا   فتح با تیغ او بود توام

کرد نهضت بدولت از دهلی   فضل حق همعنان ظفر همدم

لشکری در رکاب بیش از حصر   دیو از نعرهٔ یلان در رم

همه زور آوران فیل شکوه   که به شیر ژیان زدندی بم

گرد اسپان فوج نصرت موج   دامن افشان برین بلند خیم

آمد و قلعه را محاصره کرد   همچو انگشت و حلقهٔ خاتم

شرح اسباب قلعه گیری ریخت   سرمهٔ عجز در گلوی قلم

چون نهنگان بدور گردابی   توپها کرد قلعه جمع بهم

خصم را سوخت توپ شیر دهان   کس ندیده است شیر آتش دم

اژدهای است توپ غازیخان   کز سر هندوان نموده لقم

چه نویسند ز توپ قلعه کشا   اسم او بر تلاش اوست علم

تا برآید به قلعهٔ نصرت   سینه گردید فوج را سلّم

هر طرف شد مرتب از ساباط   دخمه بهر دشمنان دژم

زان طرف ہم مخالفِ سرکش کوششے داشت در ثباتِ قدم
دست و پازد درونِ قلعہ بسی چون جنینی کہ واجہد بشکم
کرد اسقاط این جنین آخر صدمۂ توپہائے مستحکم ۰
کار بر اہلِ حصن شد دشوار مرگ مقطوع زندگی مبہم
قلعہ شد بر جماعۂ اعدا از مصیبت چو حلقۂ ماتم
شد برون آمدن چنان دشوار کہ سخن از زبانِ اہلِ بکم
از برون ہم رہِ رسد شد بند چون نفوذِ صدا بگوشِ اصم
از سرِ عجز خواستند امان با لب خشک و دیدۂ پُر نم
از ترحم بجان امان بخشید وقت قدرت خوش است ترک نقم
فتحِ قلعہ بزورِ تیغ نمود این چنین می کنند اہلِ ہمم
شد سپہ طالعی ز قلعہ برون ہمچو از لفظ دائرہ ادہم
این معمی کشود فطرتِ او ورنہ این عقدہ بود چند اہم
شاد گشتند دوستان یکسر عام شد عیش در صنوفِ امم
شرحِ حالِ منافقان گویم کہ بآن چو حذیفہ ام اعلم
سرخی انفعال روی سیاہ خوش خضابی است از حنا و کتم
نَحْمَدُ اللهَ وَاهِبَ الْآلَاء حَمْدَ مُسْتَنْطِقٍ بِمَا أَنْعَم
کن کنتھن کی سکت کہان پاوے رسنان لیہ جو انیک جتم
رمضان ابجدی بولدی تخمینی فتح کلدی بوی آی نینک ایکی بیرم
ازپی ہم دو عید گشت پدید معنی فطر جلوہ کرد اعم
ہر طرف مجلسِ طرب چیدند آن یک از شعر و دیگری ز حکم
وان دگر از ترانۂ رنگین چنگ و طنبور کردہ باہم ضم

نغمہ گویانِ فارسی ز نشاط — کوک کردند زیر را با بم

نغمہ سنجانِ ہند سر کردند — سبت سر در مراتب سرگم

نغمہ تا چاک دل رفو سازد — زہرہ از چنگ دارد ابریشم

زین ترنم جہان طراوت یافت — زانکہ در جوہرش بود ترہم

شعرا ہم قصیدہا گفتند — انوری گشت پیش شان ابکم

ہر یکی سفت دُرِّ تاریخی — کہ ازو آب شد گہر دیہم

من ہم از باغ معنی رنگین — گل چندی زدم بفرقِ قلم

ورقی با بیاض سینہ چو بود — سطرہا سلک گوہر نیلم

شعر گر فضل من نپوشیدی — می شدم در فن سخن اقدم

گر بپرسی زجامعیت من — میر خسرو دہد جواب نعم

کرد عبدالجلیل در تاریخ — "قلعۂ آگرہ گرفت" رقم

بردعا بہتر است ختم سخن — کہ بہ آئین کند ملک معلم

چار چیزش نشاط افزا باد — تا بود سبزہ در چمن خرم

دست زرپاش و تیغ اعداکش — عمر ممدود و دولت ادوم

حواشی قصیدہ

موتم الاشبال لقب عیسی بن زید شہید است کہ جد اعلای ممدوح باشد۔ و ہم جد اعلای مادح۔ موتم بضم میم وکسرتاء فوقانی یتیم کنندہ و اشبال جمع شبل بکسر شین معجمہ یعنی بچہ شیر یعنی یتیم کنندہ شیر بچہ ہا۔ چون اکثر شکار شیر کردی باین لقب ملقب گشت۔ ساباط سقف میان دو دیوار کہ زیر آن راہ بود ؎

شد سبہ طالعی ز قلعہ برون — ہیچ از لفظ دائرہ ادہم

تلمیح است بمعمای مشہور بہ اسم ادہم ؎

کشید تنگ چنان نقش آن دہن پرکار — کہ دور دائرہ در مرکزش گرفت قرار

دور دائرہ دال وہاست و مرکزش یا مرادف ام۔ چون دال و ہا در ام قرار گیرد ادہم حاصل شود۔ و ادہم در لغت سیاہ را گویند۔ خروج سیہ طالع از قلعہ مثل خروج ادہم از دائرہ بواسطہ تنگ شدن قلعہ و دائرۂ تشبیہ لطیفی واقع شدہ

؎ این معما کشود فطرت او — ورنہ این عقدہ بود جذر اصم

جذر در لغت اصل را گویند و در اصطلاح اہل حساب عددی کہ آن را در نفس خودش ضرب کنند اورا جذر نامند و حاصل ضرب آن را مجذور و اصم در لغت کر و سنگ سخت مصمت و در اصطلاح اہل حساب عددی کہ آن را جذر نباشد اصم خوانند مثل احدی عشر و مقابل آن را منطق گویند چون تسعہ۔ و جذر عدد منطق بسہولت حاصل می شود چنانچہ جذر تسعہ ثلاث است و جذر عدد اصم در نہایت دشواری است حاصل نمی شود مگر تقریباً و لہذا حکما در مناجات خود گفتہ اند:۔

"سُبْحَانَ مَنْ لَا یَعْرِفُ جَذْرَ الْاَصَمِّ اِلَّا هُوَ" و در علم معقول جذر الاصم مغالطہ ایست مشہور۔ واضع مغالطہ ابن کمونہ بغدادی علامہ تفتازانی در شرح مقاصد گوید:۔

"وَهٰذِهٖ مَغْلَطَةٌ تَحَیَّرَتْ فِیْهَا عُقُوْلُ الْعُقَلَاءِ وَفُحُوْلُ الْاَذْکِیَاءِ وَلِهٰذَا سَمَّیْتُهَا مَغْلَطَةَ جَذْرِ الْاَصَمِّ"

و نیز علامہ در شرح مقاصد بعد تحریر جواب می گوید:۔

"لٰکِنَّ الصَّوَابَ عِنْدِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَضِیَّةِ تَرْكُ الْجَوَابِ وَالْاِعْتِرَافُ بِالْعَجْزِ عَنِ الْاِشْکَالِ"

و میر باقر استرآبادی در افق المبین گوید مختصر عبارت آنجا این است:۔

"كَمْ زَلَّتْ فِيهِ اَقْدَامُ اَقْوَامٍ وَاَقْرَبُهُمْ اِلَى الصَّوَابِ وَاِصَابَةِ الْحَقِّ مَنِ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِالْعَجْزِ"

مراد مُقِر باقرار معترف علامۂ تفتازانی باشد۔

معنی بیت آنکہ این عقدہ در اشکال و عدم انحلال مثل جذر الاصم علم حساب بود یا جذر الاصم علم معقول و لفظ اصم بمعنی سنگ سخت مصمت نظر بقلعۂ سنگین مناسب افتاد

؎ شرح حالِ منافقان گویم کہ بآن چون حذیفہ ام اعلم

حذیفہ نام صحابی مشہور صاحب سِرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت او را پنہان از حال منافقان خبر دادہ بود۔ و درین بیت اشارت است بکمال تقرب و محرمیت خود با ممدوح۔

کتم بفتح کاف و تاء فوقانی گیاہی کہ بآن خضاب کنند۔

؎ از پی ہم دو عید گشت پدید معنی فطر جلوہ کردہ اعم

چون قلعہ در ماہ مبارک رمضان مفتوح شد دو عید بہم ہویدا گشت اول عید فتح کہ عید مجازی است و دویم عید رمضان کہ عید حقیقی است و ہمچنین لفظ فطر بمعنی حقیقی جلوہ کرد کہ کشودن روزہ باشد و ہم بمعنی مجازی کہ فتح است و آن لازم کشودن روزہ باشد پس مراد از معنی اعم این است کہ مطلق معنی فطر باعتبار ہر دو فرد خود کہ حقیقی و مجازی باشد صادق آمد۔ و می تواند کہ مراد از اعم عموم مجاز باشد و برین تقدیر معنی چنین مشہود شود فطر بمعنی مجازی کہ مطلق کشودن باشد صادق آمد عموماً بحیثیتی کہ متناول باشد معنی حقیقی و غیر حقیقی را کہ کشودن روزہ و کشودن قلعہ باشد۔

و عموم مجاز در اصطلاح علماء اصول عبارت ازین است کہ معنی مجازی بقسمی باشد کہ معنی حقیقی فرد او گردد واللہ اعلم۔

؏ سبقت سرور مراتب سرکم

اہل موسیقی ہند مراتب آواز ہفت قرار دادہ اند و آن را "سبت سر" گویند یعنی ہفت آواز۔ و ہر مرتبہ را اسمی گذاشتہ اند۔ و از سر ہر اسم حرفی گرفتہ سرگم بدان ترکیب کردہ اند۔ و درین بیت لفظ سرگم اشارہ بہ ہمان مراتب سبعہ است۔

مُعلم بالضم نشان کردہ شدہ۔

الحال نقشے چند از تصانیف والا در آہنگ حجازی بہ تحریر می آید و زبان قلم واسطی نژاد پردۂ گوش نوا نیوشان را لمر غولہ سازی نوروز عرب می کشاید۔

چون خلد مکان در سنہ احدی عشر و مأتہ و الف (۱۱۱۱) بمحاصرۂ قلعہ ستارہ کہ از مشاہیر قلاع دکن است پرداخت و در اندک فرصت مفتوح ساخت آنجناب در یک شب یازدہ تاریخ در السنۂ اربعہ ترتیب دادہ از نظر بادشاہ گذرانید۔ از انجملہ قطعہ تاریخی بزبان عربی کہ از شکل اصابع اختراع فرمودہ و ید بیضائی از جیب فکر وا نمودہ۔ قطعہ این است ؎

لَمَّا تَوَجَّهَ سُلْطَانُ الْأَنَامِ إِلَى	رَبِّ السَّمٰوَاتِ فِي تَأْيِيدِ إِسْلَامِ
أَقَرَّ إِبْهَامَهُ فِي أَصْلِ خِنْصِرِهِ	لِوِرْدِهِ يَا قَادِرُ افْتَحْ آكَامْ
فَصَارَ حِينَ افْتِتَاحِ الْاِسْمِ مُفْتَتَحًا	حِصْنٌ لِمَنْ عَبَدُوا أَحْجَارَ أَصْنَامِ
نَظَرْتُ فِي أَلِفَاتٍ وَهْيَ أَرْبَعَةٌ	مِنْ فَوْقِ إِبْهَامِهِ مِنْ غَيْرِ إِبْهَامِ
وَجَدْتُهُنَّ لِعَامِ الْفَتْحِ حِينَئِذٍ	رَقْمًا عَلَى سَنَةٍ مِنْ مَدِّ إِبْهَامِ
لِلّٰهِ تِلْكَ يَدٌ بَيْضَاءُ قَدْ نَبَعَتْ	لِلنَّاظِرِينَ فَيَا مِنْ مُعْجِزٍ سَامِ
هٰذَا الْبَدِيعُ بِهِ التَّارِيخُ أَنْشَأَهُ	عَبْدُ الْجَلِيلِ بِتَأْيِيدَاتِ إِلْهَامِ

مقصد از خم کردن سر ابہام در تاریخ مذکور آن است کہ شکل لفظ سنہ بہم رسد و چہار الف جنبیہ بالای لفظ سنہ بہ دستوری کہ معمول کاتبان است پیدا شود و مضمون این تاریخ بزبان فارسی نیز است و قطعہ فارسی بسیار پیشتر اشتہا

یافتہ ؎

چو شد ابہام زیر خنصر آورد ۔۔ بورد اسم اعظم در شمارہ

قلاع کفر شد مفتوح فی الحال ۔۔ ز تیغ او عدو شد پارہ پارہ

ز انگشتان شد بر مد ابہام ۔۔ برابر چار الف کردم نظارہ

بعینہ بود شکلِ سال ہجری ۔۔ پیِ تاریخ تسخیرِ ستارہ

چنین تاریخ گفتن اختراعی است ۔۔ شد از عبدالجلیل این آشکارہ

امیر الامرا سید حسین علی خان ہر سال در مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم چراغان مے کرد وشیلان عظمی مے کشید۔ وصلای عام در مے داد و خود آفتابہ گرفتہ بر دست مہمانان آب می ریخت۔ علامہ مرحوم در وصف چراغان مصراع کعب بن زہیر را تضمین کرد کہ ؎

اَضَاءَ لَکِنَّ الاَعَالِیْ سَیِّدُ الْاُمَرَا ۔۔ شَهْرَ الرَّسُوْلِ شُمُوْعًا فِیْ غَیَاهِبِهٖ

اَمْسَی الشُّمُوْعُ عَلَی الْخِضَارِ مُنْشِدَةً ۔۔ اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُسْتَضَاءُ بِهٖ

ونیز بہ امیر الامرا در تہنیت عید الاضحی نوشت ؎

تَهَنَّ بِعِیْدِ النَّحْرِ یَا مَنْ عَطَاءُہٗ ۔۔ اَفَاضَ عَلٰی مَنْ حَجَّ جُوْدًا اَعَوَائِدَا

تَمَسَّکْتَ هَدْیَ الْجُوْدِ فِیْ کُلِّ مَوْقِفٍ ۔۔ وَاَلْبَسْتَ نَحْرَ الْمُعْتَفِیْنَ قَلَائِدَا

صاحب نہایہ جزری گوید: معتفی بعین مہملہ و فا کسی را گویند کہ طالب فضل و رزق باشد۔

و این رباعی مشترا و در تہنیت نوروز مے اند ؎

جَاءَ النَّیْرُوْزُ بِالنَّشَاطِ الْاَوْفٰی ۔ فِیْ خَیْرِ قُدُوْمٖ

چولیں دم چلی تہلی بن او لیا ۔ نرور یہی ہجوم

نیکی کندہ زنکلدی بزی بولدی بش ۔ تلخ یلسوم

چون شہپر طاؤس گل اندر صحرا ۔ آورد ہجوم

درآغاز عہد شباب برخی اشعار ریختیانہ درسلک نظم کشیدہ۔ ترجیع بند ایشان درین طور مشہور است کہ مطلعش این است ؎

منم آن بانکہ و دلبیر و اچپل — کزمن اُفتاد درجہان کھل بل

ازانجاکہ ازتکاب این اشعار دور ازکار محض نظر باستجماع فنون بود۔ وبشان اقدس اصلا مناسبتے نداشت۔ مردم این ترجیع و دیگر اشعار ایشان راکہ ازین جنس است بدیگری نسبت دہند حال آنکہ بلاریب زادۂ فکر ایشان است

دراواخر ترجیع بند اتل تخلص آوردہ۔ و این بیت ہم ازان ترجیع است ؎

شعر بارہ ہزاریان دیدی — ٹھسّہ بلگرام را عشق است

اما حریفان این بیت را ہم تغیر دادہ نوعی دیگر ساختہ اند۔

واز اشعار ریختیانہ ایشان است ؎

عدو گر ہمہ تن ز فولاد جکڑد — ز سرتا قدم ہمچو زنجیر اکڑد
بکف کتی برق سے دھڑکہ پکڑد — بجز حکم اللہ پٹھی نا کڑد

ولہ

ورد خود نام خدا با نام احمد کردہ ام — دانۂ تسبیح از میم محمد کردہ ام
بجز مژگان ندارد چشم بیمار تو غمخواری — بلاگردانی برگشتہ مژگانت تماشا کن
شام غم را در سواد نامہ پنہان کردہ ام — صبح محشر سے دمد از صفحۂ مکتوب ما
بانتظار تو ای سرو لالہ در گلشن — ستادہ قہوہ بکف در پیالۂ یاقوت

رباعی

اولاد علی خلاصۂ ابرارند — چون والد خویش محرم اسرارند
تحلیل مواد فاسد کفر کنند — در منفعت مزاج دین جدوارند

رباعی

از مهر محبت علی هستی ماست — گلچینی این بهار تردستی ماست

دل ساغر و مهر ساقی کوثر می — از میکدهٔ غدیر خم مستی ماست

اکنون خامهٔ تقریب جو بتحریر احوال سید علی معصوم که اسم او در ترجمهٔ میر عبدالجلیل ذکر یافت و احوال او در تاریخ نامها کمیاب است خرامش می نماید

(۱۲۰) سید علی معصوم مدنی

سید علی بن سید نظام الدین احمد بن سید معصوم الدشتکی الشیرازی المعروف به سید علی معصوم از مشاهیر ادبا و صنادید شعرا است - مؤلف انوار الربیع فی انواع البدیع و ریاض السالکین شرح صحیفه کامله و حاشیه قاموس و سلافة العصر تذکرهٔ شعرا عرب و دیوان شعر -

خاندان او در شیراز بیت علم و فضل بوده است و مدرسهٔ منصوریه شیراز منسوب بجد او میر غیاث الدین منصور است که از غایت شهرت حاجت بشرح ندارد

و سید علی باضافهٔ نام پدر قریب خود به سید علی معصوم مشهور گردید چون خواهر شاه عباس ثانی صفوی ارادهٔ زیارت حرمین شریفین نمود - شاه عباس میر معصوم را با بیگم همراه کرد که به تعلیم مناسک حج پردازد - در اثناء راه چون تقریب تعلیم و تعلم در میان آمد و [illegible] حیلولت ستر بر وجه احسن صورت نمی بست بخاطر بیگم رسید که [illegible] است چرا عقد نکاح جلوه گر نشود و حیلولت حجاب بر نخیزد -
آخر نکاح انعقاد یافت و بعد زیارت حرمین شریفین از ترس شاه عباس معاودت بوطن متعذر شد و [illegible] در مکه معظمه اختیار اقامت نمود - و از بطن بیگم میر نظام الدین احمد متولد شد و در مکه معظمه نشو و نما یافت - و [illegible] فضائل کمالات از اقران فائق برآمد

میر محمد سعید میر جمله اردستانی وزیر عبد الله قطب شاه والی حیدرآباد مبالغ فراوان فرستاده میر نظام الدین احمد را و سید سلطان را که از سادات نجف اشرف بود به حیدرآباد طلبید که دو دختری که داشت آنها را در سلک ازدواج هر دو سید کشد - اتفاقاً سلطان عبد الله را هم دو دختر بودند سلطان خواست که دختران خود را به هر دو سید تزویج کند - میر جمله بر آشفت و برخاسته بدرگاه خلد مکان عالمگیر شتافت - سلطان عبد الله اول دختری را به میر نظام الدین احمد کدخدا ساخت و برای طوی دختر ثانی ساز و سامان ترتیب داد - میر نظام الدین احمد با سید سلطان رنجشی داشت - او و زوجهٔ او نخواستند که ازدواج سید سلطان صورت گیرد - شبی که نکاح سید سلطان مقرر شد - میر نظام الدین سلطان عبد الله را پیغام کرد که اگر تزویج سید سلطان واقع می‌شود - من بمخالفت شما کمر می‌بندم - و نزد خلد مکان رفته سعی در هدم بنیان دولت شما می‌کنم و احمال و اثقال بار کرده مستعد کوچ نشست - سلطان عبد الله متحیر شد - و ارکان دولت را جمع کرده بمشاوره پرداخت - آخر رای همه برین قرار داد که اگر میر نظام الدین احمد می‌رود فتنهٔ عظیم برپا می‌شود - تزویج سید سلطان موقوف باید داشت - و چون اسباب طوی همه مهیا شده بود - در تاخیر ضائع می‌شد ابو الحسن را که آخر سلاطین قطب شاهیه است و با سلاطین قطب شاهیه قرابتی داشت برای دامادی تجویز کردند - مردم به طلب ابو الحسن شتافتند - دران وقت ابو الحسن در تکیهٔ بیقیدی نشسته بود - او را آوردند و بحمام بردند و بخلعت طوی آراسته نکاح بستند - و موافق ضابطه توپخانه را سر دادند - دران وقت سید سلطان در حمام بود - چون صدای توپها شنید در استفسار افتاد که توپها را چرا سر دادند - حاضران که ازین ماجرا واقف نبودند جواب دادند که سبب ظاهر است که امشب شب طوی ست - سید سلطان گفت ضابطه این است

که نوبخی به بعد عقد نکاح سرمے دہند- و مردم را برای خبر فرستاد- رفتگان خبر که بود
آوردند- سید سلطان در آتش غضب اُفتاد- اسباب شادی ہمہ سوخت و اسپان را
پی کرد- و خود را به درگاه خلد مکان رسانید-

میر نظام الدین احمد از دختر قطب شاه فرزندی نیاورد- سید علی از بطن
زوجۂ دیگر شب شنبہ پانزدہم جمادی الاولی سنہ اثنتین وخمسین والف (۱۰۵۲)
در مدینہ منورہ متولد شد لہذا او را مدنی می گویند و بکسب کمال پرداختہ سر آمد
ادباء عصر گردید-

و شب شنبہ ششم شعبان سنہ ست وستین والف (۱۰۶۶) بقصد حیدرآباد
از مکہ معظمہ بر آمد و روز جمعہ بیست و دوم ربیع الاول سنہ ثمان وستین والف
(۱۰۶۸) بہ حیدرآباد رسید- و با والد خود ملاقات کرد

و چون سلطان عبد اللہ از سریر حیات فرود آمد ابو الحسن بر تخت فرمان
روائی بر آمد و میر نظام الدین احمد ہم بعد یکسال فوت کرد- ابو الحسن در اتلاف
متعلقان میر نظام الدین احمد کمر بست و نگاہبانان گماشتہ راہ آمد و شد مسدود ساخت
سید علی عریضہ بجناب خلد مکان ارسال داشت و ادراک عتبۂ خلافت استدعا نمود-
خلد مکان در آن ایام از ہند متوجہ دکن بود فرمان طلب سید علی بنام ابو الحسن
عز اصدار یافت- ابو الحسن سید علی را با اہل و عیال رخصت داد- سید رخت کوچ
بر بستہ خلد مکان را در دار السرور برہان پور ملازمت نمود- پادشاہ او را بعنایات
خسروانی نواخت- و بمنصب ہزار و پانصدی سیصد سوار دو اسپہ سرافراز فرمود- و
در رکاب خلد مکان بہ اورنگ آباد آمد- و چون رایات خلد مکان جانب
احمد نگر ارتفاع یافت- سید علی را بحراست اورنگ آباد مامور ساخت سید
مدتے بدین خدمت قیام داشت-

پس ازان حکومت ماهور وغیره از توابع صوبه برار تفویض یافت - آخر از حکومت ماهور استعفا نمود و التماس دیوانی برهان پور کرد - درجهٔ پذیرائی یافت - سیّد در برهان پور رفته بدیوانی پرداخت -

و بعد مرور زمانی از خلد مکان رخصت حرمین شریفین گرفت و با اهل و عیال به اماکن فیض مواطن رفت و از انجا بزیارت عتبات عالیات شتافت و به مشهد مقدس رسید و به صفاهان آمد و سلطان حسین صفوی را ملازمت نمود و التفاتی که مطمح نظر بود نیافت - ناگزیر رخت بوطن اصلی یعنی شیراز کشید - و در مدرسه منصوریه پای اقامت افشرد و عمر را بافادهٔ طلبه بپایان رسانید -

(۱۲۱) شاعر میر سید محمد سلمه الله تعالے

خلف الصدق حضرت علامی میر عبد الجلیل بلگرامی نور الله ضریحه از وجود همایون سابقا چمن فضلا را بهاری تازه است - و اکنون گلستان فصحا را رونقی بی اندازه آنجناب در تاریخ چهاردهم شهر ربیع الاول سنه احدی و مائة و الف (۱۱۰۱) به شهرستان امکان رسید - بمنطوق اَلوَلَدُ الحُرُّ یَقتَدِی بِاٰبَائِهِ الغُرّ نسخهٔ جامع اصناف علوم است - و مرآت فضائل و کمالات و الد مرحوم خصوص عربیت و لغت و محاضرات که درین فنون رایت یکتائی می افرازد و گوی سبقت از اقران می رباید -

کتب درسی نزد استاد المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طاب ثراه گذرانید و کمالات کثیره از والد ماجد خود اندوخت -

پدر گرامی را نسبت به فرزند ارجمند ورای شفقت اُبوّت عنایتی و محبتی خاص بود - درحینیکه علامهٔ مرحوم از بهکر به دار الخلافه شاهجهان آباد عطف عنان نمود میر سید محمد را نزد خود طلبید و مقارن آن مصرعی را فرستاد که چندی توقف باید کرد - و انتظار طلب

شنی باید کشید- میر در جواب قلمی فرمود که " لَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَأْذَنَ لِیْ اَبِیْ "
علامۂ مرحوم ازین جواب حظی کرد- واین رباعی رقم زدۂ کلک جواهر سلک ساخت که ؎

"تا یأذن لی ابی" به خطّت دیدم   گلهای طرب از چمن دل چیدم
از غایت اهتزاز پروانه صفت   ای شمع پدر گرد سرت گردیدم

در اواخر عهد محمد فرخ سیر علامۂ مرحوم خود مستعفی شده خدمات بهکر و سیوستان را بنام
ولد ارشد گرفت- جناب میر سید محمد در سنۂ ثلث وثلثین ومأته والف (۱۱۳۳) به محل
خدمات رسید- ومسند حکومت را از ابتدا تا انتها بشیوۂ تدین وحسن معاملت رونق
بخشید- وضیع وشریف آن دیار تا الآن یاد می کنند- وسبحۂ ذکر خیر وحسن جمیل می گردانند
میر در سنۂ ثلث واربعین ومأته والف (۱۱۴۳) کاتب الحروف را به سیوستان
نائب گذاشته خود بدار السلام بلگرام تشریف برد وچندی در وطن گذرانیده بنا بر
تخللی که در خدمت راه یافته بود به دار الخلافه شاهجهان آباد حرکت کرد وبتوسل بعضی
امرا آن خلل را دفع ساخت-

ودر سنۂ خمس واربعین ومأته والف (۱۱۴۵) کرت ثانی به سیوستان تشریف
آورد- وبنده را در اواسط سنۂ سبع واربعین ومأته والف (۱۱۴۷) رخصت هندوستان
فرمود- وخود بمراسم خدمت مرجوعه بدستور قیام نمود تا آنکه نادر شاه بر دیار سند مسلّط
گردید- وسر رشتۂ خدمات پادشاهی گسیخت- اما خدا یار خان مرزبان سند میر را
نگذاشت- وبا عزاز واکرام تمام در سیوستان نگاه داشت- واز جانب خود خدمتها
بتقدیم رسانید-

وچون هنگامۂ نادر شاهیان دران دیار گرم شد- واوضاع ملک بنسق سابق
نماند- خاطر اقدس از اقامت آنجا برخاست واز خدا یار خان خواه نخواه رخصت گرفت
وبیست وپنجم رمضان سنۂ خمس وخمسین ومأته والف (۱۱۵۵) از سیوستان برآمد

و از راه مارواړ متوجّه وطن شده - بعد طی مراحل بیست وهفتم محرم بکرم سنه ست وخمسین ومأته والف (۱۱۵۶) بوصول بلگرام مسرت اندوخت -

میر طبعی وقاد و ذهنی نقاد دارد - وچون از مطالعهٔ کتاب بازمی پرداز د عنان اندیشه به وادی سخن عطف می سازد - مهارت زبان عربی وفارسی وهندی از حد افزون است واشعار السنهٔ ثلاثه در خزانهٔ حافظهٔ عالی از حصر بیرون سخن را اکثر اوقات موزون می کند وجواهر آبدار در سلک نظم مے کشد - این چند بیت از دیوان سامی بتحریر مے آید ؎

فروغ هاله بخش ای ماه سیما خانهٔ ما را | ز نور جلوهٔ خود رنگ کن کاشانهٔ ما را
دل در خم گیسوی نگار است به بینید | در دام محبت چه شکار است بینید
نیست در عالم دون غیر هوس کار دلت | هست این طول امل رشتهٔ زنار دلت
بگشتم چون حباب و هیچ در دریا نیافتم | چشم پوشیدم ازین عالم تماشا یافتم
دران گلشن که سرو قامت جانان شود پیدا | بجای طوق قمری دیدهٔ حیران شود پیدا
پیش مهر رخت قمر معلوم | نزد قند لبت شکر معلوم
یار دور است و کوه غم حائل | آفتاب آن طرف سحر معلوم
می کشد غمزهٔ جگر دوزش | پیش تیر قضا سپر معلوم
از نگاه دو چشم میگونت | بی خبر گشته ام خبر معلوم
در تمنای وصل او شاعر | حلقه گشتیم پا و سر معلوم
اگر از چشمهٔ آئینه آب خنجرش باشد | که از حیرت طپیدن شد فرامش بسمل ما را
دشنم بگیر چه ترا بازوی قوی است | پایم رسیده است بسنگی که واه واه
هیچ محبوبی ندارد این قدر رنگ حیا | بعد سالی می نماید روی خود یکبار گل

(۱۲۲) آوارهٔ دشت ایجاد فقیر (میر غلام علی) آزاد الحسینی نسباً والواسطی اصلاً والبلگرامی مولداً ومنشأً والحنفی مذهباً والچشتی طریقةً

پیشتر دریوزۂ گر کوچۂ فقر است۔ وریزہ چین مائدہ فضلا۔ درین مقام خود را بحاشیۂ محفل سخن سرایان می کشد۔ وشکستہ ناخنی بتار نفس گسستہ می زند۔

من مقیم کوچۂ نادانی۔ وآئینہ دار صورت حیرانی۔ مدتی بر آستان سخن نشستم۔ وکمر در خدمت کلام موزون بربستم۔ چندگاہ است کہ مرآت ضمیر را از صور خیالی پرداختہ ام واز بیت سخن با بیت الحزن یعنی ماتمکدۂ ہستی خود ساختہ۔ اما موزونیت فطری احیاناً سلسلۂ فکر می جنباند۔ ودماغ از کار رفتہ را بصدائی قلقلی مے رساند۔ تا بجای کہ در عالم مثال ہم گاہی خیال موزونی جلوہ می کند چنانچہ در عشرۂ اخیر رمضان کثیر الفیضان سنہ احدی وستین ومائۃ والف (۱۱۶۱) مزاج بندہ را دخشتی بہم رسید۔ بخاطر افتاد کہ از ہمہ قطع نظر باید کرد و بار دیگر سری بدیار عرب باید کشید۔ واین داعیہ بمثابۂ قوت گرفت کہ عنقریب بود کہ از مکمن قوت بجلوہ گاہ فعل خرامد۔ ناگاہ شب بیست وہفتم ماہ مذکور طرف سحر در عالم رویا اندیشہ متوجہ شعر گردید۔ بیتی موزون ساختم ومعاً از خواب بیدار شدم۔ بیت بیاد ماند وآن این است ؎

چہ خوش گفت گویندۂ نامدار　　مکش دست از دامن روزگار

یعنی بہ تامل رفتم۔ دانستم کہ گویندہ سروش غیبی است ومخاطب بندہ۔ امتثال امر غیب واجب دیدم وارادۂ کہ تصمیم یافتہ بود فسخ نمودم۔ وسر الہام آن است کہ حجی کہ فرض بود پیش ازین بتقدیم رسید۔ اگر دست از دامن علائق ظاہری می کشیدم وبتحصیل نافلہ شتافتم۔ چندین حقوق واجب الادا فوت شدے ع

ترک واجب نتوان کرد پئے نافلہا

من بی مایہ را چہ شایستگی کہ در صف صاحب کمالان سر توانم افراخت۔ وطرح ہمزبانی با طوطیان چمن فصاحت توانم انداخت۔ عمرہا در جلوہ دل دیوانہ گشتم۔ بجائے نرسیدم سالہا در پیچ کاروان نالہ افتادم بنقائی سر نہ کشیدم۔ اما سہارا با وصف کم زنگی

دربزم کواکب اذن نشستن وہلال را با وجود دریوزہ گری پہلوی آفتاب رخصت کلاہ شکستن ہست۔ باین دستاویز قدم جرأت پیش مے گزارد۔ وحرفی چند از خود بریاران کرم فرما عرض می دارد۔

فقیر حقیر در تاریخ بیست وپنجم ماہ صفر سنہ ست عشر ومائۃ والف (۱۱۱۶) لباس ہستی پوشید۔ ودر ریعان آگاہی سر رشتۂ تحصیل علوم بدست آورد۔ وکتب درسی از بدایت تا نہایت در حلقۂ درس استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طاب ثراہ گذرانید۔ و لغت وحدیث وسیر نبوی وفنون ادب از خدمت قدسی منزلت جدی واستاذی حضرت علامی میر عبد الجلیل بلگرامی طاب مضجعہ اخذ نمود۔ وعروض وقافیہ ....

... وبعض فنون ادب از خدمت والا درجت میر سید محمد خلف الصدق علامۂ مرحوم مرقوم تلمذ کرد۔

ودر سنہ سبع وثلثین ومائۃ والف (۱۱۳۷) شرف بیعت جناب مستطاب سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی قدس سرہ اندوخت۔

ناگاہ بوی از عطر توفیق بہ دماغم رسید۔ وشوق گلگشت حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وکرامۃ از جا بر دو در سنہ خمسین ومائۃ والف (۱۱۵۰) مطابق کلمہ "سفر خیر" از خطۂ بلگرام محمل سفر حجاز میمنت طراز بربست۔ ودر سنہ احدی و خمسین ومائۃ والف (۱۱۵۱) مطابق کلمہ "عمل اعظم" بزیارت حرمین شریفین سعادت نشأتین حاصل کرد۔ ودر مدینہ منورہ علی منورہا الصلوٰۃ والتحیۃ بخدمت شیخنا ومولانا الشیخ محمد حیات السندھی المدنی الحنفی قدس سرہ صحیح بخاری قراءت نمود واجازت صحاح ستہ وسائر مفردات مولانا فرا گرفت۔ ودر مکہ معظمہ صحبت شیخ عبد الوہاب الطنطاوی المصری دریافت۔ وبہرہ از فوائد علمی کسب نمود شیخ عبد الوہاب توفی شہر صفر اثناعشر بعد ... عصر و دفن بمکہ معظمہ بود۔ وہمیشہ

به نشر لوامع علوم می پرداخت ودر سنه سبع وخمسین ومأته والف (۱۱۵۷) به جنة المأوی خرامید۔ ودر جنت معلی آرامش گزید۔ شیخ عبدالوہاب علیہ الرحمہ اشعار عربی فقیر را بسیار تحسین کرد۔ وہرگاہ آزاد تخلص بندہ شنید ومعنی آن را فہمید۔ فرمود "یَاسَیِّدِیْ اَنْتَ مِنْ عُتَقَاءِ اللّٰہِ" وازین نفس مبارک حضرت شیخ کہ درحق این سراپا گرفتار سرزد امیدوار یہا دارم۔

نقیر درفن شعر عربی تلمیذ میر عبدالجلیل است۔ وثنا داب افاضۂ این سلسبیل برخی از قصائد خود در دفتر اول ثبت ساختہ۔ وبا وصف بینوائی قانونی بہ آہنگ حجاز نواختہ۔

القصہ درسنہ اثنتین وخمسین ومأتہ والف (۱۱۵۲) مطابق کلمہ "سفر بخیر" جانب ہند عطف عنان نمود۔ واز راہ بندر سورت مسری بہ دیار دکن کشید۔ وبیست وہفتم ذی القعدہ ہمان سال وارد خجستہ بنیاد گردید۔ ودست بہ دامن انزوا زد

بعد چندی دویم رمضان سنہ اربع وخمسین ومأتہ والف (۱۱۵۴) جاذبۂ سیاحت از جا در آورد۔ وقلعہ محمد آباد بیدر را دیدہ چہارم محرم سنہ خمس وخمسین ومأتہ والف (۱۱۵۵) وصول حیدر آباد سرمایۂ آرامش رسانید۔ ونوزدہم صفر سال مذکور از انجا برآمدہ پانزدہم جمادی الاولی ہمین سال سواد خجستہ بنیاد چشم اشتیاق را سرمہ کشید۔

ودرسنہ ثمان وخمسین ومأتہ والف (۱۱۵۸) نواب نظام الدولہ شہید از جناب پدر والا گہر نواب آصفجاہ بصوبہ داری اورنگ آباد مامور گشت ونواب شہید را با فقیر ربطی خاص بہم رسید ودر سال دیگر نواب آصفجاہ از حیدر آباد درایات بندوبست مہمات ملکی برافراخت وعنایت نامہ طلب حضور بنام نواب شہید صادر شد۔ نواب شہید کمندی بہ تسخیر فقیر افگند۔ وحسن خلقی بجا آورد کہ با وصف آزاد بودن اختیار دام محبت لازم افتاد وبیست وششم ذی القعدہ سنہ تسع وخمسین ومأتہ والف (۱۱۵۹) توسن کوچ از اورنگ آباد بجولان در آمد۔ وتا مقام "مسری رنگ پٹن" کہ دار الاقامت

راجۂ میسور است تماشا کردہ ۔ غرۂ صفر سنہ احدی وستین ومائۃ والف (۱۱۶۱) قدم جادۂ پیما راگل زمین اورنگ آباد دست داد

ودرین سال گلگشت دار السرور برہان پور وصرف عنان جانب اورنگ آباد واقع شد ودر سنہ اثنتین وستین ومائۃ والف (۱۱۶۲) کرت ثانی سفر برہان پور پیش آمد ۔ وتا کنار آب نربدا سیر کردہ رجوع بہ اورنگ آباد صورت بست ۔

وچہاردہم شوال سال مسطور دست قضا سلسلۂ نہضت ارکات جنبانید یک سال وچندماہ دران الکہ بسر رفت ۔ ودر ارکات نسخہ " تسلیۃ الفؤاد فیما ورد فی الہند من سید البشر " از دریای فکر بساحل قرطاس رسید ۔ آخر الامر نواب نظام الدولہ بہ سعادت شہادت فائز گشت نوعی کہ در ترجمہ نواب سمت گذارش یافت

وبعد شہادت نواب خاطر ازان ملک برخاست وپانزدہم جمادی الاولی سنہ اربع وستین ومائۃ والف (۱۱۶۴) نزول خجستہ بنیاد نشاط را عروجے بخشید ۔

فلک ہمیشہ خرام باز تقریب سفر برانگیخت ونہم رجب سنہ خمس وستین ومائۃ والف (۱۱۶۵) خانۂ زین آباد ساخت وہفتم شعبان سال مذکور وصول بہ حیدرآباد نقش بست ۔ شانزدہم ذی القعدہ ہمین سال جرس راحلہ صدای رحیل برداشت ۔ پنجم ذی الحجہ معمورۂ خجستہ بنیاد خاطر را بسرور معمور ساخت

حق سبحانہ علیم است کہ ہلال وار مقصود ازین سیر وسفر تن پروری باشد حاشا وکلا بلکہ مانند بدر منظور شکست نفس بود ۔ چندی طریقۂ آب روان اختیار افتاد کہ مشت گیاہی بہ نشو ونما درآید ۔ ولختی روش باد صبا پسند آمد کہ غنچہ چند لب بہ تبسم کشاید امیدوارم کہ این سیاحت پای شکستہ را دستگیری کند وقلم وسیروا فی اللہ را جادہ مستقیم شود وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔

اکنون برخی نزہات از دیوان خود بترتیب ردیف بعرض سخن سنجان مے رسانم و بضاعت مزجاتی از نظر عزیزان مصر مروت مے گذرانم تا عیب را بہ قیمت ہنر گیرند۔ و مہرۂ گل را بہ بہای گوہر بہ پذیرند عرض بندہ بدرجۂ قبول رساد۔ و روی ناکامی بہیچ وجہ بیناد۔

صاحب قال حسب حال گوید؎

تمام عیبم و خوبان خریدہ اند مرا ز حسن خلق بزر بر کشیدہ اند مرا
اگرچہ لالۂ روئیدہ خارج از چمنم برائی گوشۂ دستار چیدہ اند مرا
جماعتی کہ خزف را بہ نرخ زر گیرند بچشم مرحمت خاص دیدہ اند مرا
کمند جاذبۂ دوستان اسیرم کرد وگرنہ صورت رم آفریدہ اند مرا
عجب عنایت ممتاز دیدہ ام آزاد بداغ بی ہنری برگزیدہ اند مرا

بدار از مد بسم اللہ تیغ خوش مثالی را مسخر کن سواد اعظم نازک خیالی را
خیال نازک از جوش نزاکت راز دل باشد نباشد جز کرامت فہم کردن فکر عالی را
چو آن زلفی کہ بعد از شانہ کردن یار بر بندد بجمعیت رساند صبر من آشفتہ حالی را
نگاہی ہست چشم یار را با چشم گریانم کہ مستان دوست می دارند ابر برشکالی را
دل دیوانۂ آزاد را آباد کن یا رب! پری زادی کرم فرمای این مینای خالی را

باشد گل بہار سخن یادگار ما این لعل بی بہاست چراغ مزار ما
امروز مدح گستر ما کیست جز قلم دم مے زند ز جوہر ما ذو الفقار ما
ای وای رنگ و بوی چمن کرد غارتت کم فرصتی ز زندگی مستعار ما
آخر شود کمند غزال رمیدہ ہا آزاد رشتۂ نگہ انتظار ما

ہمان آغاز باشد منتہای سیر کامل را تمنای کند یار دگر غواص ساحل را
چہ سان راز شہیدان گل کند از سبزۂ نعشش کہ چون برگ حنا در خویش دزدد خون بسمل را

دهانش جستم و آخر نشستم با زنخدانش — لبِ چاهی غنیمت می‌شود گم‌کرده منزل را

سرِ شوریدهٔ من طرفه اوجی داشت در طالع — که در وقتِ جدا کردن بپا افتاد قاتل را

بهارِ این چمن آزاد آخر رنگ می‌بازد — چو شبنم از جهانِ رنگ و بو بربند محمل را

ای نمک بر زخمِ دل از لعلِ خندانِ شما — صبحِ محشر داغ از شورِ نمکدانِ شما

تشنه‌ها را به آسانی توان سیراب کرد — بوسه کافی ست از چاهِ زنخدانِ شما

بر جبین چینِ عتاب تازه آید در نظر — تا چه رفت از من خطا ای من بقربانِ شما

برد از خویش شوخی‌های طفلان هوشیاران را — سپاهِ نازیبا شد در جلوِ این نی‌سواران را

مزاجِ کم‌کسی بر الفتِ اول بجا ماند — برودِ بیکسی سنجیده‌ام بسیار یاران را

قیامت می‌کند سنگی که از کوهِ بلند افتد — مبادا خشم در جنبش درارد بردباران را

اگر بخاطرِ عاطر بود شهادتِ ما — ز دست و تیغ تو مردن زهی سعادتِ ما

بشهدِ خنده بر آمیخت ترشیِ دشنام — اثار میخوشِ او بیش کرد رغبتِ ما

سزای ماست که بیداد می‌کنی جانان — دلیر کرد ترا شیوهٔ مروّتِ ما

کشود مشتریِ ما گره ز دشنامی — مگر بدین زر نارایج است قیمتِ ما

گریستیم من و شبنم آنچنان آزاد — که گل بخون جگر شد ز رقّتِ ما

ندانستند خوبان آه قدرِ الفتِ ما را — تلف کردند بی تقصیرِ حق خدمتِ ما را

سرت گردیم قربانت شویم ای قبلهٔ عالم — کجی سازد روا جز آستانت حاجتِ ما را

بر خاطرِ وحشت زده حقی ست الم را — صیاد شبانی کند آهوی حرم را

نمودم صرفِ اخلاصِ فقیران همتِ خود را — بخاصانِ الهی عام کردم الفتِ خود را

چرا ای گوهرِ شهوار می‌غلطی بهر پهلو — چنین از زبان نکردی کرشناسی قیمتِ خود را

رفت در وعده سالها چند کنم حساب‌ها — وعدهٔ سال بیش نیست وعدهٔ آفتاب‌ها

مردم عهده بیشتر حرف زنند بکهت — هست سواد یکطرف سرورقِ کتاب‌ها

حالتِ خویش گفتمش از سرِ ناز گفت بس   کو ندهد مرا و من بنده ام این جواب را

نرگسِ او بجا کشید سرمهٔ دلپذیر را   خوب کمند وحدت است مردم گوشه گیر را

شد جاذبهٔ حضرتِ گل دادرسِ ما   آویخته صیاد ز گلبن قفسِ ما

ز طرزِ شوخیِ آن نرگسِ بیمار دانستم   توان کردن بزورِ ناتوانی پهلوانیها

شاخ برهنه تیغ زند موسمِ خزان   یک برگ سبز زیر سپر می کشد مرا

تا غلامِ قدِ تو من شده ام   سرو آزاد گفته اند ترا

کار بی اجرت نمی آید ز دنیا دوستان   می ستاند حقِ خود سنگِ محک هم از طلا

دست و پا گم کردهٔ چون کاروانِ سیجیم   هر قدم در ره بزورِ سینه می غلطیم ما

دارد بباغ جلوهٔ مستانه عندلیب   از دست شاخ گل زده پیمانه عندلیب

هر غنچه خوابگاهِ پری زاد نکهت است   دیوانه شد ز جوشِ پری خانه عندلیب

بروی یار عقیق دهن بود نایاب   ز خامه ماند درین نسخه سرخیِ هر باب

ای عزیزان نرگسِ خوبان زیارت کردنی است   حالتی دارد ز بیماری عیادت کردنی است

بر نمی دارم نظر یک لحظه از لعلِ لبت   آنچه می خواهم تو می دانی عنایت کردنی است

حالِ ما آشفتگان تقریر کردن خوب نیست   این پریشان خواب را تعبیر کردن خوب نیست

دور باید داشت از چینها کشاده جبهه را   باب حسنِ خلق را زنجیر کردن خوب نیست

گرد رخسارِ بتان چون زلف گشتن کارِ ماست   گرد خود گشتن برنگِ چشمِ ایشان کارِ ماست

خوبرویان می توان آزاد را آسان خرید   بیع کردن مفتِ خود را رایجِ بازارِ ماست

حرفی که آشنای قلم شد جهان گرفت   این طفل بی سوار زمین و زمان گرفت

خلقی ز حالِ گوشهٔ ابروی او گریست   ناحق سر بریده ز تن با کمان گرفت

سرمه آلوده نگاهِ تو عجب عربده جوست   تشنهٔ خون دلِ شیر زبانِ آهوست

روزِ بد حاجتِ اشراف بدونان افتد   تکیه گاهِ سرِ لبریز تفکر زانوست

تجرید دوست راه بآن آستانه یافت | تیری که کند جامهٔ ناوک نشانه یافت

دلی که آینهٔ مهر احمد عربی است | درون خانه چراغی و شیشهٔ حلبی است

ریاضتی کش و دریاب لذت عرفان | که آب رامزهٔ خویش بقدر تشنه لبی است

ادای طاعت روشندلان بسمت فناست | که قبلهٔ مشرقیان را بجانب غربی است

اگرچه خاک شدم اضطراب من باقی است | که پیچ و تاب رسن بعد سوختن باقی است

مانی نازک قلم نقشی ز چشم مست بست | چون نظر افگند بر محراب ابرو دست بست

خاکم تمام سوخت بجای رساندنی ست | این مشت تخم لاله بباغی فشاندنی ست

شب که یاد ماه سیمائی دلم اندیشه داشت | ریخت هر اشکی که از چشم پری در شیشه داشت

آن مسی مالیده دندان آفت جان بوده است | در چشم بر سر داغم نمکها سوده است

سرفراز آن جهان باشد ذلیل این جهان | حرف خشم صفحهٔ تاج صفحهٔ آینده است

گر نداری نظر رحم بمن بر خود کن | مشکن ای جان دل آباد که این خانهٔ تست

دوش مارا کرد بسمل چادر کوتاه او | می کشید از حیا هر سو نمی آمد درست

زده ام بر سر جهان پاپوش | بی سبب این برهنه پائی نیست

ز تصویر چشم مے توان یافت | که این عالم نمودار است و هیچ است

عروج بیخبران است مایهٔ وحشت | نمی رسند بهم هر دو شاه در شطرنج

می پرست من نه از پیر مغان گیرد قدح | از کف آن نوجوان مهربان گیرد قدح

کار دانا نیست در ایام غم ناخوش شدن | وقت نرگس خوش که در فصل خزان گیرد قدح

تراز پرتو رخسار خود گریبان سرخ | مرا ز دیدهٔ تر آستین و دامان سرخ

فتاده است بزنجیر آتشین کارم | که زلف اوشده از چهرهٔ درخشان سرخ

کسی چه رنگ اقامت درین زمین ریزد | نشد ز آبلهٔ خار این بیابان سرخ

وجود اهل کمال است زینت هر شهر | ز فیض لعل بود چهرهٔ بدخشان سرخ

سرکشی سرمایهٔ نقصان دولت می شود — نیشکر را بند بالا کم حلاوت می شود
ناتوانی خلق خوش را با عبادت جمع کن — سبحهٔ صندل ز صندل بیش قیمت می شود

چشم بیباک تو بسیار سیه کار افتاد — آن قدر باده کشی کرد که بیمار افتاد
می شناسد نگهش بسمل خود را از دور — حیرتم گشت که این مست چه هشیار افتاد
یاد پرواز بگردِ دل او پر نزند — عندلیبی که بدام تو گرفتار افتاد

در بیابانِ جنون گرم فغانم کردند — جرسِ قافلهٔ ریگ روانم کردند
مایهٔ عمر اگر هست برای سخن است — شمع سان پیکر من صرفِ زبانم کردند

خانه آرایانِ دنیا کار بیجا کرده اند — از کتانها خیمه در مهتاب برپا کرده اند
بی دماغیهای آن گل را نمی دانم سبب — عندلیبانِ چمن شاید که ایما کرده اند

تشنهٔ خونِ چمن قابلِ کشتن باشد — که گلِ چیده ز گلبن سرِ بی تن باشد
گرچه از صلب قلم نامه شود آبستن — در قبولِ سخن شوق سترون باشد
آهوان را روشِ ناز که آموخته است — حسن بی ساخته آزاد چه احسن باشد

روزی که قضا فرصتِ عمر شررم داد — تا چشم کنم باز نوید سفرم داد
نقشی ست عجب دائره هندی خطش — کز سایه خورشید جمالش خبرم داد
والله که من قابلِ پرواز نبودم — دل گرمی آن شمع وفا بال و پرم داد

دوش صد دست دعا در پیِ خم موی تو بود — لیلة القدری که می گویند گیسوی تو بود
شب ز نا آوازِ پا دزدیدنت سودی نداشت — نکهتِ گل فاش از خاکِ سر کوی تو بود

نقش حسن روز افزونت ترا مانی کشید — ساختی نگذشته تا دیدم پشیمانی کشید
می توان وحشی مزاجان را بجرئی رام کرد — خامهٔ مو دامنِ خوبان به آسانی کشید

هر که چون نرگسِ خوبان در میخانه زند — می و ساغر همه خود گردد و پیمانه زند
حسن در زینتِ خود صرفهٔ عاشق نکند — شمع در جبههٔ زرین پرِ پروانه زند

سر گیسوی تو گردم بتو نقصانی نیست — دستِ آزاد اگر زلفِ ترا شانه زند

خط بر رُخِ زیبا نه پسندید بجا کرد — این صفحه غلط بود تراشید بجا کرد

خط روشنیِ حُسن ترا بود حجابے — مقراض گل از شمعِ تو بر چید بجا کرد

شکوهِ خال بروی حبیب باید دید — ستاره سوخته خوش نصیب باید دید

شب که ساقی مجلس آرا بر کنارِ آب بود — دخترِ رز جلوه گر در چادرِ مهتاب بود

به پیشِ پای قاصد نامه افگندن ادا دارد — که دستی خاکساری در وصولِ مدعا دارد

نقش و نگارِ دُنیا سیرِ بهشت دارد — اما چو پای طاؤس انجام زشت دارد

خطِّ مشکین خالِ رخسارِ ترا بر سر رسید — فوجِ هندُستان به تسخیرِ ملکِ عنبر رسید

مردم سر حلقه را حرص فزون تر بود — مقری تسبیح را رشته مکرر بود

این دلِ نو عشق یاد چشم دلبر می کند — طفلِ نو آموز درسِ صاد از بر می کند

شب از عتاب نرگسِ او دل دو نیم بود — بستم لب از سخن که مخاطب سقیم بود

مرا بحالتِ فقر آسمان نمے پرسد — که تیر ریخته پر را کمان نمے پرسد

دل در برِ من چه سان نشیند — او پهلوی دل ستان نشیند

فراهم گشت سامانِ بلا طرح قیامت شد — قیامت بر زمین یک سرو قد بالیده قامت شد

خبر رساند عزیزی غرور یار نماند — بگفتمش که درست است گفت خط آمد

چون دو یکدل که در آئینه بهم جلوه کنند — صحبتِ ما و تو صد حیف دمے بیش نبود

مرا به عربده کشتی و باز آمدهٔ — فدای ناز تو گردم دگر چه خواهی کرد

بیک کرشمه عجب ناخنی بدل زدهٔ — هنوز ماه نوی پیشتر چه خواهی کرد

حذر ز آفتِ ممنونِ خویش باید کرد — که آفتاب ز بیداد ماه مے گردد

مرا ز قبله نما این سخن یقین گردید — که خضرِ راه شود سنگ گر خدا خواهد

مرا آزاد وضعِ پرتوِ خورشید خوش آمد — سحر گر بر زمین مے نشیند شام بر خیزد

زمانه جلوه کند هر نفس بحالِ دگر پیاله نوش و مکش انتظار سالِ دگر

قدِ تو نشو و نما کرد در دلِ خوبان چون آن نهال که روئیده در نهالِ دگر

چه باغبانیِ دلخواه کرد دخترِ رز که داد آن گلِ سیراب را جمالِ دگر

زن بود در زبانِ هندی نار وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

همتِ والایِ زلفِ او تماشا کردنی ست در پریشانی چه خورسند است از عمرِ دراز

در رکابِ محملِ معشوق خاموشیم و بس ناتوانان از کجا یابند فریادِ جرس

این چنین صیّادِ ظالم هیچ مظلومے ندید وقت گل پوشید از برگِ خزان روی قفس

مرا در اضطرابِ طرفه دارد تندیِ خویش که همچون شاخ آهو پیچ و تابی خورده ابرویش

بقربانت روم پایِ تو بوسم مرحبا ای دل که می آئی ز سیرِ لیلة المعراج گیسویش

زدم بر دست او گر بوسهٔ گستاخ معذورم مرا تعلیم شوخی می دهد تعویذ بازویش

چه می پرسی ز حالِ نسخهٔ دل چیست تحریرش کتابی در بغل دارم که قرآن است تفسیرش

ز ابروی تو می آید گرفتن کشورِ دل را نه هر صاحبقرانی مے تواند کرد تسخیرش

درین صحرا اسیرِ شورافگنی مجنونِ ما دارد توان واکرد قربانت شوم یکبار زنجیرش

سعادتمند بیند زلفِ مشکینِ تو در رویا که چون در خواب آید اژدها گنج است تعبیرش

ز قاتل نیست امیدِ رهائی جانِ شیرین را که می آرد برون مانند طوطی بال شمشیرش

هلاکِ چیرهٔم از شوخیِ ناز آفرین طفلے کند صد رنگ بازی در زمینِ صفحه تصویرش

مسرت گردم شنو از قاصدِ آزاد پیغامے چه مضمونها که ظاهر می شود از طورِ تقریرش

اشکِ بیتابم کند در دیده صبح و شام رقص می کند این طفلِ نادان بر کنارِ بام رقص

گرد بادم کارِ من دیوانگی آشفتگی است می کنم یکدست از آغاز تا انجام رقص

دُرِ غلطان وجد در گردِ یتیمی مے کند کار روشن دل بود در کلفتِ ایام رقص

نسبتِ تام است با طاؤس نخچیرِ ترا بال افشان می کند در حلقه‌های دام رقص

حالِ منِ درویش به سلطان که کند عرض | از مور پیامی به سلیمان که کند عرض
در کوچهٔ این شهر مرا تنگ گرفتند | بیتابیِ مجنون به بیابان که کند عرض
عمریست که یک خانه نشد قسمتِ پایم | حرمانِ غریبی به مغیلان که کند عرض
از دل شکنی حالتِ ظالم شود ابتر | این حرف بآن زلف پریشان که کند عرض
آزاد ازین باغ نچیند گلِ رعنا | یکرنگیِ او را به عزیزان که کند عرض

در عاشقی ز یار ادا کرده ایم شرط | خود را بخون نشانده حنا کرده ایم شرط

بر روی یار طرهٔ ممتاز کن لحاظ | بسم اللهِ صحیفهٔ اعجاز کن لحاظ
در خاک رفت و چهرهٔ آسودگی ندید | انجام کار گریهٔ غمّاز کن لحاظ
مردان ز خاک هم خبرِ آسمان دهند | فالِ کلام حافظِ شیراز کن لحاظ

سخن روشنگرِ آئینهٔ جان است در واقع | چراغِ مشهدِ طوطی نوایان است در واقع
نظر کن صبحِ نوروزی که گفتند روز عاشورا | نشاط و غم بهم دست و گریبان است در واقع
برهمن از درِ بتخانه بیجا کام می جوید | بجای خویش بت هم سخت حیران است در واقع
گل مغرور را گلچینِ منصف سر برید آخر | نگاهِ عجزِ بلبل تیغِ عریان است در واقع

ز خالِ گوشهٔ آن چشم سخت می ترسم | که هندوئی شده با کافرِ فرنگ رفیق

کسی چگونه شود آشنایِ نشئهٔ تاک | غذائی دوزخیان است آبِ آتشناک

دل از خیالِ مهوشان بکشد سامان در بغل | این شیشه باشد دیدنی دارد چراغان در بغل
روزِ قیامت هر کسی در دست گیرد نامهٔ | من نیز حاضر می شوم تصویرِ جانان در بغل
تا وا کند بادِ صبا فالی برایِ مقدمت | آمد بگلشن شاخِ گل از غنچه قرآن در بغل
شهرِ نکویان دیده ام خوانند درسِ حسنِ خود | جای کتاب آئینه هر طفلِ دبستان در بغل
از دستِ موجِ اولین بی طاقتیها می کنی | دارد حبابِ آسمان بسیار طوفان در بغل
از سردیِ طبعِ جهان وا ماند خلق از کارها | گیرند مردم دستها فصلِ زمستان در بغل

آزاد با این درد دل آرد اگر رو در چمن   پوشیده قمری را کند سرو خرامان در بغل

در عدم از جلوهٔ حسنت خبر می داشتم   دیده را محو تماشای کمر می داشتم
کرد آخر ناتوانیها ز صیادم خجل   می پریدم تا قفس گر بال و پر می داشتم
تحفهٔ شایستهٔ احباب از اقلیم فقر   گر نه این دست دعا بودی چه بر می داشتم
از کمان بخت کج هر جا خدنگی سر کشید   پیش رو از مهر خاموشی سپر می داشتم
خاکساری صندلی مالید بر پیشانیم   ورنه از سودای رفعت درد سر می داشتم
حسن او تا دیده شور عشق در سر داشتم   از عدم مانند گوهر دیدهٔ تر داشتم
هر کسی برداشت چیزی را از اسباب جهان   من ازین دنیای فانی دست را برداشتم
نامهٔ سوزم مرا حاجت بوا کردن نشد   داغ صد طاؤس بر بال کبوتر داشتم

دامان وحشتی ز جهان بر کمر زدم   چون بوی گل شکسته قفس بال و پر زدم
تا آمدم چو غنچهٔ نرگس درین چمن   چشمی کشادم و گل حیرت بسر زدم

بیاد چشم او در انجمن دیوانه گردیدم   ز جا برخاستم گرد سر پیمانه گردیدم
به پیش غیر با من نامناسب دید آمیزش   ز انداز نگاهی یافتم بیگانه گردیدم
کجا در بزم من آن شمع بی پروا قدا فرازد   خیالش در نظر آوردم و پروانه گردیدم

چو سایه در قدم سرو سرفراز توام   مرید سلسلهٔ گیسوی دراز توام
من از جناب تو دست حمایتی خواهم   چراغ سوختهٔ داغ جانگداز توام
نگاه تست به آزاد بیش از دگران   غلام معتقد حسن امتیاز توام

شبی که گم شده آن آفتاب از نظرم   ز اشک ریزی مژگان ستاره می شمرم
ز من جدا شده دل رفته در پی دوش   ازین مسافر راه عدم نشد خبرم
تو آفتابی و من ماه بی نصیب محاق   بیا درین دو سه شب بی تو داغ شد جگرم

شب چهل است گر دانش گشادی راه بیدارم   چه باید کرد افتاد است با طفلی سروکارم

دریدپردهٔ حیرت سرشک بیتابم　　زپشت آینه بر رو دوید سیمابم

شود چو تیغ به میدان اصالتم روشن　　اگر حریف شود سنگ رو نمی تابم

یار را دیدنِ من در عرقِ شرم نشاند　　از نگاهِ غلطِ خویش پشیمان گشتم

حقوقِ بندهٔ صاحب وفا رعایت کن　　تصدقِ سرِ خود بوسهٔ عنایت کن

غریب شهر توام دردِ من تو می دانی　　اگر دوا نکنی نوبتی عیادت کن

امیدوار گرفتاریم درین صحرا　　ز دام جذبهٔ خود حلقهٔ کرامت کن

گره ز ابروی خود وا نکرد قاتلِ من　　شهید این دو کمان مهره است بسملِ من

چو شیشه که دران نرگس از هنر سازند　　خیال چشم کسی جا گرفت در دلِ من

حباب خوش منشم مے زنیم بوضع صفا　　ز آب صرف بنا کرده اند منزلِ من

بحال مجلسیان طرفه گرم دلسوزی ست　　خدا زیاده کند عمر شمع محفلِ من

سیرِ حسنِ آن ذقن با زلف عنبر فام کن　　سایهٔ و چاه است ای دل اندکی آرام کن

می رسد از خانهٔ آئینه سرشارِ جنون　　این پری از سایهٔ خود شد گرفتارِ جنون

تیغِ تو سینه را کرد افگار تا بگردن　　این آب کرد طغیان یکبار تا بگردن

همچون نگین نباشد فارغ ز دل خراشی　　در زر اگر نشیند زر دار تا بگردن

نگردد محو از لوحِ جهان حرفِ ثباتِ من　　که باشد در دمِ تیغ قلم آبِ حیاتِ من

دلِ آن شوخ شاعرپیشه آخر سوخت بر حالم　　که انشا کرد بعد از مرگ تاریخِ وفاتِ من

بدامانِ کسی جز دامنِ خود جا نمی گیرد　　برنگِ جوهرِ آئینه گر خیزد غبارِ من

تنها چو برق تا در مطلب دویده رو　　بی انتظار قافله در خون طپیده رو

لازم بود زکوٰة مغیلان درین طریق　　از خارهای بادیه دامن بچیده رو

نه از خلخال زرین زیور آن سروِ سهی کرده　　بپایش بوسه زد خورشید و قالب را تهی کرده

بزرگ و خورد جهان است در نیاز یکی　　که هست شاه و گدا در صفِ نماز یکی

نوای نی نوازی بر دل من زخم زد کاری — نهان در پردهٔ نی ناخن شیر است پنداری

سر دنبالهٔ چشم تو دارد خال موزونی — کمر بستند با تار سیه تعویذ بیماری

به پشتی کار گیرد از صف برگشتهٔ مژگان — توان آموخت از چشم بتان آئین سرداری

دل آزاد را خشم بتان غمگین نمی سازد — نگردد در هوای آتشین آئینه زنگاری

آئینه وار تصفیه گر آرزو کنی — دل را ز آب دیدهٔ خود شست و شو کنی

گفتم باو - چرا شکنی دل - جواب داد — در ملک من ترا نرسد گفتگو کنی

زیبد ترا اگر به لباس برهنگی — از نقش بوریای قناعت رفو کنی

آزاد پیر میکده ارشاد می کند — دریای خم نشینی و می در سبو کنی

دلربا پا به ویرانهٔ ما می آئی — می توان یافت که از شهر وفا می آئی

طرز شوخی نگذارد که نشینی یکجا — به تماشای چمن پا بحنا می آئی

می توان ریخت عبیری ز غبار دامن — گر به گلگشت مزار شهدا می آئی

بر سر مشهد آزاد شنیدم امروز — که تو می آئی و بسیار بجا می آئی

نیست در ربط دلی حاجت قرب بدنی — تشنهٔ دشت عقیق است سهیل یمنی

داد آزاد گهرها قلم واسطی را — هست رسم شرفا پاس حق هموطنی

نمود جلوهٔ اعجاز شمع مطلبی — نماند شوخی چشم شرار بولهبی

فدای خاصیت وادی عقیق شوم — که کرد ریگ روانش علاج تشنه لبی

زیارت تو کند آفتاب هر شب قدر — رود صباح جلو ریز جانب غربی

ز بسکه ذوق شکست تو داشت ساغر ماه — گرفت رنگ نزاکت ز شیشهٔ حلبی

خوش است حسن تقاضا ز باغبان کریم — نصیب ذائقه ام کن حلاوت رطبی

بآفتاب نبوت رسانده ایم نسب — توان ز ذرهٔ ما دید نور خوش نسبی

بملک هند چو من نیست طوطی آزاد — که کرد تربیت من شکر لب عربی

سلطانِ رسل شمع شبستانِ یقین — پروانۂ او چراغ ماه و پروین
نخلِ قدِ او درین چمن سایه فگند — برق جهانیان نه بر روی زمین

(۱۲۳) یوسف - میر محمد یوسف سلمه الله تعالی

بن سید محمد اشرف الحسینی الواسطی البلگرامی - ولادت او بیست و یکم شوال روز دوشنبه سنه ست عشر و مائة و الف (۱۱۱۶) دست داد

مشارٌ الیه سابق و اسطۂ العقد فضلاست و حالا بیت الغزل شعرا - صاحب شان عالی است - و عزیز مصر صاحب کمالی - زلیخای دانش را در پیرانه سری به خلعت جوانی نواخته - و حاصل زراعت علم را در ایام قحط سالی بچه مرتبه ارزان ساخته - طبع دقیقش نشتر عروق اشکالات - قوت حافظه اش پرپخانۂ فراوان معلومات - عمل که ثمرۂ شجرۂ علم است سرمایۂ بوستانش - و حسن خلق که گل سرسبد آدمیت است پیرایۂ گلستانش

من شکسته بال و میر صاحب کمال دخترزادهای حضرت علامی میر عبد الجلیل بلگرامی ایم نوّر الله ضریحه - و از تباشیر ایام زندگانی تا اواسط هنگام جوانی درس آموز یک دبستان - و عندلیب یک گلستانیم - کتب درسی از بدایت تا نهایت بجناب استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی روّح الله روحه گذرانیدیم - و لغت و حدیث و سیر نبوی در خدمت علامۂ بے بدیل میر عبد الجلیل اجله الله تعالی بسند رسانیدیم و عروض و قافیه و بعض فنون ادب از خدمت میر سید محمد سلمه الله تعالی اخذ نمودیم -

طریق تحصیل چنین بود که پیوسته در کتاب یا کتابی و احد از دو مقام بسماعت و قرائت یکدیگر مے خواندیم - و شبے پیشے در مضمار تحصیل می راندیم اگر احیاناً یکی را عارضه رو می داد سبق دیگری در معرض توقف مے افتاد - و در وقت اقامت وطن و کسب علوم چندی اوقات در افادۂ طلبه نیز صرف گردید -

میر محمد یوسف در سنہ سبع وخمسین و مائة و الف (۱۱۵۷) در دار الخلافہ شاہجہان آباد از بعض فضلاء آن بلدہ علوم ریاضی ہیئت و ہندسہ و حساب و غیرہا خواندہ قدرتی عالی در فنون ریاضی بہم رسانند۔

و بہ ارادت سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہٗ استسعاد یافتہ ہموارہ بطاعت و عبادت و بمطالعہ و مباحثہ کتاب می گذراند۔ و با وصف شواغل معاش تعمیر اوقات از دست نمے داد۔

و میر کتابی تالیف نمودہ باسم "الفرع الثابت من الاصل الثابت" مشتمل بر چہار اصل و خاتمہ در تحقیق مسئلہ توحید کہ تحریرش بسیار متین و لطیف واقع شدہ و مطالب بلند و مقاصد ارجمند فراہم آوردہ شکر اللہ سعیہٗ۔ راقم الحروف در تاریخ اتمام این کتاب گوید ؂

میر یوسف عزیز مصر کمال	از خم معرفت کشید رحیق
کرد در وحدت شہود رقم	نسخۂ تازۂ بہ فکر عمیق
از احادیث و از کلام اللہ	کرد اثبات حق زہی توفیق
ہست این نقش دلنشین الحق	یادگاری ز خامۂ تدقیق
سال تالیف این کتاب خرد	گفت ۔ شمع مجالس تحقیق

اکنون سروستان اشعار موزونش بالیدنے دارد۔ و نسائم انفاس ہمایونش خرامیدنے ؂

ز جام مہر اوداہیچ بد مستی ما	بقدر وصل شود محو یار ہستی ما
برنگ نقش نگین از فروتنی آخر	چہ نامہا کہ برآوردہ است پستی ما
ز طرف دامن پاک تو کامیاب نشد	بخواب ہمچو زلیخا درازدستی ما
ہمین کہ چشم کشودیم صبح چون شبنم	ز آفتاب رخت رنگ باخت ہستی ما

دلم ز عرض تحمل ملول شد یوسف   غبار آینه گردید خود پرستیِ ما

از نالهٔ ما در دلِ جانان اثری هست   پیوند سرِ رشتهٔ ما یا گهری هست
ای گل خبر از بلبل بیچاره چه پرسی   افتاده به کنج قفسی بال و پری هست
قمری به سرِ تربتِ من گرم فغان است   بسمل شدهٔ قدِّ ترا نوحه گری هست
گر نیست نشانی ز دلِ سوختهٔ من   شادم که درین راه مرا چشم تری هست
سوزد جگرم از اثرِ گرمی آهش   دانم که به خاکسترِ قمری شرری هست
پیغامِ من و بادِ صبا این چه خیال است   در کوی تو از آه مرا نامه بری هست
زندانیِ چاهِ ذقن از خود شده یوسف   داند که ترا نیز بحالش نظری هست

مانند شمع از همه آزاده می رویم   صد جاده سوختیم و بیک جاده می رویم
صورت نه بست در دلِ ما نقش هیچکس   آئینه وار از دو جهان ساده می رویم
در شاهراه عشق نداریم کاهلی   چون شمع در مقام خود استاده می رویم
در دور چشم یار شکستیم توبه را   بیرون ز دام سبحه و سجاده می رویم
در راه شوق تا سر کوی تو عمرهاست   بی دست و پا چو جادهٔ افتاده می رویم
پست و بلند راه ندانیم همچو سیل   یوسف عنان خویش ز کف داده می رویم

از تواضع رتبهٔ صاحب کلاهی یافتم   یوسفم از بندگی اقبال شاهی یافتم
تا تغافل کرد دیدم سیر آن طنّاز را   التفاتِ چشم او در کم نگاهی یافتم
دیده ام دریای شورِ عشق را ساحل نداشت   کشتیِ خود را درین دریا تباهی یافتم
نامهٔ اعمالِ خود یک عمر یوسف خوانده ام   حرف انجامش همین لطفِ الهی یافتم

رباعی

ای در چمنِ پیمبران تازه گلی   در محفل ساکنانِ لاهوت مُلی
یوسف نتواند که کند نعت ترا   آغاز دو عالمی و ختم رُسُلی

شاهی که لباس نور پیرایهٔ اوست — خورشید و قمر بهره ور از مایهٔ اوست
هرچند که ذات پاک او سایه نداشت — اما دو جهان غنوده در سایهٔ اوست

گر مهر رخ تو جلوه پیرا نشدی — یک ذره ز کائنات پیدا نشدی
در نقطهٔ نور نگشتی مرکز — نه دائرهٔ فلک هویدا نشدی

خود شافع محشر است شاهِ مردان — این حرف بسان آفتاب است عیان
زان رو که عبادت است دیدن او را — چشمی بکشا بروی شیر یزدان

دریاب بهارِ گل و ریحان نبی — سبطین کریمین دل و جان نبی
سرمایهٔ کونین ازینها بر گیر — کین لعل و زمرد اند از کان نبی

وقتی این غزل به مشارٌ الیه فرستادم ؎

جان می طلبد لقای یوسف — دل می طپد از برای یوسف
ای باد صبا نوازشی کن — از نکهت جان فزای یوسف
آزادم و بوده ام گرفتار — در سلسلهٔ هوای یوسف
از دیدهٔ شوق تکمه سازم — وز پردهٔ دل قبای یوسف
گیرند بسر خاکِ راهش — چشم من و خاکپای یوسف
مصر دلِ من همیشه آباد — از جلوهٔ دلکشای یوسف
هم عمر برادر شفیقم — از حق طلبم بقای یوسف
بازار محبت است اینجا — نقدِ دلِ من بهای یوسف
او قدر شناس بنده آزاد — من شیفتهٔ ادای یوسف

مشارٌ الیه در جواب این غزل طرح کرده ارسال فرمود ؎

سلطان جهان گدای آزاد — جم مرتبه بینوای آزاد
پهلو ز کنار من تهی کرد — این دل که شد آشنای آزاد

شوریده ببسانِ تمریم کرد — سروِ قدِ دلربای آزاد
گل را بچمن نمی توان دید — بی چهرهٔ دلکشای آزاد
چون سرمه جلای دیدهٔ من — گردِ سُمِ بادپای آزاد
از طوف مدینه آبرویش — وز دولت حج صفای آزاد
یک عمره بنام من اداکرد — یک عمر کنم دُعای آزاد
گرجمله زبان شوم چو سوسن — دشوار ز من ثنای آزاد
آزاد شفیق بنده یوسف — من در گرو هوای آزاد

وایضاً این غزل به فقیر تحریر نمود ؎

تا دلم از رهِ تو دُور اُفتاد — چون جرس از فغان ندارد یاد
سنگ را آب کرد گریهٔ من — کوه را داد ناله ام برباد
دلِ من قمری است زمزمه سنج — سرو موزونِ من قدِ آزاد
که رساند غبار من به درش — کاش بادِ صبا کند امداد
او غلام علی و خاکِ درش — یوسفِ ما عزیز مصر و داد
نام او بر عقیق دل کندم — این نگین را چه خوب نقش اُفتاد
به که بر دوستان بیان سازم — ربط او را برائے استشهاد
من واوئیم از ازل تو ام — سنهٔ ما یکے ست در میلاد
هردو بودیم موردِ یک فیض — درس خواندیم پیشِ یک استاد
وقت تحصیلِ ما به بیضاوی — مشترک بود کسب استعداد
چون کمر بست جانب حرمین — بهره اندوز شد ز خاکِ مراد
سعی یک عمره کرد از پیِ من — دلِ او باد از صفا آباد
چه توان کرد شرح احسانش — جز دُعا در جناب ربِّ عباد

در جهان یاد چون تخلص خود — یارب از قید این و آن آزاد

(۱۲۴) علامہ میر غلام نبی بلگرامی

بن سید محمد باقر بن سید عبد الحمید از اولاد سید محمود اکبر بلگرامی است قدس سرہ کہ در فصل فقرا از دفتر اوّل مذکور شد۔

تولّد میر غلام نبی دوم محرم مکرم سنہ احدی عشر و مائۃ و الف (۱۱۱۱) دست داد و او ہمشیرہ زادۂ علامی میر عبد الجلیل بلگرامی است نَوَّرَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ۔ ہر گاہ خبر تولّد او بہ علامہ مسطور کہ با خلد مکان در نواحی قلعہ ستارہ تشریف داشت۔ رسید حضرت علامی خواست کہ تاریخ تولّد او ضبط نماید۔ در ہمین فکر خواب برد۔ در عالم رویا صورت مولود را دید کہ می گوید ع نور چشم باقر عبد الحمیدم

بعد بیدار شدن چون عدد مصراع بشمار رسید تاریخ کامل بر آمد۔ سہ مصراع دیگر فراہم آوردہ قطعہ در بحر رمل مسدس سالم کہ سہ بار فاعلاتن باشد نظم کرد کہ ؎

نور چشم میر باقر گفت با من — چون گل خورشید در عالم دمیدم
سال تاریخ تولد خود بگفتم — نور چشم باقر عبد الحمیدم ۱۱۱۱

و بہ مردم بلگرام قلمی فرمود کہ این مولود مسعود شاعر خواہد شد۔ آخر نوعی کہ از زبان شریف بر آمدہ بود بظہور رسید۔

مشارٌ الیہ در صفای ذکا و علو فطرت و انواع قابلیت یکتای زمان بود و در فنون عربی و فارسی و ہندی ممتاز اقران تحصیل علمی تمام در خدمت استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طابَ ثراہُ نمود۔

و سلیقۂ او با ترتیب نظم نہایت مناسب افتادہ سیما شعر ہندی کہ درین فن کوس یکتائی می نواخت۔ و طوطیان ہند را دوچار آئینۂ حیرت ساخت۔ برخی از نورستان

حدیقۂ طبعش در فصل ثانی جلوہ می کند

ونیز در موسیقی وساز ہندی نقش مہارت می زد۔ با این ہمہ ہنر ہا در میدان شجاعت دلیر بود۔ ودر فن تیر اندازی بی نظیر۔

پایان عمر در رفقاء نواب صفدر جنگ وزیر انتظام داشت ودر جنگی کہ نواب وزیر را با افاغنہ[1] پیش آمد میر غلام نبی در معرکہ مفقود گردید۔ وچون عنقا بسر منزل بے نشانی آرامش گزید۔ واین سانحہ بیست ودوم شوال سنہ ثلث وستین ومائۃ والف (۱۱۶۳) مابین بیتالی وسہاور از توابع اکبر آباد واقع شد محرر کتاب گوید ؎

وحید زمان سید خوش سخن | بہ فردوس مے زد ز جام نبی
قلم گریہ سر کردہ تاریخ او | رقم کرد "ہی ہی غلام نبی"

فیمابین میر وفقیر محبت تام بود وسالہا در بلگرام وشاہجہان آباد والہ آباد ہم صحبت بودیم۔ حیف کہ این چنین ہم جنس صاحب کمال ازین عالم رحلت کرد وانجمن یاران را بی حلاوت ساخت۔

میرزا جانجانان مظہر سلمہ اللہ تعالیٰ فن شعر ہندی از میر غلام نبی اخذ نمود۔

این چند بیت فارسی یادگار اوست ؎

ہمیشہ در دل خود یاد زلف او دارم | فسونگرم کہ چنین مار در سبو دارم
از خرام او دمی بر خویشتن وا می کنم | عالم بالا درین عالم تماشا می کنم
آخر از تیرگی بخت نگین کام گرفت | کہ ز لعل لب او بوسہ بہ پیغام گرفت
بسکہ شد آغوش پستی منزل آرام من | چون نگین در موم ہم بالا نگردد نام من
ہمرہ خود این رقیب بدرگ آوردی چرا | من نہ آن صیدم کہ گیرندم سگ آوردی چرا

[1] مآثر الامرا جلد ا صفحہ ۳۶۴ تذکرہ صفدر جنگ۔

خط ز زلفِ تو رُخ بزور گرفت　　جای مار این هجوم مور گرفت

تا نمک ریخت بر جراحتِ من　　لبِ شیرینِ یار شور گرفت

در چمن چون گل نباشد آشنای عندلیب　　گر نهد دل زر برآرد از برای عندلیب

در چمن گل بر کفِ خود زعفران آورده است　　تا بدل با خنده سازد گریه‌های عندلیب

دوزخِ عشاق باشد بی رخِ جانان بهشت　　باغ بی گل می‌شود ماتم‌سرای عندلیب

داد از دستِ نگاهِ تو که هنگام وصال　　چون تغافل دهد از دست حیا ساز کند

رباعی

آنها که براه بی‌هراسی شده اند　　در خلق علم بحق‌شناسی شده اند

دریاب که این خدا فروشانِ جهان　　در ترک لباس خوش‌لباسی شده اند

(۱۲۵) عجیب سید قریش بلگرامی

از احفاد سید بدر الدین جد القبیله یکی از قبائل اربعه محله سیدواره و برادر خالزادهٔ حقیقی حبر جلیل میر عبد الجلیل است۔

خوش خلق و ظریف بود۔ و سلیقهٔ نظمی داشت۔ در مدح سیدی می‌گوید ؎

گل همان به که ز گلزار پیمبر باشد　　مل همان به که ز میخانهٔ کوثر باشد

گوهر آن نیست که از قطرهٔ نیسان زاید　　گوهر آن ست که از معدنِ حیدر باشد

ای خوشا تازه نهالی که به بستان شرف　　دست پروردهٔ زهرای مطهر باشد

آنکه از جبههٔ او نور سیادت پیداست　　عالم افروز تر از نیرِ اکبر باشد

در زمینی که بخندد گلِ خُلقِ حسنش　　هر کفِ خاک بخاصیتِ عنبر باشد

چشم بد دور ز سیمای حسینی نسبی　　چمن آرای جهان این گلِ احمر باشد

مدح او را نتوان در قلم آورد عجیب　　زانکه از حوصلهٔ خامه فزون تر باشد

او اخر ایام زندگانی همراه نواب مبارز الملک سربلند خان تونی - جانب گجرات احمد آباد رفت و در آنجا این بیت فارسی و هندی آمیز از طبعش سرزد

اندکی ایڑ گر زنم به سمند — ٹیلۂ هفت آسمان ٹپ جائے

قضارا بر طبق مضمون بیت در سنہ اربعین و مائۃ و الف (۱۱۴۰) خود با اسپ غائب گردید و نوعی توسن را جلوریز ساخت که گردی از هیچ جا برنخاست - عمرش قریب به شصت سال بود - رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۲۶) بیخبر - میر عظمت اللہ بلگرامی

خلف الصدق سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی قدس اللہ اسرارہما گلهای مناقب والا از چمن اوّل باید چید - و روائحی که مشام ملأ اعلی را معطر ساز د باید شنید -

میر بی نظیر از عرفاء شعراست - و از صوفیۂ صاحب لسان - و در ادای حقائق و معارف ممتاز زمان - طرز کلامش به نمکینی ادای خوبان و انداز بیانش به دلنشینی عشوۂ محبوبان - نکهت خلقش سرمایۂ ختنها - و رنگینی صحبتش ساز و برگ چمنها - خاص و عام راغب مجلس خاص بودند - و در خور استعداد طرفی می بستند -

بیخبر تخلص بجامی کرد که با خبر بیخبر بود - و بر قول حضرت لسان الغیب عمل می فرمود که ؎

مصلحت نیست که از پرده برون افتد راز — ورنه در مجلس رندان خبری نیست که نیست

و او را با میرزا عبد القادر بیدل ملاقات است - در تذکرۂ خود مسمّی به "سفینۂ بیخبر" مجلس خود را با میرزا بیدل ذکر کرده - در ینجا کلام او نقل کرده میشود :-

"فقیر را که اتفاق دید و ا دید ایشان افتاد۔ حقا که درکمال خلق و مزه و درد و شوق یافتم۔ تا که
"نشسته بودم سوای اشعار مقتضی شوق و فقر دیگر حرف بر زبان نراند۔ بنده گفتم ضیافت طبع فقیر
"می فرمایند گفت ای صاحب بعد مدتی ہمچو شما ہمرنگ را غنیمت یافته ایم۔ بعد ازان این
"سه بیت فقیر که در ذکر بمقام خود ہا خوانده شد نقل گرفته برخاسته رخصت فرمود۔ ابیات اگرچه
"قابل ایراد اینجا نیست اما بجهت اتمام تقریب نوشته می شود ؎

"این قدر ہرزه چپ و راست دویدن عبث است — چاک کن سینهٔ خود را سر راهی دریاب
"بلند افتد چو مقطع پست سازد حسن مطلع را — کشد پائین محفل قدر من بالانشینان را
" خون شدم ہیچ بجز دست تهی — جامهٔ فقر رنگ باید کرد

"برین بیت عزیزی گفت میرزا صاحب حسن این شعر معلوم نشد۔ میرزا فرمود۔ در فقر
"مرتبه ایست تا خدا کرا نصیب کند۔ مجملاً شرح آن این مصراع بیجبر است که ع
" دولت پاینده در دست تهی ست

"و آنچه میرزا از اشعار خود به تقریبها خواند تا کجا در خاطر باشد اما این دو بیت بیاد می
"آید ؎

"بیدل همه تن خاک شدی لیک چه حاصل — در خاک نشستی و بران در ننشستی
"گویند بهشت جای خوبی ست — آنجا هم اگر دماغ باشد

"و این بیت خاقانی هم خوانده بود ؎

"همسایه شنید ناله ام گفت — خاقانی را دگر شب آمد انتهی

در سنه اربع و ثلثین و مائة و الف (۱۱۳۴) میر و فقیر از بلگرام تا شاهجهان آباد
ہمسفر بودیم و چون کواکب سیاره بشرکت گردون راه پیمودیم۔ تمام راه بحظ دلخواه گذشت
این چنین سفر بمراتب بر حضر رجحان دارد۔
تحدی نقل فرمود که هرگاه این مطلع از من سرزد ؎

از صفِ مژگان خونریزش نگاه آید برون ‏ ‏ چون سوارِ یکّه تازی کز سپاه آمد برون

شخصی که خود را شاعر می گرفت مطلعی در جواب انشا کرد۔ چون مطلع او از معنی معرا بود یاران گفتند که لطفِ مطلع بیجبر خود ظاهر است اما لطفِ مطلع شما مفهوم نمی شود۔ جواب داد که هنوز لطف گذاشتن باقی ست۔

میر خطِ شکسته بسیار نادر و دلپذیر می نوشت۔ و در موسیقی هم فهم رسائی داشت۔

کلیاتش اقسام نظم قریب هفت هزار بیت است۔ از دیوانش این اشعار بترتیب ردیف صورت تحریر می پذیرد

بهائی نیست غیر از نقدِ تحسین شعرِ موزون را ‏ ‏ مده هرگز بجوهر ناشناس این درِ مکنون را

نباشد این قدر آسان بتحقیق سخن رفتن ‏ ‏ خدا رس می شود هر کس رسد اندازِ مضمون را

مکن جمع آن قدر دولت که گردد بار بر دوشت ‏ ‏ فرو سنگینیِ زر برد زیر خاک قارون را

مکن ای صبح ضائع بر جبینش صندلِ خود را ‏ ‏ که دورانِ سر از دودِ دلِ خلق است گردون را

انیسِ دخترِ رز هر که شد علامهٔ گردد ‏ ‏ که حکمت منکشف از خم نشینی شد فلاطون را

سخت زندانی ست هستی ای ز خود غافل برآ ‏ ‏ می شوی پابند آخر بیشتر زین گل برآ

ما غریبان را بزیرِ خاک هم نگذاشتند ‏ ‏ صبحِ محشر می کند فریاد کز منزل برآ

تا توان لیلی شدن حیف است آهنگِ جنون ‏ ‏ این چنین کز خویش برمی آئی از محمل برآ

عالمی در انتظارِ آن وفا بیگانه مُرد ‏ ‏ کیست گوید بیجبر کز خانه ای قاتل برآ

تا کجا نهی برای صبوحی بباغ پا ‏ ‏ چشمم کسی به بین و بزن برایاغ پا

صد کاروان برو شبنم راه می روند ‏ ‏ در تیرگی ست گرچه مرا چون چراغ پا

آن را که زیرِ خاک کند چرخ مرده نیست ‏ ‏ چندی دراز کرده به کنجِ فراغ پا

کس نیست بعالم که شود همنفسِ ما ‏ ‏ ای بیکسی اکنون تو شدی دادرسِ ما

مائیم بصد رنگ گرفتار محبت — فرقی نتوان کرد ز گلشن قفس ما

کی بود بازیچهٔ شادی و غم آئینِ ما — گردشِ احوال قربان است بر تمکینِ ما
ناخن اول در دلِ شاعر زند شعر بلند — تیغ خون آلوده آید مصرعِ رنگینِ ما
در قیامت هم نگردد واز هم مژگانِ او — بشنود فرهاد گر افسانهٔ شیرینِ ما
ما بهٔ هفتاد و دو ملت صلح کل داریم و بس — جادهٔ دارد بهر مذهب طریقِ دینِ ما
صحبتِ یارانِ موزون سرو و گل از یاد برد — غیرتِ گلزار باشد مجلسِ رنگینِ ما
تا سر از زانوی آن آرام جان برداشتم — نیست غیر از ساعدِ خود تکیه بالینِ ما

تا به کی داری چنین حیران و سرگردان مرا — یکدم ای ظالم بگردِ خویشتن گردان مرا
غیر را در بارگاهِ دیدهٔ من دخل نیست — چوب حجاب است گردِ چشم این مژگان مرا

سلامت در جهان عزلت بود تنها نشینان را — که باشد صد خطر بیرون درِ خلوت گزینان را
بلند افتد چو مقطع پست سازد حسن مطلع را — کشد پائینِ محفل قدرِ من بالا نشینان را
نمی بیند میانش را کسی یارب سخن دانم — مگر در چشم افتاد است مو باریک بینان را
بچشم عارفان زلفی و رخساری است کفر و دین — خبر از حلیهٔ آن ذات باشد پاک دینان را
شود از پیش بینی نقد حاضر نسیهٔ غائب — قیامت بر سر استاد است دائم دوربینان را
ز یارانِ لباسی کی نمازِ عاشقان آید — وضو بسیار دشوار است این تنگ آستینان را
در اول گام بر پای کند ایشان قیامت را — چه سان یک کوچه ره بیند کسی این نازنینان را

کوی رضا گزین ز غم خیر و شر برآ — تسلیم کن سرِ خود و از دردِ سر برآ
تا کی اسیرِ هستی موهوم بودنت — دستی بجود فشانده چو آه از جگر برآ

حق نداشتی چو در دل نقش بستی یاد را — تا کجا در خشت خواهی داشت ظالم باد را
دشمنانی که غفلت فرش راحت گسترد — خواب شیرین بهتر از شیرین بود فرهاد را

برنگ آینه کسب دگر بود ما را — گذشتن از همه جوهر هنر بود ما را

نه می باقی نه ماند از رفتنت میخانهٔ ما را خیالی بیش نبود مے کفِ پیمانهٔ ما را

کمندِ وحدت از گردن کشد زُلفت فقیران را کند مجنونِ صحرا گردِ چشمت گوشه گیران را

جز آه نیست شمع شب افروز سینه را یک مصرعِ بلند بس است این سفینه را

بسکه دل تنگ آمدست از صحبتِ اخوان مرا کوچهٔ مصرِ فراغت شد چه و زندان مرا

شاباش مِنّتِ مُنعم گوارا مفلسِ ما را نه نامِ کیمیاگر رنگ می گردد مِس ما را

ای بدورِ گردشِ چشمِ تو خوش ایام ما نرگسِ شهلاست از یادِ تو صبح و شام ما

صبحدم چُون کرد وا آن چشمِ خواب آلوده را جام می آمد بکف هر دست برہم سوده را

در توکل خانهٔ من مسندی درکار نیست گرم چون گردید جا فرشِ نمد باشد مرا

نمی گوید بلندی برگزین یا سیرِ پستی کن بلند و پست عالم دیدهٔ هموار کن خود را

دمی ز شوخیِ نازِ تو کس نیاسوده است تشنهٔ و خرام تو می کشند ما را

برگزین حضرتِ دل عزّتِ شاهی دریاب باش فرشِ درِ خود مسندِ جاهی دریاب

این قدر هرزه چه پی وراست دویدن عبث است چاک کن سینهٔ خود را سرِ راهی دریاب

کیست کز گردشِ چشمِ تو بجائی نرسید آخر ای شوخ مرا هم به نگاهی دریاب

بادهٔ گلرنگ و چمن سبز و هوا و دریا یار لذتِ این همه زاهد به گناهی دریاب

بیجگر بهر چه از خانه برون می آئی باش فرشِ درِ خود مسندِ جاهی دریاب

همک بچشم شکر خواب می کند مهتاب پیاله را گلِ مهتاب می کند مهتاب

گرچه بالای سراپا نازِ هر دلبر بلا ست پیشِ مصراعِ قیامت قامتِ معشوق ماست

این جهان و آن جهان تبدیلِ جا بیش نیست آنچه پنداری بقا آخر به تغییرِ فناست

شکوهٔ از بیوفائیهاے معشوقم نبود یار چندانی که شد بیگانه آخر آشناست

تشنهٔ دیگر توان در می پرستی یافتن بیجگر گر ساقیِ کوثر علیِ مرتضیٰ است

ترکِ محبتِ من ناشاد کرد و رفت گفتم که من غلامِ تو آزاد کرد و رفت

خوش آمدی دلم بتو در راه بر نخورد ای من گواه او که ترا یاد کرد و رفت
پرویز هم ز قربت شیرین نیافت است از دور آن نگاه که فرهاد کرد و رفت
هر کس که دید مصرع برجستهٔ قدش چشمی کشود و بر سر او صاد کرد و رفت
رنگ ثبات نیست درین گلشن دو روز خوش بلبلی که آمد و فریاد کرد و رفت
دائم بنای بیت سخن می کنم بجا هر کس تلاش در حق اولاد کرد و رفت
دیگر کسی چه در پی او بیتجبر فتد گفتم که من غلام تو آزاد کرد و رفت

کیش اگر کفرست و گر اسلام دینی بیش نیست حاصل چندین گمان آخر یقینی بیش نیست
آنکه ما در جلوهٔ او دست و پا گم کرده ایم آسمان بر خاک درگاهش جبینی بیش نیست

آشنا یمهای دریا محنت بی حاصل است گوهر مقصود در خاک خراب ساحل است
نزد این صورت پرستان گر انا الحق منکر اند حق بآن قدرت اگر منصور گردد باطل است
قامت معشوق می روید بجای نیشکر دیده ام بند محبت را زمین قابل است
نقص خود دریافتن باشد کمال آدمی ورنه هر ناقص که بینی در حقیقت کامل است
یک زبردستی درین عالم ندیدم بیتجبر دستی از بالای دستی هست دست باذل است

گرچه طفلی دیده ام از دام تعلق جسته است بر نیاید تا کسی از خود کجا وارسته است
سبزهٔ خود نیست بر رخسار آن آئینه رو بسکه آب حسن او استاد زنگی بسته است

گرچه شب در خواب رفتم در قدح نوشی گذشت این قدر شادم که عمر من به بیهوشی گذشت

خواهش ملک سلیمان ابلهی است دولت پاینده در دست تهی است

طفلی که بر احوال شهیدان نظرش نیست مردیم که از شوخی خود هم خبرش نیست

هرگز فروتنی مگو به است پیکرت خاک ره کسی نشدی خاک بر سرت

همچو آن شامی که روشن گردد از رنگ شفق کاکلت از تاب رخسار تو زنجیر طلاست

بر رنگ آن ندا که ز جانب دیگر صدا برگشت چو بر نگه دید بیرون رفتم از خود خدا برگشت

کس نشانِ دلِ گم شدۂ من ہیچ نداد آہ ور زلف شکن در شکنش چیزے ہست

خدا را دیدہ ام اما پیمبر سید بہ قربانش روم یار قدیم است

ستم رسیدۂ غمہای دہر می داند کہ ماہ نو بکفِ چرخ تیغ عریان است

بی دماغیہا مرا شرمندۂ احباب کرد خامہ ام از سرگرانی پای خواب آلودہ است

بہ بالِ دیگرے گر می پرد کس بہ حیرت می روم کین طرفہ مرغی ست

ہرگز نبود قابلِ خط صافیِ رخت شرم تو آب ریخت بر آئینہ زنگ بست

ہزار بار توان کرد با خدا شوخی ولیک دم نتوان زد بہ مصطفٰے گستاخ

این سروہا کہ سر بہ گلستان کشیدہ اند شمشیر بازیِ قدِ او را ندیدہ اند

ہر چند حسن از پسِ صد پردہ رخ نمود ناموس پردہ ایست کہ رندان دریدہ اند

کردم نگاہ صفحۂ تصویرِ خویش قدان صورت گران شبیہ تو بالا کشیدہ اند

جمعی کہ طوفِ کعبہ گزیدند بیخبر بیت المقدسِ دلِ خود را ندیدہ اند

کیست تا از دست بردِ حسن صورت بگذرد معنیِ بیگانہ باید کز عبارت بگذرد

ہر قدم مژگان گیرائی ست خار این طریق مردمی باید کز این میدان سلامت بگذرد

بسکہ کم گردید تعظیم بزرگان از جہان وقت آن آمد کہ سید از نجابت بگذرد

کی بود یا رب کہ ما کوسِ خداوندی زنیم حیف اوقاتی کہ در قیدِ عبادت بگذرد

بیخبر زین حلقۂ احباب می باید رمید بگذرد عمر عزیز و در اطاعت بگذرد

یاد می کردم دلِ گم گشتہ را دلبر رسید عشق را نازم کہ بہ می خواستم بہتر رسید

عاقبت از ہرزہ گردیہا دلم آسودہ شد رفتم از خود این جہان و آن جہان بیہودہ شد

بی حلاوت نیست عسرت در جہان نان چو شد کمیاب شیرین می شود

ہزار بین شدہ چشم ز شوخیِ حسنت غنیمت است کہ این احولان دو می بینند

در لباسِ نو است یار مدام نیست مفلس چرا کہن پوشد

معنی از دل بر نمی خیزد ز ضعف مشتری   از گرانیهای قیمت گوهرم در بحر ماند

چند چشم کبود او که دید است   بادام که پسته مغز باشد

کنون که پیر شدی از خودای فلان بگذر   ز قد خم شده چون تیر از کمان بگذر
کسی ز هر دو جهان و کسی ز خویش رود   نمی روی تو اگر این چنین چنان بگذر

ما هم اندر پیچ زلف او گرفتار آمدیم   اتفاق طرفه افتاد یاران شب بخیر

نه چینی شکند این چنین نه شیشه ز سنگ   بآن صدا که ز دستت دلم شکست امروز

خوشا جهان تهی دستی و غریبانش   زوال نیست در اقبال بی نصیبانش
فلک تمام شفق پوش شد چه شام است این   پرید رنگ مگر از رخ غریبانش

کیست تا از من رساند هم مرا پیغام خویش   کرده ام از بسکه گم خود را نیابم نام خویش
عاقبت بینی ست لازم چشم چون روشن شود   پیش پا افتاده می بیند چراغ انجام خویش

خود پسندی ست حرفی از خویش   آئینه پیش کرده رو سویش

دماغ نازک فقرم ملامت بر نمی تابد   همان واکرده دستار از برای درد سر بستم

گرد ملال گرد دل صد چاک بیختیم   برداشتیم و بر سر مقصود ریختیم
بودیم پای سعی ولی از نهیب خار   چون سایه در حمایت دامن گریختیم
تا آمد است فرد حقیقت بدست ما   سر رشتهٔ حساب دو عالم گسیختیم

نشسته ایم بکنجی که درد و داغ نداریم   بیا دو دوست سلامی که ما دماغ نداریم
به طالبان تجلی بگو عبث نه در آیند   که ما به کلبهٔ تاریک خود چراغ نداریم

بانگ یکرنگی دگر بر مومن و کافر زدم   وحدتم در غیرت آمد یکه بر لشکر زدم
سهل نبود زخم تیغ ناز او برداشتن   بارها زین سر گذشتم تا گلی بر سر زدم

یادت مزه بخشید دل از رزق بریدیم   نام تو گرفتیم و لب خویش مکیدیم
آخر نشود سلسلهٔ حسرت عشاق   آهی نکشیدیم که آهی نکشیدیم

پیریم ولی چارهٔ از زیست نداریم
این بار گران بر سر خود دیده خمیدیم

یارب چه لطافت بود آن غیرت گل را
جز رنگ ندیدیم و بجز بو نشنیدیم

سرو قدّ تو نهالی ست که من می دانم
چشم شوخ تو غزالی ست که من می دانم

آنچه در چشمهٔ حیوان ست خضر می داند
در لب یار زلالی ست که من می دانم

زاهد از چشم بتان روغن بادام طلب
سر خشک تو سفالی ست که من می دانم

بارها از سخن خویش بوجد آمده ام
قال را رتبهٔ حالی ست که من می دانم

در دلم زین ره و رسمی که جهان می دارد
بیخبر سخت ملالی ست که من می دانم

مدتی شد که در خیال خودیم
پر فشاندیم و زیر بال خودیم

من بهر وجه آن پری رو را تماشا کرده ام
همچو گوهر چشم خود بر شش جهت وا کرده ام

بتی کز چشم عالم شد نهان من دیده می آیم
شود قربان خود گرد سرش گردیده می آیم

فیض سخن است اینکه بهر بزم رسیدم
از بال و پر مصرع برجسته پریدم

بهر تحقیق خود از پیش خدا می آیم
فکر بسیار بلندم ز کجا می آیم

نیم شبنم که گه در باغ و گه در راغ بنشینم
تو گل هر کجا رخصت دهد چون داغ بنشینم

دست طلب به دامن آن خوش کمر زدم
دیدم که پر تهی ست کشیدم بسر زدم

مرا به مسند جم می نشانند
الهی بر سر آن کو نشینم

زبس صحرای امکان وحشت انگیز است در چشمم
در اول دیدنی همچون نگاه واپس جستیم

ز بسکه تنگ شدم در میان هر دو جهان
رهی نماند که در خود گریختم رفتم

بی نیازی همتی دارد گریبان واقف آنکه
ما هم از دست رد خود چیزها بخشیده ایم

کجا تاب رخ خورشید دارد دیدهٔ شبنم
تو در بزم آمدی من خویش را سنجیدم و رفتم

درمیان بحث ملایان مینگن خویش را
بیخبر بگذار تا جنگند چندین خر بهم

از صف مژگان خون ریزش نگاه آید برون
چون سوار یکه تازی کز سپاه آید برون

روبسوی آسمان گردی ندیدی پیش پا | یوسف مقصود تو شاید ز چاه آید برون
رند می داند که بیرون آمدن از خویش چیست | زاهد ار جرعت کند از خانقاه آید برون
عالمی از بسکه غمگین رفت در زیر زمین | وقت آن آمد که جائی سبزه آه آید برون
سعی یاران چیست گردیدن طلا یا مس شدن | عاشقان را آرزو نبود بجز مفلس شدن
پاس خاطرها چه باشد احتیاط شیشها | درد سر بسیار دارد صاحب مجلس شدن
از دو چشم او نگه مستانه می آید برون | همچو مدهوشی که از میخانه می آید برون
گریزانند مردم آنچنان از صحبت فقرم | که نشست است غیر از گرد کس بر پوست تخت من
کی شود یارب که در بزم وصال آن پری | من ز خود آیم برون او از نقاب آید برون
دوش یار آمد بسویم تا کشیم در بر گذشت | چون کمان حلقه بر گردیده ماند آغوش من
شبنمی اما توانی سیل صحرائی شوی | قطرهٔ خود را بجوش آور که دریائی شوی
عقل را در بارگاه حسن هرگز دخل نیست | انتظارت می کشد دلبر که شیدائی شوی
کی توان مولی شدن بی دستگاه بندگی | باش در کار کسی تا کار فرمائی شوی
نیض خودداری چراغ قطره را روشن کند | آبرویت حفظ کن تا دُرِ دریائی شوی
تا توانی بیخبر تنها نشین و شاد باش | نیست غیر از درد سر گر محفل آرائی شوی
شاله نیست محرم از حُسن روستائی | فرش است میرزائی زیر برهنه پائی
دلت بر می طپد بر اختلاط صحبت دُنیا | مبادا بیخبر پیدا کنی زین قحبه سوزاکی
بیخبر ورنتوان راه برد در منزل | به مصطفی نرسی تا به مرتضی نرسی

رباعی

ملکم ملکم ارض و سما هم هستم | تنها نه خودم بلکه خدا هم هستم
ای بیخبران که منکر از من هستید | غافل چه نشستید شما هم هستم
حق است دگر چه تقریر کنم | این است بیان کدام تفسیر کنم

تحصیل نمی توان نمودن حاصل   من خواب ندیده ام که تعبیر کنم

رحلت میر عظمت اللہ در شاہجہان آباد روز دوشنبہ بیست و چہارم ذی القعدہ سنہ اثنتین واربعین ومأتہ والف (۱۱۴۲) واقع شد۔ و در جوار مرقد سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ مدفون گردید۔

جامع اوراق در وفات او قصیدۂ انشا کرد کہ ہر مصراعش تاریخ است و مطلع و حسن مطلع بیخواست ذوقافیتین اتفاق افتادہ۔ پارۂ ازان قصیدہ بر نکتہ سنجان عرض می شود ؎

می زند جوشِ تلاطم بازۂ عمّانِ الم   اشک می ریزد بروی لوح مژگانِ قلم

صفحۂ احوال ماتم سینۂ مجروح گل   سنبلِ زلف بیانِ چید پریشانِ صنم

طائرِ آسودگی در سیر پروازِ فنا   آہوی ہامونِ طاقت برق ہمہیز عدم

چہرہ پردازِ ازل گویا بہامون برکشید   یک قلم چون حلقِ بسمل چشم آہوی حرم

شعلۂ اندوہ می بالد بہ صحنِ روزگار   صبح محشر می زند از مطلعِ آفاق دم

از حسابِ نوحۂ گیتی چہ می پرسی دگر   بانگ آہی می کشاید پردۂ گوشِ اصم

بیدلان در کہنہ عالم حلقۂ شیون زنند   ہر یکی دارد ز سیلاب تحزن دیدہ نم

لیکن از ادراک کامل سیّد شیرین بیان   طرفہ بزمی قدسیان چیدند باہم در ارم

شمع بزم اہل بیت و کوکب اوج صفا   مطلعِ صبح ہدی ہم شاہسوارے نازک قلم

عیسی معجز بیانِ افصح شیرین زبان   زبدۂ مشکل کشایانِ فصیحانِ عجم

کلک آن دریای جوہر ابر نیسانِ بہار   موجۂ سیل نزاکت زلفِ دل جوئی رقم

زادۂ کلکش بود حرفِ طلسمِ رازِ حق   نسخۂ دیوان او دارد پیام جام جم

(۱۲۷) فقیر میر نوازش علی سلمہ اللہ تعالیٰ

خلف الصدق میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی قدس سرہ السامی۔ منشا طبع

همایون در انجمن نخستین جمال عرفان می آراید - و درین محفل برقع از روی پری زادانِ معانی می کشاید -

اکثر سایهٔ التفات بر سرِ سخنِ موزون می گسترد - و این خانه زاد موروثی را در آغوش فکر عمیق می پرورد - اشعار او از قصیده و غزل و رباعی مدون است ؎

خاک گردیدیم و از ما آه سردی برنخاست — خانهٔ هستی ز پا افتاد گردی برنخاست
در حضورِ شمع جان بی صرفه می سازد نثار — از نژادِ عشق چون پروانه مردی برنخاست

از یار پیام دغلی را چه کند کس — این دُردِ خوشاب عملی را چه کند کس
بلبل نشناسد قدر چمن را — در باغ دماغ جلی را چه کند کس

قبای عقل که پودش هم است و تار افسوس — اگر ز عشق نشد پاره صد هزار افسوس
برون ز حلقهٔ زلفش قدم چگونه زنم — که پای همت ما را گزید مار افسوس

صفای آینه از شست و شو نمی آید — علاج دل سیهی از وضو نمی آید

در وجودیم ولی رو به عدم می داریم — در گلوی این رگ جان رشتهٔ حب الوطن است

ز پرفشانی مرغانِ روح شد روشن — که در نشیمن تن راحتِ قفس هم نیست

دین و دل جان و تن ز دست همه — آه بر فرق او فدا چه می کنم

گرچه بر چشمِ فقیر از دام سعی مال و جاه — احتیاجِ آب و نان آخر شکارم کرده است

بعد اتمام تذکره - میر نوازش علی شب دوشنبه نوزدهم شعبان سنه سبع و ستین و مائة و الف (۱۱۶۷) به عالم قدس خرامید - و در جنب جد خود میر سید لطف الله قدس سره مدفون گردید - مصراع تاریخ گوید ؎

روشن لب سحر نفس پاک گوهری — دامن کشاں که دامن ازین انجمن فشاند
دل را طپیده و ناله تاریخ وا کشید — پیر یگانه میر نوازش علی نماند

۱۱۶۷ھ

(۱۲۸) غریب ـ سید کرم اللہ بلگرامی

برادر اعیانی میر نوازش علی سلمہا اللہ تعالیٰ۔ تولدا و دوم شعبان سنہ خمس و ثلثین ومائۃ والف (۱۱۳۵) رو نمود

جوانی خوش سیما و نورسی از ریاض آل عباست۔ بہ انواع قابلیت آراستہ و بہ تہذیب اخلاق پیراستہ۔ بیعت بخدمت برادر والاگہر میر نوازش علی سلمہ اللہ تعالیٰ بجا آوردہ۔ و از آغاز تا انجام تربیت در صحبتِ ایشان یافتہ۔ و بحکم وراثت از مذاق صوفیہ صافیہ کامیاب است۔ و در سلیقۂ شعری کامل نصاب۔

اکثر بر دواوین سخن سنجان قدیم و جدید عبور نمودہ۔ و اشعار فراوان در خزانۂ حافظہ فراہم آوردہ۔ این چند بیت از وی آید ؎

بسکہ دودِ نالۂ من در سرش پیچیدہ است ❊ ہمچو فانوسِ خیالی آسمان گردیدہ است

لعل با آن سرخی پا وزنِ پاسنگی نداشت ❊ دل بہ میزانِ تأمّل ہر دو را سنجیدہ است

بعد عمری آشنا شد دلبرِ نامہربان ❊ میتوان دانست قدرِ آشنا فہمیدہ است

بعد مردن ہم بہ اُمیدِ وصالِ آن پری ❊ چشمِ من در خود نگاہِ واپسین دزدیدہ است

کرد یاد نگہِ شوخ تو بیمار مرا ❊ داروی نیست بجز شربتِ دیدار مرا

بسمل اُفتادہ ام از تیغ فراقش شاید ❊ دل طپیدن برساند بہ درِ یار مرا

دل نہ تنہا از سر کوی بتان ناشاد رفت ❊ آہ این مشتِ غبار من ہمہ بر باد رفت

نیست شخصی بی گرفتاری درین گلشن مگر ❊ سرو را دیدم کہ آزاد آمد و آزاد رفت

نمی دارم خیالِ ہمکلامی بالب لعلش ❊ بگوشِ خویش نام خود شنیدن آرزو دارم

دیدمش چون آسمانی چشم پرسیدم کہ چیست ❊ گفت این آہوی جولان در غبار خود گم است

آہ این برگشتگی از طالعِ من کی رود ❊ من ز طفلی خوردہ ام در کاسۂ گرداب شیر

مردمِ چشمِ او دلِ مارا ہمچو زنبور نیشدار گزید
بیک ذرّہ دیدن خشک مغزی رفع می سازد نگاہش روغن بادام شد ناتوانان را
چنان بہ شیوۂ دیوانگی شدم مشہور کہ یار نیز مرا دید مرحبائی گفت

رباعی

شیطان چو در گاہ خدا شد مردود پرسید کسی چرا نکردی تو سجود
گفتا کہ منم محو جمالِ رخِ دوست جز ذاتِ خدا دگر ندانم مسجود

بعد ختم سروِ آزاد۔ غریب بیست و ہفتم جمادی الآخرہ سنہ تسع وستین ومائۃ والف (۱۱۶۹) رخت بہ عالم سرمدی کشید و در بلگرام مدفون گردید۔ مؤلف کتاب تاریخ تعمیہ گوید ؎

شاعرِ خوش گوی صوفی مشربے مُرد در عینِ جوانی یا نصیب
وقت جان رفتن ندا آمد ز غیب بہر تاریخ وفاتش یا غریب

۱۲ ۲۳
۵۴
۱۱ ۶۹

(۱۲۹) سید غلام مصطفےٰ بلگرامی قدس سرہٗ

بن سید عبد اللہ برادر زادۂ حقیقی و مرید سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی قدس سرہٗ۔ سحاب قلم در دامن بحر بشبین دُر مناقب سامی ریختہ۔ و جوہر یان کشور فقر را بہ خریداری برانگیختہ۔ درین بساط نیز گوہری چند از واردات قدسیہ می ریزد و لآلی آبدار بگوش معنی پروران می آویزد

میر صاحب مشرب عالی بود۔ و نشہ فقر و درویشی دوبالا داشت ہموارہ بہ شیوۂ سپاہ گری کسب معاش ضروری می کرد۔ و نعل وارون زدہ شبدیز سیر فی اللہ جولان می داد۔

درسنہ ست وثلثین ومأتہ والف (۱۱۳۶) مؤلف اوراق در دار الخلافہ شاہجہان آباد زیر سایۂ عنایت حضرت علامی میر عبد الجلیل بلگرامی جا داشت۔ مشار الیہ نیز دران ایّام دران مقام بہ علاقۂ نوکری نواب مبارز الملک سربلند خان تونی وارد شدہ۔ مثنوی ترجمان اسرار قیومی مولانا رومی قدس سرہٗ از خدمت حضرت علامی سند کرد۔

دران نزدیکی نواب مسطور را ایالت صوبہ گجرات احمد آباد از پیشگاہ خلافت مفوض گردید مشار الیہ در رکاب نواب بآن دیار شتافت وچون حکومت گجرات از عزل نواب بہ راجہ ابھی سنگھ[1] مرزبان خطۂ مار وار مقرر شدہ۔ و با نواب و راجہ صورت مخالفت رو نمود۔ و در سواد احمد آباد جنگی صعب واقع شد۔ مشار الیہ دران معرکہ جرعۂ شہادت چشید۔ و در سلک اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ منتظم گردید۔ و این واقعہ ہشتم شہر ربیع الاول سنہ ثلث واربعین ومأتہ والف (۱۱۴۳) رو داد۔

بعد انفصال جنگ اجساد جمیع شہدا در میدان یافتند الا سید غلام مصطفےٰ کہ ہر چند تفحص کردند اثری کُل نکرد۔

بچند روز پیش از شہادت رباعی گفتہ بود۔ و از حال آیندہ اخبار نمودہ۔ رباعی این است ؎

درخلوت ما ورای ما یاری نیست	یعنی کہ بہ عرش و فرش اغیاری نیست
ما روح مجردیم ز آلایش مرگ	ما را بہ جنازہ و کفن کاری نیست

سلیقۂ سید در انشاء رباعی مناسب افتادہ۔ و در رباہای حقائق و معارف بر طرز مولانا سحابی استر آبادی از منبع طبعش جوشیدہ۔ الحق ہر رباعیش جادہ موجہ ایست از بحر عرفان۔ و ترانہ ایست از پردۂ لامکان۔ ہر نکتہ اش تازیانۂ دلہای آگاہ است۔ و پرتوی از شعلۂ اِنِّیْ اَنَا اللہ۔

دیوان رباعیاتش مدون است۔ و مذاق فقرش از کلامش مبرہن ؎

[1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۱۷۵ تذکرۂ سربلند خان تونی۔

جز دوست هرانچه هست اندیشهٔ ما　　چون شعلهٔ آتش است در بیشهٔ ما
ما جام شراب عشق او در زده ایم　　یعنی همه اوست در رگ و ریشهٔ ما

در عشق که فتح باب کردم همه را　　سرمست شراب ناب کردم همه را
مرغان که همی زدند پر ها ئی دوئی　　در نار یکی کباب کردم همه را

این هفت فلک که چون حباب اند ترا　　تا در نگری همه دواب اند ترا
تو پادشهی ولی ز خود بیخبری　　پا نه به مه و خور که رکاب اند ترا

هان حال رجال را ببازی مطلب　　تا ساخته کار کار سازی مطلب
از آتش عشق تا نسوزی یکسر　　توحید حق از سخن طرازی مطلب

هر نشه که هست از می ناب من است　　جنت چمنی ز باغ شاداب من است
کس راچه خبر ز رتبهٔ عالی من　　چون عالم بحت مستی خواب من است

ما را که نه عزّ و نه شرف در کار است　　نی بحر و نه گوهر و صدف در کار است
در دیده ولی بهر شناسائی خویش　　خاک قدم شاه نجف در کار است

این هستی من برون ز آب و خاک است　　وز آتش و آب و انجم و افلاک است
چون درک کند زاهد بیچاره مرا　　کین هیئت من کنه وجود پاک است

من عاشقم و رمیده از دشمن و دوست　　از خویش گذشتنی بود فی نیکوست
زان مغز زمین و آسمانها شده ام　　کز روز ازل دریده ام چندین پوست

ای زنده تمام عالم از فیض دمت　　حالان تو نیست جز وجود و عدمت
از من اثری نماند ای دوست که شد　　سر تا قدمم فدای سر تا قدمت

ما عاشق ذاتیم معانی دگر است　　بیرون ز جهانیم و جهانی دگر است
ما واجبی ایم ذکر واجب گوئیم　　افسانه زمین ممکناتی دگر است

از دیدن روی تو رسیدم در خود　　یعنی که جمالت همه دیدم در خود

صد شکر که از شوق تماشای رخت　　چون برق طپیده آرمیدم در خود

هرکس در خود بهار و باغی دارد　　در کلبهٔ تاریک چراغی دارد
تو غره مشو که ماهیِ دریائی　　غوکِ لبِ جوی هم دماغی دارد

زاهد که عبادتِ ریائی دارد　　در مجمع خلق خود نمائی دارد
هرچند که الله بگوید هر دم　　والله که الله هوائی دارد

آن فرقه که خویش را ولی می دانند　　بیچاره عوام را بخود می خوانند
الله و رسول بر زبان می رانند　　چون در نگری خلیفهٔ شیطانند

هرکس خفاش آفتابش باشد　　کی محو جمال بی نقابش باشد
زاهد طلبِ مقام تنزیه کند　　غافل که همان عین حجابش باشد

سر تا بقدم چو دیده می باید شد　　یعنی که بخود رسیده می باید شد
چون شیشهٔ پر شراب با صد مستی　　بر طاق بلند چیده می باید شد

وارستهٔ دردها دوا را چه کند　　بگذشته ز خویش مدعا را چه کند
سلطانِ جهان بال هما را چه کند　　هرکس که بخود رسد خدا را چه کند

آنجا که توئی نه راه باشد نه دلیل　　نی انجم و مهر و ماه گنجد نه خلیل
در عرصهٔ عشق پائی زاهد لنگ است　　آری نرسد بجای احمد جبریل

در دهر که غول و رهبرِ خویش منم　　یعنی که مقر و منکرِ خویش منم
هر چیز فتاده است زیر نگهم　　یک نیزه بلند از سرِ خویش منم

بسیار کتب سند ز اُستا کردیم　　بیهوده تمام عمر غوغا کردیم
شد مشکلِ ما تمام حل آخر کار　　چون دفتر وقت خویش را وا کردیم

بر مشت غبار خویش آبی زده ایم　　یعنی که به بزم جان شرابی زده ایم
خفاش میا که بر درِ خانهٔ خود　　هر جا گل صبح آفتابی زده ایم

وقت است که دل ز دہر بر کندہ کنیم — چون لالہ و گل برین چمن خندہ کنیم
در خلوت خویش قحبۂ دُنیا را — عریان ہمہ تن شویم و شرمندہ کنیم

بر دست بگیر ہیچو من پیمانہ — تا وا رہی از یگانہ و بیگانہ
آن گل کہ دمیدہ بود بر بام سرا — عمریست کہ چیدمش بصحن خانہ

عشق است کہ گاہ مہر باشد گہ ماہ — ہان تا نشوی چو کور چشمان گمراہ
ہر چیز کہ تو طالب آن می باشی — در صورت مطلوب تو آید اللہ

بشنو ای دل حقیقت پنہانی — ایمان موقوف شد بر انسان دانی
ہر چند بصد سجدہ تو حق را خوانی — تا سجدہ بہ آدم نکنی شیطانی

ای آنکہ ترا ست نسبت پنہانی — بیچون و چگون بحضرت سبحانی
از جسم چہ می روی بجان رو سویش — کس سایۂ بز نمی کند قربانی

(۱۳۰) احمدی۔ سید احمد بلگرامی

بن سید عبد اللہ برادر اعیانی سید غلام مصطفےٰ قدس اللہ اسرارہما سیدی بود پاک نژاد۔ دست بہ دامن صلاح و تقوی زدہ۔ چاشنی گیر لذت فقر و فنا لنگر بحر وقار و تمکین مریدہم نکرم خود سید العارفین قدس سرہ۔

کتب تصوف اکثر مطالعہ می کرد۔ و مثل برادر خود میل بہ رباعی بیشتر داشت عدد رباعیاتش زیادہ از چہار صد باشد۔

سپاہگری خوب می اندوخت و در شجاعت و نبرد آزمائی لوای یکتائی می افراخت۔

چون ہنگامۂ احمد خان ابدالی در سنہ احدی و ستین و مائۃ والف (۱۱۶۱) از طرف قندھار بلند شد۔ و لاہور را غارت کرد۔ و محمد شاہ سلطان دہلی فرزند خود احمد شاہ را با وزیر الممالک نواب قمر الدین خان۔ و نواب صفدر جنگ

ابوالمنصور خان و دیگر امراء عظام - برای مقابله از شاه جهان آباد رخصت فرمود -
میر سید احمد درین یساق همراه نواب صفدر جنگ بود - و در اثناء سفر به بیماری
درد جگر مبتلا گردید - ناگزیر در سهرند توقف کرد - و چون شاهزاده از سهرند گذشته
کنار دریای ستلج بر معبر ماچهی واره رسید - ابدالی با سی هزار سوار از راه لودیانه
بالا بالا داخل سهرند شد - و سیزدهم شهر ربیع الاول سنه احدی و ستین و مائة و الف
(۱۱۶۱) آن شهر را تاراج نمود - و هر که دست به شمشیر برد کشته شد - سید احمد جائیکه
اقامت داشت و بحراست ناموس بعضی سادات و شیوخ می پرداخت زخم تفنگ
بر شکم خورد - قضا و قدر از درد جگر نجات داده بزخم جانستانی معاوضه کرد - و روز
پنجشنبه چهاردهم ماه مذکور مرغ روح او از قفس جسم پرواز داد - روز جمعه در
همان حویلی مدفون گردید -

و چون شاهزاده را خبر وصول ابدالی به سهرند رسید عنان توجه جانب سهرند
تافت - فوج شرقی غربی شد و فوج غربی شرقی - از پانزدهم شهر ربیع الاول تا بیست
و هشتم مه آتش حرب اشتعال داشت -

بیست و دوم این ماه روز جمعه وزیر الممالک نواب قمر الدین خان زیر خیمه
نماز چاشت خوانده در وظیفه بود که گوله توپ از جانب مقابل رسید و کار تمام کرد - و
راجه ایسر سنگه پسر جی سنگه سوائی و دیگر راجها قریب دوازده هزار سوار از کشته
شدن وزیر بی استقلال شده راه گریز بملک خود پیش گرفتند - لشکر فیروزی با آنکه
این دو زخم عظیم راه یافت پای استقلال افشرده افاغنه را شکست فاحش داد -
و بمفهوم آیه کریمه الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ - بعد شکست نادرشاهی این فتح عظیم نصیب پادشاه
هند شد - تاریخ گوئی "فتح خدا ساز" تاریخ یافت -
۱۱۶۱

و بعد یک ماه از فتح محمد شاه سلطان دہلی بیست و ہفتم شہر ربیع الآخر شب جمعہ سنہ احدی و ستین و مائتہ و الف (۱۱۶۱) برحمت حق پیوست و پائین مزار سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ درون حریم مبارک مدفون گردید۔

راقم الحروف در رحلت پادشاہ و وزیر و نواب آصف جاہ کہ درہمین سال فوت کرد تاریخ بتعمیہ می گوید ؎

گفت تاریخ چون کشیدم آہ — موت شاہ و وزیر و آصف جاہ

۱۱۶۱

القصہ ہرگاہ فتنہ جنگ فرو نشست بعد یک ماہ از دفن جسد سید احمد را از خاک برآوردند۔ بقدرت ایزد سبحانہ سالم برآمد۔ و بیرون لاہوری دروازہ شہر پناہ سہرند بفاصلہ دو تیر پرتاب از دروازہ جانب جنوب از شاہراہ در مقابر شیخ محمد نامدار غانی بخاک سپردند۔

این چند رباعی نتائج طبع اوست ؎

یا قدر تو رفعت ہم پیست آمد — ہشیار ز ہیبت تو ہر مست آمد
بیخود افتادہ ام بگیری دستم — ای آنکہ ید تو فوق ہر دست آمد

این بندۂ بی ادب کہ ناہموار است — دانم کہ متاع کاسد بازار است
یا از دو جہان بساز او را آزاد — یا پیش نظر دار اگر در کار است

گر خار بہ گلزار تو باشد باشد — ور قلب بہ بازار تو باشد باشد
ہر چند سیاہ رو نباید این جا — گر خال بہ رخسار تو باشد باشد

آنکس کہ گنہ نکرد پیدا نبود — او خود خلف آدم و حوا نبود
حق است اگر خطا ز انسان نشود — عبد است اگر عفو خدا را نبود

مانند بناہا خلائق مارا — چون فیل کہ ہست در گروہ اعمی

مارا نه مقیّد و نه مطلق خوانند — امّا پیداست این صفتها از ما

امکان که تمام راز در جیب وی است — مقصود ز یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ وی است
از غیب مراد این شهادت باشد — ایمان آرش که سرّ لاریب وی است

گر من عوضِ بخششِ خاصت یا رب — در حضرتِ تو شکر کنم نیست ادب
با تو نه برابری مرا می شاید — شکرِ کرمِ خویش تو از خویش طلب

در عقل بسی حال بتر می باشد — گه خوف و گهی رجا بسر می باشد
خوش آنکه درین دیر خرابات او را — از خویش و نه از خدا خبر می باشد

در گفت و شنید اوست مشهور منم — دیده شده اوست لیک منظور منم
با این همه خیر و شر بمن منسوب است — می نوشد دیگری و مخمور منم

دل شاد توئی اگر دلی شاد کنی — با خویش کنی بهر که بیداد کنی
هر سود و زیان که از تو باشد بر تست — در یاد خودی اگر خدا یاد کنی

ای دل بسرت قسم که جانانه توئی — سرمایهٔ هر عاقل و دیوانه توئی
با تست خدا و مصطفا و هر چیز — امروز امیر بزم این خانه توئی

مقبول اگر کنی مرا ور مردود — نازم که مرا حضرتِ تو یاد نمود
معشوق بقهر گر بعاشق نگریست — روزی کند از لطف هم او را خوشنود

ای نامِ تو احمد است و روحِ تو احد — یعنی که توئی باعثِ هر جان و جسد
از اسم مبارکت چو موسوم شدم — محتاجِ دگر مکن چه از نیک و چه بد

ای احمدِ مصطفا شفیعِ دو جهان — بسپرده بدستِ تو مرا خالقِ جان
الحال بدستِ تست کار و بارم — مختار توئی هر چه بخواهی کن آن

از عینِ علی ذاتِ خدا شد خوشنود — آدم ز تراب او در آمد بوجود
چون دید رسول اصلِ آدم او را — ناچار ابو تراب کنیت فرمود

در حبّ علی ز جان و دل بر یابی | وز هر دو جهان رتبهٔ برتر یابی
حق رمز زعین ولی چنین می فرماید | کز لفظ علی ذات مرا دریابی

(۱۳۱) فرد - سید اسد اللہ بلگرامی

برادر زادهٔ حقیقی سیّد غلام مصطفٰے و دختر زادهٔ حقیقی سید العارفین میر سیّد لطف اللہ و مرید آن خدا آگاه است قدّس اللہ اسرارهم

ولادت او دهم شهر ذی الحجہ سنہ اربعہ عشر و مائۃ والف (۱۱۱۴) رو نمود - به صفائی ذهن سلیم و ذکای طبع مستقیم ممتاز بود - و بدقائق سخن خوب می رسید و شعر خوب می نوشت - و چاشنی تصوف بلند داشت و از همنشینان راقم الحروف است -

حیف که در عین شباب آن قدر امراض مزمنہ عارض او گشت که حیات چند روزه را در نهایت بی حلاوتی گذرانید - و شب شنبه بیست و دوم جمادی الاولی سنہ تسع و اربعین و مائۃ والف (۱۱۴۹) رخت بدار الامان آخرت کشید - محرر اوراق آیهٔ کریمہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ عَلَی الْاَرَائِكِ (۱۱۴۹) تاریخ یافت قبرش جانب غربی محلهٔ میدان پوره بر کنار مقابر اسلافش واقع شده -

این چند بیت از مسودات او بدست آمد

شب که آن ماه جهان از وز رخصت خواه شد | آه من تعظیم کرد و اشک من همراه شد

نگاه شوخ چشمم هر طرف بی باک می افتم | عزیز آبروی آن اگر بر خاک می افتم
سرشک طفل طبعم شوخ چشمی در بغل دارم | نه چشم سرا گر بر روی افتاک می افتم

به پابش بوسه زد رنگ حنا سرخی دو بالا شد | دل خون شد ز حسرت این عجب هنگامه برپا شد

نه هر که تاج بنا کند سری داند | نه هر که خرقه بپوشد قلندری داند

دلاوران صفِ عشق کشتۂ خویش اند	نہ ہر کہ تیغ بہ بندد سپہگری داند
کسیکہ دولتِ اقلیم نیستی دریافت	شکست آئینۂ دل سکندری داند
چو سرو ہر کہ بآزادگی قدم افشرد	بزیر بار تعلق شدن خری داند
جہادِ نفس بود کار شیر مردان فرد	نہ ہر کہ صف شکند او بہادری داند
بود بعالم تجرید ما لباس دگر	بریدن از دوجہان است قطع جامۂ ما
عروس مقصدم مشاطگی را از خدا خواہد	وگرنہ این حیا پرور دکس محرم نمی داند

(۱۳۲) سید عظیم الدین بن سید نجابت بلگرامی

ایضاً برادر زادۂ حقیقی سید غلام مصطفیٰ ست قدس سرہٗ۔

تولد او شب چہار شنبہ ہشتم ذی القعدہ سنہ ثلث عشر و مائۃ و الف (۱۱۱۳) واقع شد۔

سیدی بود صاحب خلق عظیم و میزان طبع مستقیم۔ از آغاز سن وقوف بہ تتبع شعر پرداخت و تمایش نظم و نثر را خوب می شناخت۔ و بنا بر مناسبتی فطری گاہی خود ہم سخن موزون می نمود۔ و در فکر بر روی خود می کشود

بسعادت ارادت سید العارفین کامیابی داشت۔ و در کوچۂ تصوف رایت بلندی افراشت۔ معہذا در وصف شجاعت سرخیل دلیران بود و در بیشۂ پُردلی نی در ناخن شکن شیران۔

او اخر عمر نوکری نواب صفدر جنگ وزیر الممالک اختیار کرد۔ و در جنگی کہ نواب وزیر را با افاغنہ بنگش دوم شوال سنہ ثلث و ستین و مائۃ و الف (۱۱۶۳) مابین پٹیالی و سہاور صورت گرفت میر عظیم الدین و میر غلام نبی کہ ذکرش نگارش یافت۔ در عرصۂ کارزار تلف گردیدند۔ و جز داغ حسرت لالہ اثری از ین

¹ مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۵۰ مطبوعہ کلکتہ

زمین گل نکرد۔ راقم الحروف گوید ؎

میر عظیم الدین والا گہر — زادۂ طبعش ہمہ دُرّ یتیم
شیر دلِ عرصۂ مردانگی — در صفِ ہیجا قدمش مستقیم
بر سرِ میدان سرِ جان گذشت — در چمنِ خلد برین شد مقیم
فوز عظیم است ازین خاکدان — رخت کشیدن بریاضِ نعیم
خامہ ازین راہ گزارش نمود — سال وفاتش "ہمہ فوز عظیم" ۱۱۶۳ھ

وقتی کہ این بیت قاسم کاہی[1] پیشِ او خواندہ شد ؎

چون ز عکسِ عارضش آئینہ برگِ گل شود — گرد ران آئینہ طوطی بنگرد بلبل شود

بسیار خوش کرد۔ در ہمان ایام حسب الطلب والد خود سید نجابت بہ گجرات احمد آباد رفت و بعد انقضاء مدت پنج سال از احمد آباد بوطن اصلی معاودت نمود۔ شبی بافقیر گفت آن بیت چہ بود۔ فوراً بیت مذکور خواندم۔ تعجب کرد کہ بمجرد سوال حرف پنج سالہ چہ طور بیاد آمد۔ گفتم این قدر در خاطر بود کہ وقت خواندن این بیت شمارا پسند اُفتاد۔

این دو سہ شعر نمونۂ فکر اوست ؎

داغ بر دل داریم و چون لالہ سیرابیم ہنوز — آتشیم اما چو صہبا عالمِ آبیم ہنوز
عالمی پروانۂ آن شمع قامت را ببین — در دلِ شب جلوۂ صبح قیامت را ببین
خواب و بیداری چشم تو عجب مجونی است — بہم آمیختہ از مستی و ہشیاریہا
شادم بقتلِ خویشتن کز کوثر لبت — یک جرعہ خون بہای شہیدان نوشتہ اند

(۱۳۳) محب سید غلام نبی بلگرامی

فرزند صغیر سید غلام مصطفے مذکور قدس سرہ۔ جوانی بود صاحب السیف والقلم

[1] نتائج الافکار صفحہ ۳۶۱ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۸۴۳ع

درصف بزم و رزم پیش قدم - تیغ زبانش جوهردار حسن بیان - مدِ سنانش پیرایهٔ صفحهٔ میدان - بارها در معارک صفها شکست و بزنجیر جوهر فولاد پای تهمتنان بربست در ریعان تمیز میل سخن بهم رساند - و دواوین سخن سنجان نو و کهن را تتبع کرده با خوشگویان عصر مثل شیخ عبد الرضا متین صفاهانی و آقا عبد العلی تحسین ملاقات نمود -

و در عالم نوکرپیشگی بصوب بنگاله رفت و از انجا برگشته در سلک نوکر وزیر الممالک صفدر جنگ در آمد - و چون نواب وزیر کرت ثالث لشکر بر سر افاغنه کشید - و افاغنه در دامن کوه مداریه که شعبه ایست از کوه سوالک پناه گرفته مستعد پیکار شدند و بعد محاربات صلح انعقاد یافت - در ایام جنگ بیست و هفتم صفر سنه خمس و ستین و مائة والف (١١٦٥) میر غلام نبی بزخم تفنگ نقد زندگانی در باخت - حیف که این چنین جوان قابل و فرد کامل در عین شباب از دست روزگار ضائع شد - و واماندگان را داغی که علاج پذیر نیست بر دل نشاند - محرر سطور گوید ~

در فن سخن بلند تقریر محب   در معرکه آبروی شمشیر محب
تاریخ وفات او ز دل پرسیدم   فرمود "بهشت منزل میر محب"
۱۱۶۵

شجاعت ارث خاندان اوست - و اکثر مردم ازین دودمان ساغر موت احمر چشیده اند و گلگونهٔ شهادت بر رو مالیده - از انها جمعی که بموزونی موصوف بودند درین انجمن جلوه نمودند -

چند بیت از محب بر محبان سخن ملتمس می شود ~

دل از مژگان و خال پشت چشم او حذر دارد   که ترک چشم او مستانه شمشیر و سپر دارد
بیزم می پرستی عشرت رندانه شب کردم   نقاب شیشه را از چهرهٔ بنت العنب کردم
ز فیض نیست بردن سیر بینوائی ما   به فرق خار نهد گل سپند پائی ما

بسکه از دیوانگی باشد بسامان کار ما ‌‌ سنگ طفلان گل زند در گوشهٔ دستار ما

ز سبزه بر رخ او کرد گل بهار دگر ‌‌ به پای دل ز سر نو خلید خار دگر

دلم بذکر تو شاد و سرم بفکر تو خوش ‌‌ دل و دماغ ندارم بکار و بار دگر

قدم برون نگذارم ز آستانهٔ خویش ‌‌ شدم چو جوهر آئینه نقش خانهٔ خویش

ز من نگار بایماء پیام گفت و نگفت ‌‌ بسینه دست نهاد و سلام گفت و نگفت

مقام صید دل خود ز یار پرسیدم ‌‌ نمود کاکل پر حلقه دام گفت و نگفت

سپرد تیغ نگه را بدست مردم چشم ‌‌ به عاشقان جهان قتل عام گفت و نگفت

خط صحیح برآورد خواجهٔ حسنش ‌‌ مرا ز بنده نوازی غلام گفت و نگفت

ببین که ساقی کوثر محب صادق را ‌‌ اشاره کرد سوی حوض جام گفت و نگفت

امشب ای شمع درین بزم بناز آمدهٔ ‌‌ آفرین باد که پروانه نواز آمدهٔ

بمحراب دو ابروی بتان سجده مکن ‌‌ عشقبازانه اگر بهر نماز آمدهٔ

جرس شوق درین دشت بجنبان از دل ‌‌ گر تو با قافلهٔ عجز و نیاز آمدهٔ

قصهٔ شوق مکن در شب هجران کوتاه ‌‌ اگر ای شانه ازان زلف دراز آمدهٔ

هیچ جز وصف علی نیست بشعر تو محب ‌‌ آفرین باد که خوش مدح طراز آمدهٔ

(۱۳۳) قابل سید عبد الله بلگرامی

از بعض طبقات سادات بلگرام ساکن محلهٔ میدان پوره. پیشتر در طبقهٔ فضلا ممتاز است و حالا در گروه شعرای امتیاز.

تخلص او اسمی با مسمی بود. در فضل و کمال و تحریر هفت قلم و فنون سپاهگری و ورزش اسلحه و اکثر صناعات اهل حرفت وقوف عالی داشت. و در صفت کبری مشار الیه امثال می زیست.

همواره روزگار فرین اعتبار گذرانید و بیشتر برفاقت نواب مبارز الملک سربلند خان تونی بسر برد- و بخدمت عدالت معسکری پرداخت-

وچون کرت اولی سربلند خان در سنه اربع وعشرین و مائته و الف (۱۱۲۴) ناظم صوبهٔ گجرات احمد آباد شد- سیّد عبد الله را منصب صدارت احمد آباد تفویض نمود- سیّد با ارباب وظائف سلوک پسندیده کرد- و غربا وضعفا را باحسان نواخت آخر الامر در دار الخلافه شاهجهان آباد و بیماری استسقا عارض شد- بهمان حالت به بلگرام آمد- و بعد چندی موافق سنه اثنتین و ثلثین و مائته و الف (۱۱۳۲) جان بجهان آفرین سپرد- و سمت غربی باغ محمود در مقابر قبیلهٔ خود مدفون گردید بعد انتقال آن مرحوم کتابخانهٔ او شیرازه جمعیت گسیخت- و اشعارش تباراج حوادث رفت- همین یک بیت بدست آمد

مگر بسرمه اثر کرد ضعف طالع من   که بی عصا نتواند بچشم یار رسید

(۱۳۵) واحد میر عبد الواحد ترمذی بلگرامی

ترجمهٔ اب والانسب او نظر پرورده لطف الٰهی سیّد محمد اشرف درگاهی در سلک فضلا از دفتر اول انتظام یافت-

میر عبد الواحد صاحب طبع لطیف و ذهن شریف بود- و سراپا به حلیهٔ مکارم اخلاق و جلائل اوصاف آراستگی داشت- اختر نجابت از جبین مبینش می درخشید وعطر خلق محمدی از گل عنصرش می تراوید-

شعر بزبان فارسی و هندی می گفت- و جواهر زواهر مثقب اندیشه می سفت- سخن شیرینش به گلوسوزی نبات است- و شعر آبدارش به گوارائی آب حیات از یاران میر عظمت الله بیخبر بود- و نسبت به فقیر شفقت فراوان می فرمود-

آبائیا میکہ والد ماجد او سید محمد اشرف بحکومت موضع راہون از اعمال دار السلطنۃ لاہور می پرداخت او را با کفار آن نواحی جنگ رو نمود۔ میر عبد الواحد در معرکہ جرعۂ شہادت چشید۔ و ہمانجا این آفتاب دل افروز خاکپوش گردید۔ و این واقعہ دوم محرم روز جمعہ بعد نماز عصر سنہ اربع و ثلثین و مائۃ والف (۱۱۳۴) واقع شد۔ عمر شریفش از پنجاہ متجاوز بود۔

نگارندۂ سطور در تاریخ شہادت آن مغفور قطعۂ نظم کردہ و یک عدد زیادہ را بحسن تعمیہ برآوردہ ؎

میر عبد الواحد شیرین سخن	از زبانش آب حیوان می چکید
سید والا گہر صاحب ہنر	تا ثریا نظم و نثر او رسید
والد او حاکم راہون شدہ	در رکابش رخت آنجانب کشید
خطۂ پنجاب را از مقدمش	آبروی تازۂ آمد پدید
با زمینداران کافر رزم کرد	از شہادت جرعۂ صافی چشید
در سخن واحد تخلص می نمود	لفظ ذوقی ہم تخلص بر گزید
چون کہ واحد رفت سال رحلتش	کلک خونین زد رقم "ذوقی شہید"

۱۱۳۵
۱
۱۱۳۴

صیاد فکرش وحشیان معانی فراوان صید کردہ اما از عوارض روزگار بقید رشتۂ شیرازہ نساختہ لہذا اکثری از آن بپرواز آمد۔ برخی از اشعار کہ در بیاضہا مثبت بود درین سواد سفید می گردد ؎

امروز بر جبین تو چین دیدہ ایم ما	صد رنگ ناز را بہ کمین دیدہ ایم ما
گر بود رہ یک قدم بی رہنما دور است دور	بی اجل نتوان رسیدن گرچہ منزل زیر پاست
سوختم در آرزویش کاش ای صورتگران	گردۂ تصویر او سازید از خاکسترم

آگہ زدل شکستنِ بلبل نۂ ہنوز طرفِ کلاہ خود مگر ای گل ندیدۂ
عمریست در رُخ تو تماشائیِ خودیم آئینہ است بسکہ ترا از صفا جبین
نباشد از گدازِ دل محبت نامہ ام خالی چو بکشائی سرِ مکتوب من طوفان شود پیدا
آتشی پیچیدہ ام در نامۂ پُرسوزِ خویش گر سمندر نیستی مکشایِ مکتوبِ مرا
نیستم محتاجِ خضر از فیضِ سوزِ خویشتن اخگرم خاکسترِ خویشیم بہ از آبِ بقاست

رباعی

تا کی بہ ہوا و حرص مائل باشی زان رہ کہ بریدنی است غافل باشی
اکنون کہ گذشتہ را تلافی خواہی از خنجرِ انفعال بسمل باشی

و او را نسخۂ ایست مسمی بہ "شکرستان خیال" مشتمل بر نظم و نثر در وصف حلویات غزل و رباعی و قطعہ و مثنوی و مخمس و ترجیع بند بدستور دیوان مرتب دارد و در خاتمہ نکات شیرین آوردہ - و درین نسخہ بمناسبت شیرینی ذوقی تخلص می کند - و اشعار ہندی ہم درین رسالہ می آرد - برخی ازان در فصل ثانی می آید انشاء اللہ تعالیٰ - در خطبہ این نسخہ گوید :-

"مخفی نماند کہ از تصنیف و تالیف این رسالہ و اظہار میل و رغبت با شیرینی سببی و واسطۂ
"مظنون ارباب قیاس خواہد بود اما قسم ؎

"بموزونی قامتِ نیشکر کہ اصلِ ہمہ آمد آن مفتخر
"بعشقِ زلیبیِ خاطر پسند کہ انداخت در گردنِ جان کمند
"بحلوای تر آن فرح بخش جان بمقراضی آن غم تراشِ جہان
"بہ پُر مغزیِ پستۂ خندہ رو کہ چون سبزہ خط است زیبندہ رو
"بآن نرمیِ مجاۂ بلگرام کہ شبنم نزاکت از و کردہ وام
"ندارم سرِ بنگ باور کنید کہ دارم ازو ننگ باور کنید

"به تریاک هم نیستم آشنا هم از تهمت که کنارم رها

"کنون به که تمهید کمتر کنم غزل خوانی مدعا سر کنم

آنانکه پرده از رخ لوزینه وا کنند آیا بود تواضع صحنی بما کنند

نان از تنور بهر مربا جدا شده است لازم بود که حق غریبی ادا کنند

درکار خیر حاجت هیچ استخاره نیست اهمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید پنهان ز چشم بد به لبش آشنا کنید

یکبار پوست را ز تنش برکشیده اید بار دگر به کیله ندانم چها کنید

هنگام آن شده که اسیران انبه را برکام دل ز محنت زندان رها کنید

آورده ام برای شما شربت انار نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

گر خاطر شما ز اناناس خوش نشد چون ذوقی از شریفه و خربزه غذا کنید

شیرین نشدی ذائقه شکر نشدی گر چشمم نشدی سیر ز عفر نشدی گر

تالی نشدی خشکه بدین سان به پلاو یاری ده او روغن و شکر نشدی گر

چندان به ادب دوست نمی داشتمش من با شیر و شکر صحبت پیهم نشدی گر

حلوا القوودی به دماغ این همه قوت ذوقی همه اجزاش برابر نشدی گر

نقل بگیر در زبان یک دو سه چار و پنج و شش ریزه قند در دهان یک دو سه چار و پنج و شش

در قدح بلور کن شربت قند با گلاب چمچه بزن در آن میان یک دو سه چار و پنج و شش

پیده دلفریب را گرچه ثقیل گفته اند لیک نداردت زبان یک دو سه چار و پنج و شش

شاهد انبه ام بکف گر فتد از کمال شوق بوسه دهم بروی آن یک دو سه چار و پنج و شش

صحن پر از مزعفر و کاسه پر از برنج و شیر خوب نمایدم به خوان یک دو سه چار و پنج و شش

مصرع نغز الطعم وه چه خوش است ذوقیا خربزهای خوش بنان یک دو سه چار و پنج و شش

نه تنها دل ز ذوقی بهر چشم بیتاب می گردد که از یاد زلالی محو پیچ و تاب می گردد

ببین بسوی چپاتی بدیدۂ انصاف | کہ بی وصالِ شکر حالتِ نزاران چیست
غرض ز موسم برسات اولہ و بوندی است | وگرنہ این ہمہ تمہید برق و باران چیست
چرا نہ نیشکر از خرمی بخود بالد | کہ آل او ہمہ مقبول آمد و منظور
در تمنای ملاقات شکر ای ذوقی | آب گردید دلِ شیر بالفت سوگند

(۱۳۶) ایما۔ بندگی سید محمد حسن بلگرامی

برادر صغیر میر عبد الواحد ذوقی بلگرامی۔ گل سرسبد چمن استعداد بود۔ و نہال سربلند قابلیت خداداد۔ مصوّر ازل حسن صورت را باحسن سیرت آمیختہ۔ و رنگ حیرت در دیدۂ تماشائیان ریختہ۔

در صغر سن مصحف مجید را از بر کرد۔ و در پانزدہ سالگی فنون عربی و فارسی و ہندی را فراہم آورد۔ شعلۂ آوازش دل سنگ می گداخت۔ و حسن قراءتش ایمان سامعہ را تازہ می ساخت۔

از انجا کہ کسب ہوای زندگانی و تحصیل اسباب کامرانی مقتضای عہد شباب است در عنفوان عمر از وطن مالوف بر آمدہ شاہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم را ملازمت نمود و منصبی سرافرازی یافت (پدرش) سید محمد اشرف درگاہی دران وقت نوکر شاہزادہ محمد اعظم بن خلد مکان بود

چون خلد مکان رایت عزم بملک جاودانی افراخت۔ و شاہ عالم از کابل و محمد اعظم شاہ از دکن بداعیۂ محاربہ شتافتند۔ و در میدان دھولپور بر مسافت دوازدہ کروہ از اکبر آباد تلاقی فئتین رو نمود۔ و محمد اعظم شاہ در معرکہ نقد زندگانی درباخت و نسیم ظفر بر پرچم الویۂ شاہ عالم وزید۔ بعد فراغ جنگ سید محمد حسن کہ جوان نازنین بود و سلاح در بر داشت۔ تاب حرارت ہوا نیاوردہ بہ خیمۂ خود

آمد۔ و با حاضران گفت سلاح از من بگیرید کہ تاب و طاقتم نماند۔ ہمین کہ دراز کشید۔ چراغ حیاتش خاموش شد۔ و مردم خاک حسرت بر سر انداختند و بعد تجہیز و تکفین بر دروازہ دھول پور دفن ساختند۔

چون راہ آمد و شد وا شد سید درگاہی بملاقات پسر شتافت۔ او خود زیر خاک رفتہ بود۔ بیطاقتیہا کرد فائدہ نداشت۔

جنگ سلطانی بیستم شہر ربیع الاول واقع شد۔ سید محمد حسن بیست و یکم ماہ مذکور سنہ تسع عشر و مائۃ و الف (۱۱۱۹) برحمت حق پیوست۔ آیہ کریمہ "اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" (۱۱۱۹) تاریخ رحلت اوست کہ علامۂ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی یافتہ و بگرفتار حالت یعقوبی سید محمد اشرف درگاہی تحریر نمودہ این چند بیت تذکرۂ ایماست ؎

جمالش بسکہ در بزم تخیل جلوہ پیرا شد	سویدای دلم چون مردمک محو تماشا شد
مرکز گردش ما نیست بغیر از دل ما	محمل ما دل ما ہم دل ما منزل ما
وصف تو اگر بر لب دریا گذر آرد	از گوش صدف پنبۂ گوہر بدر آمد
مگر در یاد ماہ من ز بلبل نالہ می خیزد	کہ مد شاخ گلہا در چمن چون ہالہ می خیزد
انتخاب از ناز خوبان نیست جز حسن کلام	وای بر بلبل کہ از گل یک سخن نشنیدہ است
کشاد کارم از جمعیت خاطر نمی آید	نشد چون غنچہ بی چاک گریبان فتح باب من
رسید قاصد و وا شد گرہ ز غنچۂ دل	ہوای بال کبوتر نسیم باغ من است
ز تمکین تو ای ظالم فغانم جوششی دارد	سکوت گل زند ناخن دل مسکین بلبل را
نیاز و ناز را با یکدگر خوش جلوہ می بخشد	درازیہای دست از من از و دامن کشیدنہا

(۱۳۷) آگاہ۔ سید علی رضا سلمہ اللہ تعالےٰ

خلف الصدق میر عبد الواحد ذوقی مذکور۔ ہمعمر و یار دلپذیر این فقیر است۔

بحکم ارث گلدستۂ اخلاق حمیدہ و نسخۂ جامع اوصاف پسندیدہ۔
کتب مختصرات درسی تحصیل نمودہ و در فارسی استعداد شایستہ بہم رسانده۔ بدتائق
شعر خوب می رسد۔ وگاہی خود ہم فکری می کند۔ این رباعی زادۂ فکر اوست ؎

ہر چند بود ضمیر پاکت روشن　　　بی راہبری گام درین راه مزن
پیداست کہ شمع پیش پای خود را　　　بی شمع دگر نمی تواند دیدن

(۱۳۸) عارف۔ محمد عارف بلگرامی

از اولاد مخدوم محمد رکن الدین بلگرامی است قدس سرہٗ کہ ذکر شریفش در دفتر اولیاء اللہ گذارش یافت۔

تولد محمد عارف روز جمعہ نہم ذی القعدہ سنہ اثنتین وعشرین ومائۃ والف (۱۱۲۲) دست داد۔ جوانی است سنجیدہ۔ وعندلیبی است نو رسیدہ۔ اول شخصی از دودمان مخدوم رکن الدین کہ چراغ سخن افروخت۔ وطرز موزونی از مبدءِ فیاض آموخت۔ اوست

از عنفوان شعور بہ گلگشت کوچۂ سخن خرامید۔ و در فن فارسی و ہندی کمالی بہم رسانید سیما شعر ہندی کہ این فن را خوب ورزیدہ و غزالان تازہ در دام کشیدہ۔ برخی از سبزان ہند در فصل ثانی نقاب از رخ می کشایند۔

با فقیر محبت تمام دارد۔ و ہمیشہ بہ نامہ و پیام مرہمی بر دل ریش می گذارد۔
این چند بیت ثمرات فکر اوست ؎

گرمی محفل من از رخ صہبا باشد　　　رشتۂ شمع من از پنبۂ مینا باشد
قطع این راہ توان کرد بیک قطع نظر　　　خار پاییست مژۂ دیدۂ بینا باشد
بسکہ نیرنگی حسنت بنظر جلوہ نمود　　　مژۂ من پر طاؤس تماشا باشد

نیست معلومم کہ چشمِ زخمِ من چون می پرد | شاید از مژگان او آمد پیامِ بوسۂ
مشو برای کبابی بآتشی محتاج | چو سنگ از جگرِ خویشتن شرار طلب
چون صریرِ خامہ نبود نالہ ام را آفتی | سرمہ می سازد بلند آوازِ فریادِ مرا

رباعی

ختم آمدہ منشورِ ولایت بر تو | انجام صحیفۂ ہدایت بر تو
تعقیب خلافتِ تو بر جا باشد | چون ہست مدارِ ہر نہایت بر تو

ای دل کردی چہ کار یادِ تو بخیر | رفتی بتلاش یار یادِ تو بخیر
در حسرتِ دیدار کسی خاک شدی | ای بسملِ انتظار یادِ تو بخیر

صوفی گوید کہ ما خدائیم ہمہ | زاہد گوید کہ با خدائیم ہمہ
این ہر دو بکار خویش ضدی دارند | مائیم خدا و با خدائیم ہمہ

(۱۳۹) صانع۔ نظام الدین احمد بلگرامی

ہمین نام تاریخ تولد اوست۔ مطابق سنہ تسع و ثلثین و مأتہ و الف (۱۱۳۹)
جوانی است از عشیرۂ قضاۃ عثمانی مہذب و مؤدب۔ در حداثت سن کلام اللہ را
یاد گرفت۔ و در خدمت میر نوازش علی سلّمہ اللہ تعالیٰ تربیت یافت۔
مشق سخن از خدمت میر می کند۔ و طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد۔ و از قبیلۂ قضاۃ
عثمانی اول کسیکہ شعر درست انشا کرد۔ و لآلی دلپسند بغواصی فکر بر آورد اوست۔ ایزد
سبحانہ عمرش بیفزاید۔ و پایۂ سخنش را ترقیہا کرامت نماید۔

این چند شعر نتائج طبع اوست ؎

نقش روی یار را مانی بہ پرکاری کشید | چون نظر بر چشم او افگند بیماری کشید
نتوان زائل نمود از بخت عاشق تیرہ رنگی را | کند گر صنعتِ مشاطہ زیبا روی زنگی را

بحرفی کشتگان را زنده سازد کافر حشمت ... مگر دادند اعجاز مسیحا این فرنگی را

داغ احسان بر نتابد همتِ والای ما ... از حنا رنگی نگیرد دست استغنای ما

هرگز از دورِ فلک عشرت نصیبِ ما نشد ... سرکه شد از شور بختی باده در مینای ما

در جهان امروز از بس قدرِ اہل زر بود ... می زند پہلو بہ عیسی ہرکہ صاحب خر بود

گرد کین از جانبِ ما بسکه در دلها نشست ... درمیان ما و یاران سدِّ اسکندر بود

در جہان از بسکه باشد صلح کل آئین مرا ... می شمارم آفرین ہرکس کند نفرین مرا

در بہارستانِ غفلت ایمن از غارتگرم ... غنچۂ تصویرم و نبود غمِ گلچین مرا

بسکه ہر شب سبزۂ خطِّ تو می بینم بخواب ... سبز ہمچون بال طوطی شد پر بالین مرا

میپوش چشم خود از روی نوخطان زاہد ... کسی که منکرِ مصحف بود مسلمان نیست

ہیچ بی برگ و نوا نیست ز فیضش محروم ... گر ز نی نغمه گرفتند شکر بخشیدند

آنچه باید در خورِ ہر شخص سامان می کند ... دخترِ رز را بود گہوارہ از پیمانہا

تنگ چشمان را ز دولت خِسّت افزون می شود ... مشت بر بندد صدف ہرگہ گہر آید بدست

شادمانی می کند از مرگ خود روشندلان ... شد مرا این نکته روشن از لبِ خندانِ برق

نامِ آبا روشن از فرزند صاحب جوہر است ... حرمتِ دیگر به عالم از گہر دارد محیط

اہل ہمت را چه باک از خصمیِ بدگوہران ... سنگ نتواند کسی بر شیشۂ گردون زدن

به مستی داد جانان وعدۂ یک بوسه‌ام صائغ ... چه سازم گر خدا ناکرده از اقرار برگردد

از ہجوم داغ ناپیداست دل در سینه‌ام ... در سوادِ خویشتن این شہر پنہان گشته است

چرا ز عشق خود آگاه کردمش صائغ ... اگر حجاب نماید ز من سزای من است

(١٤٠) سخنور[1] شیخ محمد صدیق بلگرامی

پدرش قاضی احسان اللہ امروز به منصب قضاء شہر قیام دارد۔ سخنور کلام اللہ

[1] تتائج الافکار صفحہ ۲۲۴۔

را از بر کرد و مختصرات کتب درسی گذرانید مشق سخن در سایۂ تربیت میر نوازش علی می کند و فکری صحیح دارد۔ از وست ؎

تا بہ گلگشتِ چمن آن سرو قامت می رود | بر سرِ قمری چہ آشوبِ قیامت می رود
می شود سرمایۂ ناز آن سپاہی پیشہ را | آنچہ از جنسِ نیازِ من بغارت می رود
بی دماغانِ جنون از فکر صحرا فارغ اند | از خراب آباد دل طرحِ بیابان ریختند
در چمن آید اگر آن غنچہ لب بلبل ز شرم | زیر بالِ خود کند چون بیضہ پنہان غنچہ را

(۱۴۱) ثمین۔ شیخ غلام حسن بلگرامی

خواہر زادۂ قاضی احسان اللہ مذکور۔ جوان خوش طبیعت است۔ گاہی فکر شعر می کند و از میر نوازش علی اصلاح می گیرد۔ از وست ؎

از بسکہ سودم از سرِ افسوس کف بہم | دستم رساند آبلہا چون صدف بہم
ز سنگہای جفا مشکن ای پری پیکر | ترحمی کہ ترا منزل است شیشۂ دل

(۱۴۲) وامق۔ نواز محی الدین بلگرامی

پدرش شیخ غلام محی الدین فاروقی تن بخشی نواب مبارز الملک سر بلند خان تونی بود وامق ذہن درستی دارد۔ و با کتب درسی اشتغال نمودہ جبینی بہم رساندہ و مشق سخن از میر نوازش علی استفادہ می کند۔ از وست ؎

گر بہ بینی تو مرا بر سرِ راہی گاہی | چہ شود گر بنوازی بنگاہی گاہی
بسکہ درماندۂ ہجرم ز خدا می خواہم | وصل ہر روزہ اگر نیست بماہی گاہی
یاد روزی کہ گزر داشت بہ کویش وامق | بود با او نظرِ لطفِ تو گاہی گاہی
بسکہ حیرانِ تماشای تو گردیدم نماند | در چراغِ دیدہ ام چون دیدۂ بسمل فروغ

(۱۴۲۳) محزون - سیّد برکت اللہ بلگرامی

از اولاد سیّد محمود اصغر بلگرامی است کہ ذکرش در دفتر اولیاء اللہ سمت تحریر یافت - جوان شایستہ است - اکثر بہ دواوین وکتب فارسی وارسیدہ واخذ آداب ومشق سخن از میر نوازش علی نمودہ - از وُمی آید؎

عاشقم وصل یار می خواہم | عندلیبم بہار می خواہم
بہر یک بوسہ نا اُمید مکن | کز تو این یادگار می خواہم
یا علی بہر قتل دشمن دین | مدد ذو الفقار می خواہم
با گناہِ ز حد فزون محزون | رحمت از کردگار می خواہم

دعوی یک بوسہ از لعلِ لبش می داشتم | خط برون آورد و مار اکرد آخر لاجواب

سپاس چمن آرای ازل کہ نوبہار فصل اول بمراد رسید - ودل ودیدۂ تماشائیان را سرمایۂ نشاط بخشید - قلم گرم رفتار عرقہا افشاند تا بہ شادابی این چمن پرداخت - وزبان آتشین گفتار شمعہا گیرند تا عرصۂ این سواد را روشن ساخت - اکنون طوطی ناطقہ فاتحۂ ختم می خواند - وتاریخ اختتام بہ عرض موزونان نکتہ سنج می رساند؎

ز نوکِ کلک من نقشے تراوید | کز و تصویر حیرانی است بہزاد
اگر تاریخ این تالیف پرسند | بگو "تحریر عالی کرد آزاد"

فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان ہندی جزاھم اللہ بجائزۃ الخیر

من ہیچمدان بازبان عربی وفارسی وہندی آشنایم - واز ہر سہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحی می پیمایم - در عربی وفارسی عمرہا مشق سخن کردم - ونورسان معانی را در آغوش فکر پروردم - مشق سخن ہندی ہر چند اتفاق نیفتاد - وفرصت تسخیر سپہر این قلمرو دست بہم نداد - امّا سامعہ را از نوای طوطیان ہند حظی وافر است - و

ذائقہ را از چاشنی شکر فروشان این گلزمین نصیبی متکاثر۔

معنی آفرینان عربی و فارسی خون از رگ اندیشہ چکانیدہ اند۔ و شیوۂ نازک خیالی را بہ اعلی مراتب رسانیدہ۔ افسون خوانان ہند ہم درین وادی پای کمی ندارند بلکہ در فن "نایکا بھید" قدم سحر سازی پیش می گذارند۔ کسی کہ زبان فارسی و ہندی ہر دو ورزیدہ۔ و با سفیدی و سیاہی آشنائی کامل بہم رسانیدہ۔ بہ تصدیق سخن فقیر می پردازد۔ و سجل دعوی خاکسار را بہ مُہر شہادت مزین می سازد۔

موزونان زبان ہندی در بلگرام فراوان جلوہ نمودہ اند۔ و دماغہا را بہ روائح صندل تر تازگی و شگفتگی افزودہ۔ لہٰذا فصل این جماعہ علیحدہ بہ تحریر رسید و شمامۂ معطری بہ دست بوشناسان حوالہ گردید۔

(۱) شیخ شاہ محمد بن شیخ معروف فرملی

عشیرۂ فرملیان بلگرام در روزگار اکبر بادشاہ عمدگی و اعتبار داشتہ اند و لوای فوقیت برافراشتہ۔

شیخ شاہ محمد دران عہد صاحب ثروت و اقتدار بود۔ و بحکومت احصار قیام داشت۔ و او در نظم ہندی اُستاد کامل بود۔ و گوی نکتہ سنجی از اقران می ربود جمیع ماہران این فن امروز استادی او را تسلیم می کنند۔ و سخن او را بجان خریداری می نمایند۔

آوردہ اند کہ در سرزمین ریہری چند وار حکومت محلی داشت۔ روزی با فوج خود بعزم شکار بر آمد۔ اتفاقاً از فوج جدا افتاد و عبورش بسر دہی واقع شد در سواد آن دیہ دختری صاحب جمال را دید کہ سرگین گاو را پارچہ می سازد نام دختر "چنپا" بود۔ و در ساعد خود زیوری داشت کہ آن را ہندی

"ثابت" گویند- و ابریشم سیاه دران تعبیه کنند-

شیخ شاہ محمد اشاره بآن زیور کرده گفت :-

"چه خوب بھنور بر کنول نشسته است"

بھنور زنبور سیاه و کنول نیلوفر را گویند- ابریشم سیاه را به زنبور و دست را به نیلوفر سرخ تشبیه داد که در موزونان هند مستعمل است- و عشق زنبور سیاه بر نیلوفر نیز نزد نکته سنجان هند مقرر چنانچه عشق بلبل بر گل و عشق قمری بر سرو نزد اهل فرس -

چنپا بزبان شکستگی جواب داد که :-

"بھنور نیست گوبرونده است"

یعنی جعل که در سرگین پیدا می شود-

شیخ شاہ محمدؒ ازین جواب محظوظ شد- و لطافت طبع او را دریافت- و او را بر اسپ گرفته در ربود- و بخانه آورده تربیت کرد- و او در نظم هندی فائق و در لطافت و ظرافت و بدیهه گوئی یگانه بر آمد تا بحدی که در نظم هندی از شیخ شاہ محمد سبقت برد-

دوهها فراوان در سوال و جواب شیخ شاہ محمد و چنپا بین الجمهور مشهور است- اکثر سوال از شیخ شاہ محمد و جواب از چنپا است- و این دلیل افزونی قدرت چنپا است که سوال را فی البدیهه جواب بهم می رساند-

روزی شیخ شاہ محمد و چنپا بر کنار دریا نشسته بودند-

شیخ شاہ محمد مصراعی گفت :-

"دھوم چڑا و نہت تر نگ موں یہ اچرج ہم آہ"

چنپا فی البدیهه پیش مصراع بهم رساند :-

"اوتل روپ کو کامنی مجّن کر گئی ساہ"

شبی در ایام برشکال کرم شب تاب در هوا می رفت-

شیخ شاہ محمد آن را دیدہ گفت :-

"سیام رین ہین کیتھ اورین چکن کوٹ دس"

چنپا بداہتہً جواب داد :-

"من متھہ باری دیٹھ بن پیہ تنیہ کھو جت پھرت"

وقتی شیخ شاہ محمد از سفر بخانہ آمد۔ چنپا چشم پُر آب کرد۔ چنانچہ از نرم دلی رسم زنان ہنود است۔

دران حالت شیخ شاہ محمد گفت۔

"رکم ورگ ڈھری سنار مم آیو بھایو نہین"

چنپا در جواب گفت :-

"لینہین ہین پکھار ملن ہتی نو درس بن"

شیخ شاہ محمد در آخر عمر استعمال افیون اختیار کرد۔ واکثر اوقات در شعر بمدح افیون می پرداخت۔ و چنپا قدح افیون می کرد۔ روزے این دوہا نوشتہ در محل سرا پیش چنپا فرستاد و افیون طلبید :-

جل تھنبھن بیراگ رپ ہاری باہن سوئے

چنپا دی پرہتا لئے یہ چوری تہاری ہوئے

چنپا جواب گفتہ با افیون فرستاد کہ :-

روپ گنواون جگ ہسن تجی کام کی کہاد

ہون تہہ پہو نچون سا یہ کہان بساہی بیاد

شیخ شاہ محمد در آخر حال بہ قنوج رفتہ اقامت اختیار کردہ ہمانجا ازین عالم انتقال نمود۔ از منظومات او چند نسخہ متداول است۔

دیگر از نتائج طبع او دست نخوردہ می یابد۔

پچھپ دشت اور کونج من ہیچ پر پواہنت
پھرنکی ہوئی کہنت سپخری تب بہینتی بہگونت

پنچ چہوٹی تیہ سیس سون بب پنج رہی اتنگ
مانٹھ پچن کلس تین امرت پیوت بہونگ

پہپ ترا ین چہرنس مانگ نک گنج راہ
بدن چند دن دیکہت ام کر بہو لوساہ

اِل مالا بپن گیش آہ کل دری پتار
مرگ مد کرنن کو چھوئی برن پاس تو یار

تل بنکٹ بہرکٹی ملن سو سو بہاجیہ جاگ
ادہر دہنک منون نر کہہ کی پانک پسارت کاک

مبٹ مبٹ بدہ بدہ سچت تو مکہہ اپان لک
جگ بیتی نہچت سچت بہیو نہ مکہہ سمک

تو مکہہ پانپ امیہ بدہ دیکہت نیت نہ کات
نین نچنر اکہت بب پیوت ہون نہ اگہات

پریتم نین ترنگ چڈہ چہانہہ جو میلت آئی
من پارا گہٹ کوپ تین ابہر دوہون دس جائی

مرگ نینی مرگ راج کٹ مرگ باہن مکہہ جاہ
مرگ انگ مرگ مدنانک مرگ نہ جہت سرتاہ

این سہ دوہا از چینپا نوشتہ مے شود

سا ہا انک دن ہون ہتے چتون کہنچی اکاس
بہیو کہٹولن کو سمی ایک ایک سنہ پاس

تاہ نہ ساہ بسارئے یا ادہا جیونت
ہم کمدن تم سردسس کریا کرن سومت
برہ اُساس جرت اب تیہ کت بن نا نہہ
منون سراوت تن تپت پرت جاہی وہ مانہہ

(۲) سید نظام الدین المتخلص بہ مدہنایک

بن سید علاؤ الدین بن سید حمزہ بن سید صدر جہان بن سید علاؤ الدین بن سید فاضل بن سید فتح محمد بن سید بڈہ بلگرامی قدس سرہ کہ ذکر شریفش در دفتر فقرا تحریر یافت۔

سید نظام الدین شہرۂ روزگار و در موسیقی ہندی یگانۂ ادوار است۔ در عصر خود ممتاز و مکرم می زیست۔ و صفت مروت و سخاوت بہ مرتبۂ کمال داشت و ہموارہ خلق خانمی وجود حاتمی را رنگی تازہ می بخشید۔ و در صحبت نکتہ سنجی و لطیفہ گوئی میر مجلسی بہ او مسلم می شد۔

ابتداء حال ذوق بہ نظم و نثر بہم رساند۔ و این فن را از اُستادان عصر سند نمود۔ و در ناظمی سرآمد برآمد۔ و کتب معتبرۂ فارسی را مستعدانہ درس می گفت۔

آخر طبع شریفش بہ علوم ہندی مائل گشت۔ و در شہر بنارس کہ بناء رس آست کتب سنسکرت و بہاکا کسب نمود۔ و بہارتی عظیم پیدا کرد۔ و در موسیقی ہندی از علم ناد و تال و سنگیت سازیکتائی نواخت۔ و محقق و مدقق این فن و نایک وقت شد۔ از ینجاست کہ مدہنایک تخلص می کند۔ و دو کتاب تصنیف کرد یکی ناد چندرکا دوم مدہنایک سنگار۔

ماہران فن موسیقی ہندی در ان عصر از اطراف و دور دست بخدمت او می رسیدند

ومشکلات را بہ حل می رسانیدند۔

نقشہای او مشہور است۔ و خوانندہا در وقت ذکر نام او گوش می گیرند و این ادبی است مصطلح اہل ہند۔ و در کلام میرزا صائب گوش گرفتن بر سبیل تعظیم بنظر درآمد ازینجا مستفاد می شود کہ در اہل ولایت ہم این رسم معمول است۔ میرزا می فرماید ؎

ہر جا کہ من سوختہ را نام برآید آتش نفسان گوش بہ تعظیم بگیرند

خواندن او کیفیتی داشت۔ بعض اوقات وحوش بہ استماع آن در مقام مستی و حیرت فرو می ماندند۔ تا بہ انسان چہ رسد۔

اُستاد المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طاب مضجعہ فرمود کہ وقتی امساک باران شد۔ سید محمد فیض بلگرامی کہ ذکرش در دفتر فضلا رفت بخدمت سید نظام الدین عرض کرد کہ از نایکان پیشین تصرفہا بہ عالم ظہور رسیدہ کہ بر زبانہا اشتہار است درین ایام کہ قحط باران و کار خلق خدا تباہ است اگر توانند تصرفی بہ ظہور رسانند۔ و بہ فریاد خلائق برسند۔ فرمود بندہ عاجز است و توانای مطلق جل شانہٗ بر ہمہ چیز قادر۔ و صندلی طلبیدہ در صحن دیوان خانۂ سید محمد فیض گذاشت و بر صندلی نشست۔ و راگ میگھ خواندن گرفت تا آن زمان کہ مقداری از ابر تنک پیدا شد و حال آنکہ بقول مشہور "ما فی السماء قدر راحۃ سحابا" ابری بقدر کف دست در آسمان پیدا نبود سید محمد فیض عرض کرد کہ خدمت گرامی بسیار تصدیع کشیدند۔ و برای متحقق شدن تصرف این قدر ابر کافی است۔ برنخاست تا آن زمان کہ ابر پہن شد و اطراف آسمان را فرو گرفت و آن مقدار باران بارید کہ روی زمین طوفانی گشت سید محمد فیض معذرتہا کرد و خلائق بہ دعاء خیر تر زبان گردیدند۔

سید را با ہندو دختری سندر نام عشق بہم رسید۔ دختر نیز بہ جذب عشق کامل دل از دست داد۔ رفتہ رفتہ راز گل کرد۔ قوم دختر بہ پرخاش برخاستند۔ از انجا کہ سر رشتۂ

محبت از ہر دو جانب مستحکم بود۔ سید معشوقہ را گرفتہ بہ شاہ آباد برد و زیور اسلام پوشانیدہ در حبالۂ نکاح درآورد۔ نواب کمال الدین خان بن نواب دلیر خان افغان صاحب شاہ آباد مراسم اعزاز سید فوق الحد بجا آورد و مدت اقامت آنجا لوازم مہمانداری نوعی کہ باید بتقدیم رسانید

بعد چندی شورش ہندوان فرو نشست۔ و سید بہ وطن اصلی معاودت فرمود و سالہا بر مسند زندگانی کامرانی کرد۔ و غرۂ رمضان المبارک سنہ تسع و تسعین و الف (۱۰۹۹) بہ گلگشت روضۂ رضوان خرامید و در بلگرام مدفون گردید رحمۃ اللہ علیہ۔

چند کبت از و بقلم می آید:-

:- سکیا برنن :-

سنگ لاگی ڈولت مکر سر ساکرن چتؤن بان کو جیہ تر کا ہو چتیو
للت رسن دب بولت کلت ونت ایکدہ ہسن ادہرن ہیبت ہنیو
اوکت ہوت نہ سر یر کننی سار چھبر کنت کہ کہتا کو کتھن کہو کہہ تنیو
رولس ہون سو رس ال سپنت نلن جیین دیوس کہ دیکھ کہنسار کا نتھی رتیو

:- سکلا ابہارکا :-

چندادی چلی چندمکہی تن گورہ چندن کہو رن کہو رہن
دونیہ جوت بڑھی چیت جو نضہ مانو پای بینکہہ کو رہن
جانی نجات جتی چلی جات چھپی نہہ بات سگندہن جو رہن
ہاتہ لیہن سرچیپن کون سو کیو سر نیچ پر پچھہ تو رہن

:- نین برنن :-

کاری کجراری انیاری جگ موہنی کون تن نیچ تاری ات ترل تربری ہین

جیسی ہین ساوک جاوک جل پہرین پہرکین سو کیسہون رہت نہ گہیری ہین
لال مدہنا یک سو میرو من موہنی کون پٹ پنجری پنجر رہت نہ ہیری ہین
سالوکی سدہار سو بہا بہا اوہکار ایسی ہین کی کہلونان کدہون ہین پیاری تیری ہین

چلکہ برنن گھونگھٹ مین :-

جو چترانن چیت چدہی نہ بدہی بدہ بیدن گرنتھ نہ گائی
بہارتھنی بہوری کری بہرہین چپ جوگن جوگ انیتھ گنائی
جو نکہہ جوت جگی نہ تہکی مدہنا یک گھونگھٹ چنچل تائی
جہین دو کول چہبی جہلکی اپنچہہ براجت اچہہ رجہائی

چند کی سیا منتا برنن :-

کوئی کہی چند کی مرکنک انک دیکہیت کوئی کہی چہایا چہت بہوتل پرکاس کی
کوئی کہی اندہکار بیوہی سو دیکہیت کوئی کہی کالمان کلنک انیاس کی
مدہ کہی ساہر لینون کرتار سب تاہی کی سنوداری بہامان کانہ کی ہلاس کی
تادن ہین چہاتی چہید پری ہین چہپا کری وار پار دیکہیت نیلتا اکاس کی

(۱۳) دیوان سید رحمت اللہ

بن سید خیر اللہ بن دیوان سید بھیکہ بلگرامی از اولاد سید محمد صغری است کہ ترجمہ او در دفتر اول بہ زبان قلم حوالہ شد و او سوای قبائل اربعہ مشہور سید وارہ است و نسب او بہ سید محمود عرف بڈہن می رسد کہ اسم او در ترجمہ سید عمر بلگرامی درہمان دفتر مذکور شد۔

دیوان سید بھیکہ

دیوان سید بھیکہ از عظماء عہد بود۔ و در سخاوت و شجاعت و مروت و نباہت طبیعتی شہرۂ روزگار می زیست و وجاہت صوری را با وجاہت معنوی فراہم داشت۔ و در

سرکار نواب احتشام خان و نواب محتشم خان عالمگیری و نواب مرتضیٰ خان

والاشاہی عالمگیری صاحب اعتبار و عظیم الاقتدار بود

ہنگامی کہ ہندول بیانہ در علاقۂ نواب مرتضیٰ خان در آمد۔ زمینداران قطاع الطریق تلوہای پادشاہی را از دست قاصدان بغارت بردند۔ نواب مرتضیٰ خان بنا بر آنکہ سرکشان بہ تمرد و جرءت مشہور بودند متامل شد تا کرا حکم تدارک کند۔ دیوان سید بھیکہ این معنی را از چہرۂ نواب دریافت۔ و با برادران خود سوار شدہ بر سر مفسدان رفت۔ و بہ ضرب شمشیر راجۂ آن ضلع را با اہل و عیال دستگیر کردہ پیش نواب آورد۔ و تلوہا مسلم بدست آمد۔ نواب مرتضیٰ خان تلوہا را بہ حضور خلد مکان فرستاد۔ و تردد دیوان سید بھیکہ معروض داشت۔ دیوان مورد تحسین و آفرین شد۔

دیوان تا سی و یک سال ۱۱۳۱ از طرف نواب اخلاص خان خویشگی عالمگیری بہ حکومت سیوندہ وغیرہ محالات جاگیر نواب مسطور از نوابع صوبۂ اودہ قیام داشت۔

بعد ارتحال نواب اخلاص خان محالات مذکورہ بہ نواب مرتضیٰ خان مقرر گردید۔ و نواب مرتضیٰ خان بنا بر ارتباط سابق و بواسطہ آنکہ نقش میر سید بھیکہ از مدتی در ان الکہ خوب نشستہ بود۔ بہ آرزوی تمام میر را طلبید و حکومت محالات تفویض نمود۔

قضارا بعد یک ماہ ازین قضیہ نواب مرتضیٰ خان از منصب حیات معزول گشت و حامد خان پسر نواب مرتضیٰ خان کہ در آن ایام حکومت خطۂ بیسوارہ داشت برای محاسبہ پنج سوار از کچہری خیر اندیش خان دیوان لکھنؤ بہ احضار میر سید بھیکہ تعین نمود۔ سید ضیاء اللہ بلگرامی کہ در فصل اول ذکر یافت سفارش

میر سید بھیکہ بہ خیر اندیش خان تحریر فرمود - نامۂ سید در ینجا ثبت می کنم کہ شمۂ احوال میراز ان بوضوح می انجامد - نامہ این است :-

" از ان مدت کہ تشریف باین ملک اتفاق افتاد - چون حقیقت سکنہ این دیار از وارد
" وصادر بسمع شریف رسیدہ باشد و می رسد چہ احتیاج کہ در اظہار وقائع بلگرام تکرار پرداختہ
" دردسری بتحصیل حاصل رود لیکن بمقتضای ضرور کہ لازمۂ بشریت است تکرار اظہار ناچار شد -
" حقیقت حضرت قبلہ گاہ دیانت پناہ سیدی میر سید بھیکہ کہ از مشاہیر کبار این دیار است
" یقین کہ مسموع شریف گشتہ باشد کہ آن بزرگ بعد از آنی کہ بچہل سالگی رسید از وطن برآمدہ
" مدت پنجاہ سال در خدمت امرا و ملوک گذرانیدہ حق گذاری و دیانت داری را بجدی رسانید
" کہ مدار علیہ ہر سرکار و صاحب اختیار ہر کار گشتہ سزای تحسین و آفرین شد - بالفعل کہ سال
" وی بہ نود کشیدہ و قوای خود را از خدمت بزرگان معطل دیدہ چارۂ کار بی آنکہ آمدہ بوطن
" رونشیند نیافت - مرتضیٰ خان مرحوم را چون بر دیانت و کمالات او اطلاعی تمام بود غرض خود
" خود را برقصد سید مقدم داشت - چون الحاحی بغایت کرد - انکار سید پیش نرفت - بعد از آنی
" کہ عازم این پرگنات شد چل روز تمام نگذشت کہ مرغ روح نواب بہ آشیانۂ علیین پرید - مردم
" پرگنہ کہ ازین واقعہ متنبہ شدند پیش از انکہ میر از حویلی برآید کوچہا بربستند از انجا کہ غلبۂ اسلام
" یقینی است برادران ہمراہ کہ آہن خائی بہ عادت داشتند رکاب میر را نگذاشتند بجالت بخشش
" ہر مایۂ فساد شدند - میر را چون طاقت عود بدہلی نبود ناچار قصد وطن نمود حرکت بی آنکہ متمسک
" بہ عصا کند متعذر شدہ بالفعل حالت پیری این و تحمل نوکری آن و شدت افلاس کہ نتیجۂ دیانت
" است زیادہ از آن - و طلب کچہری کہ باغوای حامد خان شدہ علاوہ بر آن - اکنون بجز
" خدا پناہی نیست ؎

" در چار موج حادثہ یکتا خدا بس است   چون ناخدا مدد نرساند خدا بس است

" مسموع است از حدیث شریف کہ این خلائق از عیال خدا است - اکنون بندہ ہای خدا می خواہند

"و که این تسعین[۹] را متعلق ندانسته بقید حساب کشند و بتقصیر خدمت یک ماه اهانت آن بی گناه کنند جای وحشت است والسلام"

چون این نامه به خیر اندیش خان رسید- میر سید بهیکه را از مطالبه معاف داشت لیکن سید رحمت الله ابن الابن میر مسطور که محاسب ممتاز بود به رغبت خود رفته به کچهری حاضر شد و بعد حساب فارغخطی حاصل کرده خود را بخدمت جد بزرگوار رسانید-

میر سید بهیکه به جناب میر سید طیب بن میر عبد الواحد اکبر بلگرامی قدس الله اسرارهما بیعت داشت- و بعد خانه نشینی اوقات را به طاعت و عبادت معمور می داشت تا آنکه نهم شهر ربیع الاول روز پنجشنبه سنه اربع و تسعین و الف (۱۰۹۴) در جوار رحمت آسود- و پائین مزار میر عبد الواحد مدفون گردید-

امّا سید خیر الله بن دیوان سید بهیکه همراه پدر خود می بود سید بهیکه عبد الرحیم نامی را متبنی گرفت و او را سر فوج ساخت- سید خیر الله را این معنی گران آمد و از پدر جدا گردید- و این قضیه یاد از قضیه اسامه بن زید رضی الله تعالی عنهما می دهد-

سید خیر الله در سرکار قباد خان عالمگیری و امراء دیگر نوکری می کرد تا آنکه سید بهیکه وسائط برانگیخته سید خیر الله را طلب فرمود و او فرمان پدر را امتثال نمود و در جنگی به زخم تفنگ جرعهٔ شهادت چشید-

امّا دیوان سید رحمت الله بن سید خیر الله دختر زادهٔ سید لطف الله بن سید حسن بن سید نوح بلگرامی است- ذکر سید حسن در دفتر فضلا گذشت

سید رحمت الله در خدمت جد بزرگوار تربیت یافت- و به نیابت او بسرانجام خدمت می پرداخت- چون دیوان سید بهیکه را پیری دریافت سید رحمت الله

عرض کرد که حضرت حالا در خانه نشینند و من خدمت بجا می آرم جد بزرگوار ملتمس اورا قبول کرد۔

سید رحمت الله بحکومت جاجمؤ و بیسواره وغیره می پرداخت و در دیانت و راستی دقیقه از دقائق فرو نمی گذاشت۔ و مدبر و شجاع و صاحب عزم و عالی همت بود و اکثر مواضع قلب را تسخیر کرد و سرکشان را مطیع و منقاد ساخت۔ و از سرکار خیر اندیش خان عالمگیری و از سرکار عبد الصمد خان روشانی و امراء دیگر نیز محالات فراوان داشت و با وارد و صادر سلوک پسندیده می کرد۔ و دست جود و احسان کشاده می داشت۔

سید حبیب الله

بعد رحلت جد بزرگوار با برادر اعیانی خود سید حبیب الله جانب دکن به اردوی خلد مکان رفت و پادشاه را ملازمت کرد۔ روز ملازمت خلد مکان با شاهزاده محمد اعظم شاه فرمود که این خانه زاد قدیم ماست و پدرش نلو هار را از قطاع الطریق بهادرانه بدست آورد۔ سید رحمت الله به منصب دوصدی و جاگیر از محال سائی پرگنه و سید حبیب الله به منصب صد و پنجاهی سرافرازے یافت۔ بعد چندی سید حبیب الله در دکن فوت شد۔ و سید رحمت الله به جاگیری که یافته بود اکتفا نموده بوطن رسید۔ و برای تربیت برادر زادهٔ خود سید کرم الله بن سید حبیب الله به سلیم پور رفته اقامت گزید۔ تزویج سید حبیب الله با دختر سید پیاری حسینی واسطی اناهی شده بود و سید پیاری سید حبیب الله را خانه داماد ساخت۔ ازین جهت اولاد سید حبیب الله در اناهم می بود۔ اناهم بروزن حکام از توابع لکهنو است و سلیم پور یکی از قرای اناهم است۔

آخر سید رحمت الله در سلیم پور سیزدهم شهر ربیع الآخر سنه ثمان عشر و مائه و الف (۱۱۱۸) به رحمت حق پیوست نعش او را در بلگرام آورده به خاک سپردند۔

سید رحمت اللہ در ہندی اُستاد عصر بود۔ علامۂ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی تعریف خوش فہمی او بسیار می کرد۔

در ایام حکومت جاجمؤ با دفروشی از تلامذۂ چنتامن شاعر مشہور ہندی آوازۂ کمال دیوان سید رحمت اللہ در فن ہندی شنیدہ خود را بہ حاشیۂ محفل دیوان رسانید روزے دوہۂ از منظومات چنتامن در "اننیا النکار" پیش دیوان خواند۔ درین مقام اول "اننیا النکار" را بہ نگاریم بعد از آن سر رشتۂ مقصد اصلی بدست آریم۔

"اننیا" بہ ہمزۂ مفتوح و نون اول مضموم و نون ثانی مشدد مکسورہ و یای تحتانی مفتوح آخر الف بہ معنی بی شبہ و "النکار" بر وزن جمپن کار صنعت فن بدیع۔ و "اننیا النکار" آن است کہ مشبہ و مشبہ بہ یکی باشد۔ فقیر را بنظر تتبع نرسیدہ کہ کسی از ادبای عرب و فارسی این تشبیہ را استخراج کردہ باشد حال آنکہ فی نفسہ موجود است چنانچہ در کلام فارسی شاہدی از دیوان ملا ظہوری ترشیزی بر آوردم کہ ؎

چون ظہوری بجز ظہوری نیست در محبت یگانہ می باشد

و در منشآت میرزا جلالای طبا طبا ہم بیتی یافتہ شد کہ ؎

آب رُخ آئینۂ جم منم ہمچو منی گر بود آن ہم منم

و خود ہم در سلک نظم کشیدم ؎

ترا می رسد ناز ای دلستان توئی چون تو خیل خوش طلعتان

و در عربی نیز بہ ادای این تشبیہ پرداختم کہ ؎

رأت کثیر حسانٍ فی الوری مثلی مالاح مثلك الا انت یا املی

محرر کلمات گوید:۔ علمای عرب و فارس این تشبیہ را در فن بیان آوردہ اند و اہل ہند در فن بدیع تحقیق مقام آنکہ در صورت اتحاد مشبہ و مشبہ بہ تنزیہ است در صورت تشبیہ۔ چہ علما تشبیہ را تعریف کردہ اند کہ "ھُوَ الدّلالَۃُ عَلٰی مُشارَکۃِ

أَمْرٍ لِآخَرَ بِالْكَافِ وَنَحْوِهٖ" وازینجا دریافت شد که وجود تشبیہی مغایرت مشبہ و مشبہ بہ متصور نیست۔ و تشبیہ را سہ رکن است مشبہ و مشبہ بہ و وجہ شبہ۔ پس مقصود قائل از وحدت مشبہ و مشبہ بہ تنزیہ ممدوح از تشبیہ و اثبات یکتائی اوست بہ تفنن عبارت چہ عبارت "چون تو کسی نیست" و "چون تو توئی" ہر دو یک مآل دارد کہ آن تنزیہ باشد۔

وصنعتی دیگر ازین قبیل در کلام ملا ظہوری یافتم کہ مفضل و مفضل علیہ یکی باشد اگرچہ این صنعت با مطلب کتاب کار ندارد اما برای مزید فائدہ تحریر می یابد کہ؎

نتوان گفت ز خوبان دگری می باشد ہم توئی از تو اگر خوبتری می باشد

بخاطر می رسد کہ نام اول "تَمْثِيْلُ الشَّيْءِ بِنَفْسِهٖ" و نام ثانی "تَفْضِيْلُ الشَّيْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ" گذاشتہ شود۔

القصہ دوہہ چنتامن در "اننیا النکار" کہ شاگردش نزد دیوان سید رحمت اللہ خواند این است؎

ہیو ہرت ارکرت ات چنتامن چت چین
وا مرگ نینی کی لکھی داہی کیسی نین

دیوان دخل کرد کہ این مثال "اننیا النکار" نمی تواند شد زیرا کہ نایکا را مرگ نینی گفت۔ و مشابہت چشم او با چشم آہو ثابت شد۔ شاگردش این دخل را مسلم داشت۔ وہرگاہ نزد چنتامن رفت دخل مذکور را نقل کرد چنتامن ہم اعتراف نمود۔ و دوہہ را تغیر داد؎

وا سند کی بین لکھی داہی کیسی نین

و این چنتامن ساکن کوڑہ جہان آباد است و دو برادر او بہوکن و متی رام نیز شاعر خوش فکر مشہور اند۔ چنتامن در علم سنسکرت سر آمد اقران بود و

چنتامن شاعر ہندی

و در سرکار شاه شجاع بن شاهجهان بادشاه با عزّت بسر می برد و او را تصنیفی است "کبت بچار" نام که درمیان سخن سنجان متداول است و دوهه مذکور در انتیا النکار در کبت بچار داخل است۔

الحاصل چنتامن بعد استماع آن دخل مشتاق دیوان سید رحمت الله شد و به تقریب غسل دریای گنگ که از تخت جاجمؤ می گذرد با قبائل خود به جاجمؤ رسید۔ و دیوان را دریافت۔ دیوان لوازم مهمان نوازی نوعی که باید به عمل آورد۔ چنتامن مدتی نزد دیوان اقامت کرد۔ و به مناسبت موزونیت صحبت گیر اُفتاد۔ و کبتی در وزن "جهولنا چهند" در وصف شجاعت و جوان مردی سید رحمت الله نظم کرد۔ کبت این است ؎

"گربه گهه سنگهه جیون سبل گل گاج من پبل گج باج دل ساج دهایه"

"بجت اک جمک گهن گهک دندبهن کی ترنگ که دهمک بهو تل هلایه"

"بیرتهه کهنت هیه کنپ ڈر جو رسن سیهن کو سور چهون اسه چهایه"

"کهو چپل پائی تج ناه سناه یه رحمت الله سرناه آیه"

دیوان زری نقد و خلعت زرین سنگین صلهٔ کبت بخانهٔ چنتامن فرستاد و بعرض رسانید که می خواهم در حضور دالاقامت مباهات خود را به آئین خلعت آرایم۔ دیوان زبان به معذرت کشود که این لائق شما نیست۔ غائبانه قبول باید کرد۔ آخر چنتامن در حضور دیوان آمد۔ و سر مجلس کبت را خواند و خلعت پوشید و انعام برگرفت۔

کبت مذکور در نسخهٔ "کبت بچار" بعد کبت مدح سلطان زین الدین محمد بن شاه شجاع ثبت است۔

دیوان سید رحمت الله کتابی دارد "پورن رس" نام۔ این چند بیت دوها ازان کتاب کسوت تحریر می پوشد ؎

کاری سٹکاری کری کہری سرس سکمار
لوٹن ہاری جگت کی لوٹن ہاری بار

سوہت بینی پیٹھ پر جہینین پٹ کی بہائی
لوٹت ناگن کنول دل انگ پراگ لگائی

مانگ سہاگ بہری الی ہب پاٹی چہب چہائے
سیام منون گھنسیام مین چپلا لیک لکھائے

بہونہہ کمان سمان کی کت تکیت انکہائے
کدہ من سونن تور کی تہارو پیارو پائے

آن بان کو کہت ہین تہین بان سمان
دی لاگت سالت جو یہ دیکہت بیدہت پران

ہوئی ترچھی تکبو بہنتو بہامنی بہیر
چپھہ چیتون چیت مون کئی کاڈہت بادہت پیر

سندر مکھہ چوکا حمک اپمان گوبرنی نہ
آنند مندر مین جڑی ہیرا جڑیا مین

کراچپائی جہپائی تیہ دہاری بیچ انخہ بہائی
منو چپلا دوئی توک ہوئی گری بہوم پر آئی

سوبرن رنگ مہندی رچو چہلا جڑاؤ ساتھہ
ہاتھی وسئے ساتھی کیو موہن من آون ہاتھہ

اوپمان سندر نکہن کی من آوی نہین اور
اندیدہو اسیند کی کلن بہئین سرمور

چہلا چہیلی چہانگین بب چہب مل اک ساتھہ

پھلت پھیل منکوکرت پھلا کلا کی ہاتھ
اودرلست رو ماولی موہن موہن بہانت
مانو سبرن پان پر کام منتر کی پانت

نابھہ کوپ ناگن نکس چلی کنول مکھ چاڈہ
ٹہٹ کی دیکھہ میور کریو کچ گرکی کراڈہ

گوری بھوری کورٹی تھوری بہیں سہائی
بھوری بھوری بات سون چورت من کو آئی

لسنت سپت پچھوریان انگ کیسری رنگ
کنک بیل سی جھلملی بال چاندنی سنگ

پیہ تیہ رت بپریت کون پگ گہہ کر منہار
ہٹت ہنست ستہرات ورگ للچاوت رجھوار

بیچ اچاٹی انگڑائی بن پیہم جتائی جھائے
چٹ پٹ ہرہرنی کٹی ٹھگ لاڈو دکھرائے

ہرمرلی ہرکی لئے دہری ادرج بنین
راگ رنگی پیہ بین تیہ کری ہی پر بین

کھیلت پہاگ ہلاس سون بہاگ بہری لکھہ ناتھہ
موٹھی داڑ گلال کی من کیو موٹھی ماتھہ

جھک جھک کھیلت ہی للی جھومر سکھن سماج
جھوم جھوم من بیگت کی پریت پگن پر آج

بھوہنہ چڈہائی جتائی رس بھونہ مان جتائے
انہت ہی پیہ من بھنو اوتہن اینٹھ بتائے

گھٹ لیئے گھاٹ چلی الی نٹ کی ستمکھ ہوت
گھٹ پٹ کی سدھ گھٹی مٹکی مکھ کی جوت
للن چلن کی نام سن گری گھوم کی بھوم
پیارین پیاری لکھ پیاپران دئی مکھ چوم
پھاگن مانس نہ آئی ہو پیارے پرانن ایس
کھوری ہوری لپٹ سنگ کہہ ہین پران اسیس
کہہ کہہ اٹھت جری جری گھری گھری وہ بال
چل کی نیک بلو گئی انہیں ہت کوہال
کہت سبیس کر دھر سنون سیام بام پرانیس
کنٹھے نکٹ سانسک رہی سو وکرت اسیس

(۴) میر عبدالجلیل بلگرامی نور اللہ ضریحہ

پیشتر نی قلم واسطی نژاد گوش مستمعان را از تصانیف والا چہ حجازی وچہ عراقی نواختہ۔ اینجا شکر ہندی می افشاند وطوطیان ہند را غذاے روحانی می رساند۔

رتبۂ عالی از ان برتر بود کہ لب بہ ترہات شاعری سیما منظومات ہندی کشاید وزبان مختاط را بہ گفتگوی دور از کار آلاید لیکن احیاناً اگر قصیدہ جگرے التماس معالجہ می کرد بنا بر جامعیت فنون تباشیری از نی ہندی بر می آورد چنانچہ خود می فرماید ؎

شعر گر فضل من بپوشیدی ۔۔۔ می شدم در فن سخن اقدم
گر بپرسی نہ جامعیت من ۔۔۔ میر خسرو دہد جواب نعم

مصر دواکر شاعر هندی

مصر دواکر بن مصر بہر بلنس کہ از براہمۂ معتبر بلگرام است و در فنون سنسکرت و بہاکا مسلم خاص و عام۔ و علامۂ مرحوم ور ابہ ملازمت امیر الامرا سید حسین علی خان رسانید و در سلک ندماء نواب منسلک گردانید۔ دوہرہ در مرثیہ آنجناب نظم کردہ و بیان واقع بہ عالم اظہار آوردہ کہ ؎

"ہوا نہے او ہوے گا ایسو کنہن سو سیل"

"جیسو احمد نند جگ ہوی گیو میر جلیل"

از غرائب اتفاقات آنکہ چون این دوہرہ را عدد کردہ شد بی زیادت و نقصان تاریخ بر آمد۔ رحلت آن جناب بیست و سوم ربیع الآخر سنہ ثمان و ثلثین و مائۃ و الف (۱۱۳۸) واقع شد۔

از منظومات عالی "سکھ نکھ" در وزن بھیروی ست۔ این چند گل ازان چمن چیدہ می شود ؎

الناصم پوہتی پر لکی ابھضہ بھائی — جیون جڑائی کو ٹیکو بہال سہائی

کیس پاس کی پھانس پھانسو لوگ — ایک سیام تم اویری الگ سنجوگ

پھلواری گہونگھٹ کی پائین جات — سمن باس بن چہائین نہیں سہات

واکپول سترل نین در بن ہار — پرت انت جھونٹی کی مکہ چہار

دانل دیکہی پترن باڈھت جوت — وت جیکیون دیکہی ہلست کوت

لکہ کوپت والکروان اتہہ ابہرام — ہوئی اتیت کر ڈاری سیری سیام

سنگہنا نہہ جیو موری دہون کیا کہوئی — کری لاک جہان بجہر لو بہت تہان چوئی

تکہن جہلک مہندی سنگ نین دین — چنین لال ترجبین ڈاک نوین

بہاو نا بہہ کی ترکو کہو سمجہات — کنول کلی لو موندی بہلی یہ بات

بیٹہی پیٹہہ دودل متو جو کیس — لانبی چکلی پاتن من ہر لین

چکل جنگہہ سوموہن انکو جاسہ — انت باندہیت کنہی کہنین لاسے

کنول سا بجھ موندت نہیں کوس سکور   واچرن کو بندت انجل جور

وازمنظومات والا است این چند دوہہ

پہلواری جگ مین سے سینچت لی لی باس
سوکہی روکہہ پلاس کون رُت بسنت کی آس

رجنی سجنی بیہ سنگ پاؤن روپ بہات
اب پریتم بچھری بہئی پاؤن پک کی بہانت

تونا ساکی ڈاڑہ کی کیر لگی جیبہ کو بیچ
رہر کہو نٹو نت کری کہی دیت ہی چوچ

پیاری تیری چرن کی کہون کہان نو بھید
چہن بچہرت جا کی پری چہاوان چہاتی چھید

(۵) سید غلام نبی بلگرامی

ہمشیرزادۂ میر عبدالجلیل بلگرامی - ترجمہ او در فصل اول جلوہ پیراست
و درین فصل نیز بہ اداہای نازک ہوش ربا

اگرچہ جلمش در قلمرو سخن فارسی وہندی نفاذ دارد - اما بہ تسخیر سواد اعظم ہندی
نوعی پرداختہ کہ سرکشان پای تخت سخن را یک قلم از اوج غرور انداختہ - الحق ہیچ
طوطئ در ہندوستان بخوبی کلکش شکرافشانی نمودہ - وہیچ طاؤسی درین بوستان
بہ نیرنگی فکرش بال و پر نکشودہ - جوہر تیغ ہند از نیزۂ خطی بہ این حسن وانمودن جز
او کہ می داند - و چاشنی نیشکر ہندی از قلم واسطی باین لطف مہیا ساختن ہیچ او کہ می
تواند -

میرزا محمد امین چون قصائد عربی فقیر واشعار ہندی میر شنید - خطی کرد - واین

قطعہ در سلک نظم کشیدہ

درین زمانہ کہ ارباب فضل کمیاب است	ز بلگرام دو شخص اند در سخن اُستاد
یکی امام زمان سید غلام علی	کسی بہ شعر عرب مثل او ندارد یاد
دگر جہانِ ہنر سید غلام نبی	رساند فطرتِ او شعر ہند را بہ مراد
نگاہدار الٰہی ہمیشہ ایشان را	بہ مُرسَلِ عَرَبِیٍّ وَّ آلِہِ الْاَمْجَادِ

میرزا جانجانان مظہر دہلوی سلّمہُ اللہُ تعالیٰ فن شعر ہندی از میر غلام نبی اخذ نمود۔

از نتائج فکر او "سکھ نکھہ" صد و ہفتاد و ہفت دوہا است کہ آن را "انگ درپن" نام گذاشتہ و دیگر "نایکا برنن" کہ در ۱۱۵۴ہجری ہزار و صد و پنجاہ و چہار ہجری تصنیف کردہ و مطابق این سال دوہا در خاتمۂ کتاب درج نمودہ و "رس پربودہ" نام مقرر ساخت معنیش آنکہ ازین کتاب تسلّی و خاطر جمع در بیان رس می شود۔

مخفی نماند کہ نزد اہل ہند مقرر است کہ تغیر و کیفیتی کہ در انسان از دیدن یا شنیدن چیزی پیدا شود۔ و بعد از آن استغراق کامل دست دہد آن را "رس" گویند و آن نہ حالت است۔ و کتاب "نورس" کہ ملا ظہوری دیباچہ آن نوشتہ این معنی ہم دارد۔ نو در ہندیہ نہ را گویند۔ از ان نہ حالت

اول۔ "سنگار رس" کہ عبارت از کیفیت کمال محبت است کہ مرد را از دیدن زن یا شنیدن اوصاف او پیدا می شود و ہمچنین کیفیتی کہ زن را از دیدن مرد یا شنیدن اوصاف او ہم می رسد۔

دوم "ہاس رس" کہ عبارت از کیفیت کمال ضحک است۔

سوم "کرن رس" کہ عبارت از کیفیت کمال غم است۔

چہارم "رودر رس" کہ عبارت از کیفیت کمال تہور است۔

پنجم۔ ''بیررس'' کہ عبارت از کیفیت کمال شجاعت وسخاوت وغیرہ است
ششم۔ ''بھیانک رس'' کہ عبارت از کیفیت کمال خوف است
ہفتم۔ ''بیبھتس رس'' کہ عبارت از کیفیت کمال کراہت است
ہشتم ''اوبھت رس'' کہ عبارت از کیفیت کمال تعجب است
نہم ''سانت رس'' کہ عبارت از حالتی ست کہ دران حالت ہمہ لذتہا محو شود و
ہمہ نیک وبد یکسان نماید۔ واصل منشاء این حالت ترک وتجرید است۔

ودرین کتاب اکثر مقامات راکہ از مصنفین پیشین کم کسی بہ تحقیق آن رسیدہ میر بہ دقت
ونازکی تمام آن مقامات را حل نمودہ مثلاً فرق درمیان اقسام دھیرا وکھندتا و
فرق درمیان بچن بدکدہا وسوبن دوت وفرق درمیان کریا بدکدہا وبودھک ہا۔
وسبب جدا شدن انبہ سبنوک وکھتاد کرتیا ومانتی از ہشت نایکا با وجود شریک
بودن این مجموع درا وستہا بھید کہ مراد از اقسام حالات است خوب بیان کردہ۔
ودیگر مقامات کہ تفصیل آنہا اطالت می خواہد بوجہ احسن ضبط نمودہ۔ ودر ایجاد واختراع
مضامین دقیق وخیالات نازک چہ قدر قوت فکری صرف کردہ۔ تمام نسخہ از اوّل تا
آخر تمثیلات تام دارد۔ ومجموع کتاب انتخاب وسحر حلال واقع شدہ۔

وسوای این دو کتاب کتب متفرق متضمن مضامین لطیف بسیار دارد و ''رسلین''
تخلص می کند۔ لین بمعنی محو است یعنی کسیکہ در رس محو باشد۔

درین مقام صد وبیست وپنج دوہا از ہر دو نسخہ بمراعات ترتیبی کہ در کتاب است
انتخاب زدہ۔ وچند کبت چیدہ ثبت می شود۔

اول۔ از انگ درپن

:۔ منگلا چرن :۔

سو پاوت یا جگت مون سرس نیہ کو بھاسے

جون تن من تین تلن لو بالن ہاتھ بکاے

-:جورا برنن:-

چندکھی جورد چتی چت لینہون پہچان
سیس اٹھایو ہی تمر سس کو پاچھو جان

-:ارن مانگ پاٹی جت برنن:-

تیین مانگ نہ ارن کن مدن جگت کون مار
اسنت پہری پرئی دہری رکت پہری ترِوار

-:بھونہہ اینٹھ برنن:-

اینٹھن ہون اوترت دہنک بہ اجگت کی تان
جیون جیون اینٹھت بھرودہنک تیون تیون جڈہت ندان

-:کرن مکت برنن:-

مکت بھئی گھر کہوئی کی بیٹھی کان جاے
اب گھر کہوت اور کی کیجئی کہا ادپاے

-:نتر برنن:-

ترنگ دیٹھ انگین دہرین برنین دل کے ساتھ
تیوری چڑھہ مکھ کی جگت کیو جہت سب ہاتھ

-:کاجر برنن:-

ری من ریت پچھترہ تیہ نینن کی چیت
بکھہ کاجرنج کھائی کی جیہ اورن کی بیت

-:کاجر کورین برنن:-

تیہ کاجر کورین بڈہی کیہ پورن کب پچھ

للہیت کہنجن اچھ کین پچھ الکچھ پر پچھ

-: نترن کی لال ڈوری برنن :-

انجن کی دورت نہین لوین لال تر نگ
کورن پک دورن لگت تور پورن کو رنگ

-: ناسکا برنن :-

چھاک چھاک تو ناک سون یہ پوچہت سب گانو
کئی نواسن ناس کی لہیو ناسکا نانو

-: لنکن برنن :-

تھک لنکن نتھ پاس لئی پائی ناسکا ساتھ
مار مرور یو جگت تیو نٹ نٹ دولت ہاتھ

-: پناری برنن :-

للت پناری کلت یون لست ادہر سکمار
منون اہی بہاست پریو چنھ انگری بہار

-: ادہر برنن :-

تیرس دتیا دوہن سس ایک روپ نجہ ٹہان
بہور سانجھ کہہ ارنئی بہئی ادہر تو آن

-: مہندی برنن :-

بارہ منگل راس کن سوئی سب مل آئی
ابجہہ دوہتھیرن دس نکہن مہندی بہئی بنائی

-: سکمارتا برنن :-

لگت بات تا کو کہان جا کو ببچہم گات

نیک سانس کی چھوک مین پاس نہیں ٹھہرات

-: روما دل برنن :-

امل اودر و اسگہر بین روما دل کی بھیکھ
پرگھٹ دیکھیئی سانس کی آواگون مین ریکھ

-: پیٹھ کی نال برنن :-

نہین پیاری پیٹھ تو کیتھو دیٹھ بچار
دھسک گئی بہہ بہار تین بینی کی سکمار

-: کٹ برنن :-

سنیٹ کٹ سہم نپت تکت ندیکھت نین
دیہہ مدہ یون جانئی جیون رسنا بن بین

-: جنگھا برنن :-

سیس جٹا دھر مون گہہ کھڑی رہین ایک پای
اپنی تپ کدلی نیو لہین نہ جنگھہ سبھای

-: پگ تل برنن :-

لکھہ پگ تل کی مرو لتا کب برنت سکچانہہ
من تین آوت جیبھہ لون مت چھالی پرجانہہ

-: نکھہ برنن :-

دوت وا اوت نکھن کی بھنی کون کب ایس
پای پرت پہت چاہ کو بہیو چند بہہ سیس

-: تترپ انگ برنن :-

کہہ سیس نکہہ چکور اورتن پانچ لکھہ مین

پگ پنگج دیکھت بھنور ہوت نین

دوم - ازرس پربودہ

:- پریت بھاو :-

نوہت نو تریہہ کو اچھنو ہر ہیہ آئی
سرت سلل سینچت رہت پیہل ہون کی جائی

:- سکیا :-

دہرت نہ چو کی ننگ جٹی پاٹین ارپن لائی
چھاتہہ پری پرپرکھہ کی جن تیہ دہرم نساٹی

:- الکرت جوبنا مگدہا :-

یون بالا جوبن جھلک ارجن ہین درسائی
جیون پرگٹت من کو بچن بیہہ پٹرن ہیں آئی

:- نو جوبنا مگدہا :-

جیون بیہہ تنتہ باڑہت کلا جوبن سیس ادہکات
تیون سنتانس تمرگہٹ جیب دُت چھپیت جات

:- پنچھنہ :-

انست ہین تو ارج انکست جھلک سبھائی
اکس نکس سب تین کی پری جین ہین آئی

:- گیات جوبنا مگدہا :-

سکھن کنت لون تیہ نین کچ تک بہس لجات
الو کمل کلین جتی البن ہلس نہ جات

—: اگیات جوبنا مگدہا :—

داون باندہی سانس بین ہور سکھن سون لائی
سو میر بن بیہ تہور رہوئی ہیہ بین اسی آئی

—: نبودہا مگدہا :—

سکہن کہین لال آبہرن نیک نہ پھرت بام
من ہین من سکچت ڈرت بہرم لال کی نام

—: پشٹربدہ نئو دہا مگدہا :—

ہنست ہنست رت بات لہہ یون روئی کہہ تیہہ
دیک دیک جیون دامنی ناجہین برسی مینہہ

—: پچھہ :—

نیہہ اگیان ارگیان بین پریم نہ دیت جائی
جن گنگ بہہ پائی کی رہی سرستی بہائی

—: مگدہا کی سرت آنت :—

یون بنجت کو اوللا ابلن انگ بنائی
لی پہپ کی باس لون سانس نہ پائی جائی

—: دہیا :—

پیہہ تیہ پلن کپاٹ کٹ نرکھہ لیہہ درگ کور
کہلت پریم کی جوڑ بن مندت تیم کی چور

—: پچھہ :—

رشین سن پادت نہیں لاج پریت کو انت
دہون اور انچہ پہرے جیون بب تیہ کو کنت

-: مدھیا انت کاما :-

یون نیہ نہین لاج مین لست کام کی بھائی
ملیو سلل مین نیہہ جیون اوپر ہین درسائی

-: مدھا کی پرت :-

کان پرت مرگ لون پری مرچھہ للن کی پران
کنٹھ ٹھنک نوپر جھنک دھن لئی جب تان

-: مدھیا کی پپریت :-

رمت رمن پپریت یون لاج مدن مین چھاک
جیون رتھہ ہانکت سارتھی دھون لیک کون تاک

-: پپروڑھا :-

جب بنتا برکھ راس مین رب جوبن چمکائی
مدن تپن پرت دیوس مدہ لاج سیت گھٹ جائی

-: پپروڑھا کی سنزاننت :-

ڈھرک پری کہون اریسی نکھ رچھ سیس سہائی
نرن چھپیو منون کر سکھ دوتج نکس درسائی

-: مدھیا دھیرا :-

لکھت ہتی درگ کمل لئی چور بدن رب اور
اب انھہ ان چند ہیمکر یو نین چکور

-: مدھیا ادھیرا :-

بھی بڈ آئی تم رکھی میری ہت ٹھہرائے
ہانتھ پرت ہو اوہ کی پاین پرت سو آئے

-: مدہیا دہیرا دہیرا :-

کت بنولیت نٹہرکی یہہ پونچہت گہہ ہاتھ
دہن آنسو اکہن بوند لون جہری بات کی ساتھ

-: پرورہا دہیرا :-

پاگ دہرین پیری کہری پیہ مکہہ پری نہار
پہول جہری کرہین دہری آنکہ بہری جہجہکار

پرورہا دہیرا دہیرا

نین لال تک رس دری کچہو نہ بولی بال
بانہہ گہت ہین لال ارہنی تورا رمال

-: چہیشٹہا کنشٹہا :-

کن پچہرہ کہیل بل دینہون تمہین سکہائی
موٹھہ ہاروا کی درگن موکہہ ماندت دہائی

-: پرورہا دہیرا :-

ڈہیٹھ گا ٹہہ جو بال ہیہ لہی نہ کبہون ناتھ
پرگٹ بال مدہ گا ٹہہ لون بہٹی گہت ہین ہاتھ

-: اوڈہا پرکیا :-

لین ہا چلی چل منج تو دواو بادہ من رنج
نچ ہت لاگت کنج اداپیت لاگت کنج

-: انوڈہا پرکیا :-

روکی ہو جن پاس لون پہری دیت جنائی
بال ہٹہ ہین سرتیہ جو پہیو نیہ سرائی

ﮯ: سامانیا:۔

مکت مال لکھہ وہن کہیو یہ اجگت ہے نا نہہ
گنگ تھاری اربسی شو میری ارمانہہ

—: انیہ سبنہوک دکھتا:۔

نیری پاس پرکاس پرنیہ سباس بسائی
موکارن لیائی نہین آئے آپ لگائی

—: پریم گرتیا:۔

پیہ مورت میری سدا اکھین درگن بسائی
ڈریت گوری دیہہ یہہ مت سونری ہوئی جائی

—: روپ کرتیا:۔

جوبن لہہ ان روپ مہک اوہت گت یہ کہین
آپ جگت کون مارکے ہتیا موسر دین

—: مانثی:۔

دہرت مانثی درگن یون انسوا بند بسال
منون مانسرکنول تین جہرت مکت کی مال

—: سوادہین پتکا:۔

نرکہہ نرکہہ پرت دیوس نس تیہ چکھہ پیہ مکھہ اور
کمل جان ال ہوت ہین سس انمان چکور

—: انکنٹھا:۔

سکہی کہا جیہ ساج کی آج نہ آئی ناتھہ
گرہ ہولی کہگ لون پھری موہن سوجن ماتھہ

-: کھنڈتا :-

پییہ تن مکھہ لکھہ یون دری تیہ چکھہ انسوا آئی
منون مدہ کر مکرند کون اگل گئی پھر کھائی

-: پر لبدہا :-

لکھہ سنکیت سو یون رہی یون تیہ نار نوائی
منون بنی شیو کی کرئی سبل کام کون پائی

-: کلنہتریتا :-

الی مان آہ کی دسی جھار یو ہر کرنیہہ
تیو کرو دہ بس نان جہنتو اب چھوٹت ہی دیہہ

-: باسک سجیا :-

تیہ سکھہ سیج بچھائی یون رہی باٹ پیہ ہیر
کھیت بنائے کسان جیون رہت بیٹھہ اوسیر

-: ابھارکا :-

السین کا من لاج نین پیہ بین الکت جائی
جیین سلتا کو سلل یون ساگھین پائی

-: پیٹھہ :-

انگ چھپاوت سرب سون چلی جات یون نار
کھولت نج چھتا چنی ڈھانپت گھٹا نہار

پیرو گھٹ نیکا

نس جگای پیراٹھہ جہت پران مجوری ہال
انگ نگ ہین برہ بیہہ بیہو مینو کنتو ال

—: لکھمت ٹپکا :—

پھلین پاکھہ نہ آیہو جو اساڑہ کی مانس
پر تھمہ جھڑ چیت باس لون نکسی پیہو سانس

—: پچھت ٹپکا :—

پیہ کی چلت بدیس پچھو کہہ نہہ سکی لجور
چرن انگوٹھا تین رہی داب پچھورا چھور

کر دی یہ جو چکنین ہرنت لاے سنیہ
برہ اگن جو چھنک بین ہون چھت اب کیہ

—: المکھت ٹپکا :—

ہراون سن پٹھک مکہہ اگن ہر کہہ سنیہہ
نکہہ تین سکہ لون بال کے بھئی چکنین دیہہ

—: الچھت ٹپکا :—

آوت لہہ گھنسیام کی آن دیس تین پات
چپلا ہوئی چمکن لگیو نیہ نہی کو گات

—: اگت ٹپکا :—

سکھی پچھرن سسر کی ہوئی لہلہی ترنت
بیل روپ پر پھلت بہی لہہ بسنت سوکنت

—: اُتھا :—

کیہون ادکن انگ کو لکھین نہ ہنت کی جدہ
پیہ مینک مکہہ کی بہی رونی نین چکور

-: مدھما :-

پیہ سنگ سنکھہ رہت بکھہ بکھہ ہوئی جات
تیہ درپن پرت بنت لون تیری گت درسات

-: ادھما :-

جیون جیون آدر سون للن پاپ دیت بنائی
تیون تیون یہا من ہین لون کہن کہن انیٹھت جائی

-: پت نایک :-

جب تین لالن رون کو کون لے آئے سنگ
تب تین شیو لون آپنی کر راکھی اردھنگ

-: انکول نایک :-

نٹی بسن جب ہون سجون تب پیہ بھرم لجانھ
بن پرکھے دھن بچن کی ہیر سکت ہین نانھ

-: دچھن نایک :-

ساگر دچھن دھن کی سم برنت ہین پربیت
وہ ندین پہ تین سون ملت ایکھی رہیت

-: سٹھ نایک :-

ہیر ہیر مکھہ پھیر کت تانت بھو ہہ ندان
بان بدھ کا ہون نہین راکھی چڑھی کمان

-: دھرشٹ نایک :-

کاہہ گیوہی آپہین موسر سوہین کہا ئی
آج سمین جاوک لیٔن پھر لوٹت ہی پائی

:- اوپپت نایک :-

آئی وہ پانپ بھری رمنین آج انہان
جنھہ پوڑن نمس لکہین نکست پوڑب بران

:- ببیک نایک :-

لال ادہر ہیرا رون جنھہ سبرن تن ساتھہ
ویچبہی کنھہ دہن لیایئے جو کیجہی تنہ دہن ہاتھہ

:- روپ ماتی نایک :-

بار بار ہیرت کہا درپن مین چت لائی
نیک لکھو نج بدن سون رادہی بدن ملائی

:- پروکہت نایک :-

اگن روپ بن رہی برہ کت جارت ہی موہ
تنہ تن پانپ پای کے بور مار ہون توہ

:- سروَرن درسن :-

جب تین موہ سنائی تون کہبے کا نہہ کی بات
تب تین ورگ مرگ یون چلی کانن ہین کون جات

:- سپن درسن :-

جاگت چور جو پائی دور لاگے ساتھہ
سپنین کو چت چور کیون آوی اپنین ہاتھہ

:- چتر درسن :-

چترہ چتوت چتر یون رہی ایک ٹک جوتی
متر بلوکت رادہی کہو کون گت ہوتی

:-سونکھہ درسن:-

جیون پیہ درگ لال بھنوت تیہ بدن کمل کے اور
تیون پیہ مکھ سسں کی بھئی تیہ کی نین چکور

:-دوتی برنن:-

کیجی سکھ گھنسیام ہون آج پون کی رنگ
انھ چپلا چمکای ہون لیاے تہاری انگ

:-نایکا کی استت:-

کسک کسک پہنچت کہاجسک مسک انمان
کہسک جاے گی ٹھسک یہ نیک سسک سن کان

:-برہ نویدن:-

کہاکہون واکی دسا جب کہک بولت رات
پیو سنت ہین جیت ہی کہان سنت مرجات

:-بسنت رت برنن:-

کہون لیاوت بکست کسم کہون ڈلاوت پاٹی
کہون بچھاوت چاندنی مدہ رت واسی آئی

:-شرید وبات برنن:-

سرد رماتھہ انہای ارباگ باگ برماے
مند مند آوت پون راج ہنس کی بھاے

:-باگ برنن:-

کلپ برچھ تین سرس تو باگ درمن کون جان
ساگر تکسو تکمن کون جل جنترن مس آن

گریکھم رت برنن

دہوپ چنک کر چیٹک ار پھانسی پون چلائے
مارت دوپہر بیچ تیہ یہہ گریکھم ٹھک آئے

—: پنچھہ :—

چھٹت نہ لی نل نیر جل ول سج چھت تین آئی
نرکھ نداگھہ انبت کون چلیو بھان پئین دہائی

—: جل کیل :—

ہر چھینٹت یون تین کر لہہ جل کیل انند
منون کمل پچھون اور تین مکتن جہورت چند

—: پاوس رت برنن :—

پاوس میں سر لوک تین جگت ادہک سکھ جان
اند بدہو جاہیں سدا چھٹت بھرت ہین آن

—: پنچھہ :—

جہول جہول تیہ سکھت ہین گنگن چڑہی کی ریت
آج کالہہ مین آئی ہین ہر نارن کون جیت

سرورت برنن

چند بدن چمکای ار کہنجن درگ پھر کاے
سکل دہرا کون چہات یہ سروا پچھرا آے

—: ہیمنت رت برنن :—

ہیمنت سیت کی درن تین سکت نہ اوپر جائی
رہیو اگن کون پاے کی دہوم بہوم مین چھائی

—: سسرات برنن :—

پرگٹ بہیت یا سسر مین روکہہ روکہہ کی بات
بچہرن کون چت ہون دہرین سو کہہ جات ہی گات

—: لیلا ہاؤ :—

سیام بھیکہ سج کی گئی راد ہی درپن دہام
بہولیو بھیکہ جگت بھئی جت دیکہی تب سیام

—: بلاس ہاؤ :—

درگن جور انٹھلاسے اربھو ہین کر بلسای
کامن پیہ ہیہ گود مین مود بہرت سے جای

—: للت ہاؤ :—

سکل بہوکھن کون جدپ تو چہب رہی سنگار
پی کنمہ بدہ انہ بہارئی پیہ ہین جہوی تار

—: بچہت ہاؤ :—

سیام لال ان تلک تو یہ رنگ کینون مال
سوتن کو رنگ سیام دئی رنگیو سیام کو لال

—: بچوک ہاؤ :—

بات ہوئی سو دوہ تین دیکھتی موہ سنای
کاہی باتن جن گہو لال ہونری آی

—: کلکنچت ہاؤ :—

شو سر کی سن مین شوانک تج چپانہ بہرای
ڈری جہکی روٹی پہرہنسی آپ کون پای

—: بجھرم ہاؤ :—

بیندی ارن کپول دی لال وٹھونان بھال
ایچھہ بدھ کنٹھ من ہرن یہہ چلی نویلی بال

—: بودہک ہاؤ :—

مانگ بیچ بھر آنگری ڈہانپ نیل پٹ بھال
اروہ لساس چھپت پیہ سین بتای بال

—: مدہ ہاؤ :—

روپ گرب جوبن گرب مدن گرب کی جور
بال درگن بین مد بھرین آوت چلین ہلور

—: سوبھا اداہرن :—

ایک کہین کرلی چہرین ہنست چکورن داہی
ایک بھنور کی بھیر کون مارت چنور ڈلای

—: کانت اداہرن :—

کہ چھلتا لیہہ کہتی کمل مرولتا پاس
ڈر ڈراتی کی بلن کی سبرن رہا کہتی آس

دیپت اداہرن

چھٹا چھہان بدہ کہہ رہی تن چھپا سو ٹھان
تا پیراوپ دہری کہری تو تور چونی آن

دہیرت اداہرن

دیپ تھاری نیہ کو برت رہت تہیہ ناکہہ
بات چھوون دس کی سہی بجھت کیسوں ناتہہ

:- آٹھ سانوک بھاو :-

پیتہ تک نہک اوہ برہن کہہ پلک سوید تین جہاے
ہوئے ببرن کنپت گری تیہ انسوا دھراے

:- سنگار رس اداہرن :-

موہن مورت لال کی کامن دیکھ سو بھای
رتیجھ چھکی موہی جکی تھکی رہی ٹک لای

سنجوگ سنگار اداہرن

لی رت سکھ بپریت جیون رچی پریا اور میت
راو نوپرن ہین بہی ایک رسنان کی جیت

:- انتھ بیوگ مدہ سرتا نراگ :-

جاہ بات سن کے بہی تن من کی گت آن
تاکہہ دکہائین کامنی کیون رھہین مو پران

:- پوریا نراگ مین درشتا نراگ :-

ہین ٹکیا مانہہ متھہ دیٹھہ رٹی کون دار
موہن مالکن لی کتی دیہہ دہی کون دار

کرمان اداہرن

پیہ ورگ ارن چتی بہی بیہہ تیہ مکھ گت آئی
کمل ارنیا لکہ منون سس دت گھٹی بنائی

:- دان اپائی :-

پچھی ہین بج گرن کنہ لال مالتی پھول
جنھ طہ تو ہیہ کمل بین کڑھی مان ال تول

بھیدا پائی

روس اگن کی آنچ تین تون جن جاری ناہہ
تنھہ ترور دہیت نہین رہیت جا کی چھانہہ

—: پرسنگ بدھیس اپائی :—

کہت پران جورین کون تیوت ہین کرمان
تی سب چلگئی ہونھہ کی اگلی جنم ندان

—: پرباس بیوگ :—

سوامناون کون گئی برہن پہپ منگاے
پرست پہپ بہشم ہی تب شبو وی چڑہاے

—: کرنا بیوگ :—

سکہ لئی سنگ جند تج گئی پیہ مم رچہا کاج
سوء پران دکہ پاے کی چلیو چھٹ ہی آج

سندہیس

پکڑ بانہہ جن کر دئی برہ ستر کے ساتھ
کہبوری وانتھر سون ایسی کہیت ہاتھ

—: پاتی :—

بتھا کتھا لکہ انت کی اپنین اپنین پیہ
پاتی دے ہین اور سب ہون دیہون یہہ جیہ

دیگر نایکا برنن بزبان ریختہ در وزن رباعی بستہ کہ این دور باعی از ان آست

اسکیا

ازبسکہ حیا دوست ہی وہ مایۂ ناز اس طرح سون ہی اس کے سخن کا انداز

خامے کی زبان سون جیون نکلتے ہین حرف		پر کان تک نہیں پہنچتی آواز

۲- بشربدہ بنودھا

آئے ہین اگرچہ خوب ایام شباب		پر کچھ اس کا چھٹا ہے اب خوف وحجاب
تدبیر کئی رہی ہے یون نایک پاس		جیون آگ مین زور سین دوا کے سیماب

—: نعت :—

نور اللہ تین اول نور محمد کو پرگٹو سبھ آئی
پاچھین بہی تہون لوک جہان لگ او سب سرشٹ جو درسٹ دکھائی
آدلیل سوانت کی کئی رسلین جو بات بہی من پائی
تو لون نہ پاوی الہ کون کیہون جو لون تم بین نہ سمائی

—: منقبت :—

پر تھو کو پہ نہیں جہان مو میری ایک چھین بیدا او پران کو کیو نہ چیت چاوری
سچ دوار ابین کو نرا پچس مانس کو پیٹ ہی کی کاج سب لاج کہوے باوری
ایسو ندان جاہ آج لو نہ آبو گیان کیہون نہ جگی اجان اپنو سہاوری
پھر یو اپا دھ تیو ڈرت نہ ل آدھ شاہ مردان جو بہو سی ایک راوری

بشربدھ بنودھا مکدرا کبت

آنچ کے جہان آئی بال تین بہار لال بیٹھ گئی تھہ کال آپ کون چھپائے کے
چنچل چکو ن جیت چھین جو رسلین کون کرکری کیل ہون مرجھائے کے
تاڑی کو بھیا ر اڈاونکین کے آدن نیہ کی سہی ہی چپ چھائے کے
بادھک جیون چیٹ کے دیت پھر اوٹ اوٹ مرگ لٹ پوٹ چھین کچ ایتو جائے کے

—: ترتائی الکم بیت بر نوکبت :—

آوت ہین ترتائی تر ترفی کے پات گات ارتائی دو رت پینت ہے

بکست سمن من پہل اروج ہوت بھنونت بھنور چت راکھے رس پریت ہے
گھورو گنٹھ بہاس باس انگ کے سباس پرم پرکاش کرلیت پران چیت ہے
رت بیس گئی تین نہ بہاوین رسلین دوادہ جوبن کی ریت سوئی جوبن کی ریت ہے

:- مدہیا دھیرا ادھیرا کبت :-

رات کون بنی جیون پرات آئی رسلین تنہ کال بولی بال سکچات لکھ پیاری کون
نین سنکھ مل دیو سہو تو دیجی سکھ کوک سم ٹار رین برہ ہماری کون
تب ان کینہین گہات نین میری ہین پررت کیسی کر ہیرون توکھ اجیاری کون
بام کہیو جانی ہم اندرانی ہتین سواپ چندرمان بھئی ہون درگ کنولن تہاری کون

:- رت دوتی منا بومانی کونا کوکبت :-

بدن ہی چند تہان راہ بار دیکہت نین مرگ پاوادہر تہان آہی
ناسا کیر ڈھک رسلین دانت داڑ ہین ہین سورکو یورودم راجی پنکی سراہی
کٹ سنگھہ گج گت ہی نین بیکہی باتین یہ بات آن ہئین اوگاہی
اپنی سب ستر تو ءتن آن متر بھئی تو کون بج متر سنگ سترنا نہ چاہی

:- سانت رس کبت :-

تیری منورتھ کون ہوت ہی سبہن لوک تو نہین ہوتی اکاس کرہی نکہت اُدوت ہے
تو نہین چارو تتو سیل ترپس پنچھی ہوت تو نہین ہوئی میگھہ پوجی کوت اداکوت ہے
تو نہین بن ناری بھرتا کی رس سلین ہونت تونہین ہوتی کے ستر لیت اپن بین بوت ہے
جاگ پرین جہونٹھو جیون سپن لوک ہوت تیون ہین آتما بچاری لوک جاگت کوہوت ہے

:- نرت برنن کبت :-

بسن بنا ہی لٹ آنن پی لٹکاے کاجر لگائے چکھہ پان مکھہ کہائے کے
تال جھنکائے بین مردنگ ملائے تنکار کون بلائے سب سنگت رچائے کے

ہاتھن اُٹھائی گٹ گریون لپکائے دو او بھنوین نچائے ات نین مٹکائے کے
نپور بجائے جب بہائے سون دہرت پائی لاگت ہی گت آئی تیری پگ وہائے کے

(۶) سیّد برکت اللہ قدس سرہ

اسم سامی در فصل فقرا و شعرا شیرازۂ جمعیت این اجزا است
گاہی میل بہ شعر ہندی می نمود۔ و معانی عرفان را بہ زبان ہند ادا می فرمود۔
"پیم پرکاس" نام رسالۂ دارد مشتمل بر دوہا و کبت و بشنپد و دہرپد وغیرہ کہ در مردم دائر
است پیمی تخلص می کرد قدری از اشعارش ثبت می شود ؎

چکھ جوگی کنٹھا گرین ارن سیام اور سیت
آنسو بوند سمرن لیئن درسن بھچھا ہیت

پیمی ہندو ترک مین ہر رنگ رہو سمائے
دیول اور مسیت مون دیپ ایک ہین بہائے

انکھیان کی انیٹھی من پیا اجھو مود
سو رجھاوے کرگیان سون بنی پیم کی دود

من پنچھی تن پنجرا پانچ بھرو امول
پیارو پور و کر دیو توہی توہی نت بول

تم دیپک ہم ہین پتنگ اجگت کہے سنائی
من دیکھین نہین رہ سکون دیکھین رہو سجائی

جون چکنی وا سندر کی جہان نہ سورج چند
رات دوس نہین ہوت ہی تان دیکھ تاتھہ انند

من پا را تن کی کھری دھیان گیان رس موی

برنبھ اگن سون پھونک دی نرمل کندن ہوی

جہان پیت تہان برہ ہے جہان سکھ دُکھ کر دیکھ
جہان پھول تہان کانٹ ہی جہان درب تہان سیکھ

جم جن بورا ہوئے تون دورت گھیرت آن
ہم تو تب ہین دی چوگی پران ناتھ کو پران

ہم کسان ہت کھیت کے بووین دھیان کے دہان
لونین گیان کے ہاتھ سون ہووی درس کھلہان

نئی ریت یا پیت کی پہلین سب سکھ دیھہ
پاچھین دُکھ کے جیل مون داڑ کری تن کیہہ

من بینہ ہو واکیں مون ڈھونڈ ہو کیئو بار
بھولو کاری ببن کو تا کو کہا بچار

ہت کینون سکھ جان کے پڑی دُکھن کی بھیر
کیا کیجی من ہوی گئی کڑوا کنڈ ہتین پھیر

یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ کون آنکھ ہوند من پیل
سیکھو گر سون یہ جگت آنکھ مچونون کھیل

سیاہم ہو سانچ سون سر نہر آوی کوی
پرم جوت تا بدن پہ جگمگ جگمگ ہوی

لونین تو نہین جو چھوٹے ہو نہیں ہوسکے
جہار بچھاوی کاہری رہی اکیلا سوے

ہکت پان پکوان تن ہیو رہین سار
بیٹھی برہا ادری سدا کرت جیو نار

میاموہ من مین بہری پیم پنتھ کون جائے
چلی بلائی حج کون نو سی چو ہے کھائے
اووہ گئی آئی نہ ہر کریو نہ ہر چت چاؤ
برہا توہ انند ہی موسل ڈھول بجاؤ

(۷) میر عبد الواحد ذوقی بلگرامی

سابق در فصل اول بیان نمودہ شد کہ او را رسالہ ایست مسمی بہ "شکرستان خیال" در وصف انواع شیرینی درین رسالہ طوطی ناطقہ اش طرفہ شکر ریزی کردہ و اشعار ہندی را بہ زبان شیرین ادا نمودہ - از انجاست ؎

برنون واحد کون بدہ کٹن کی دنت جوت
رین اماوس جاہ لگہ پورن ماسی ہوت
کئی بار پھر پھر کے رسنان پھر پھر کہات
پھر پھرنے کی لگت ہی پھر پھرنے کی بات

کبت :-

میٹھی ہی نپٹ ہی بھائی بھائی نینن کی جاکی رس چاکھی کو سبھی للچات ہین
پھیکی او بھی سب کہاں کے کہا کہون ہیرا کی سی جوت دیکھی بھولے نہ سمات ہین
کھانڈ کی کھیلی مدوات ہین پیونت ہنس رسنان کی پیاری ہی او ٹھن بلات ہین
ایسی سکار ہین ہی اولی بارون کاپی کی دیٹھ کی لکھین دیکھو ٹوٹی نہ جات ہین

(۸) محمد عارف بلگرامی سلمہ اللہ تعالی

جوان قابل صاحب فضائل است - ترجمہ او در فصل اول گزشت شعر

ہندی خوب مے گوید۔ و مضامین دلنشین مے آرد۔ برخے از ان درین جریدہ درج می شود۔

از سکھ مکھ دوہا

:منگلاچرن:

بال بال کے بال کو بیوری بھید نہ پای
سکھ نکھ تین بالن ہین کنگی لون نہ سمای

:بینی برنن:

سدہیو متھ مین من لئی جگ کرت انیت
بینی تیری سیس مدہ کرت کو بینی ریت

:مانگ برنن:

بچھو ہیتو کے نان پچھو اندا بد بہچہ سوے
مانگ بھیکھ جھلکت سوہیہ راکھی کلا جو کوے

:انگ سدی جت:

لال بیندلی جت الک لکھ آوت اپمان
پہن ست انگ بینگ کے من دہو کہین پٹان

:نتر برنن:

لکھ چکھ مین بہر بہا دام مانون بیکھنگ مین
چکھ پد دیرکھ کرت ہنت لک دہنی ہی این

:الحد:

کہنج تھکی لکھ چیپلتا کورنگ چلی لکھ رنگ

مین جکی درگ بین لکھ چھب لکھ چھکی ترنگ

—: الحہ :—

بس پھیلت انکی لکھت من پاوت نہیں چین
کن پرکاش نج گن کرین برچھک راس توئین

—: کرن برنن :—

گنیا کیون کہہ سکت تیہ سمتا سیت پرکاس
جا کان پت کی کرت مکت ناک پئین باس

—: ناسا برنن :—

اچبت ہے ایکٹی کمل ایک نال بین آئے
او بہت ناسا نال چت چکھہ سب کمل لکھائے

—: نتھ برنن :—

تیہ نتھ کی جھولن نرکھہ لینہی من یون پای
مکتن ڈاریو ناک بین سنگ ہنڈورا آی

—: کرن مکت برنن :—

مکت بہی جدپ توؤ ناک باس نو آس
کان کان مین اجون تب ہت کرت نواس

—: لالری برنن :—

نتھ موتن نج لالری راجت ہی ایتھ مود
مکت رہت منون ناک پر اند بدھو گہ گود

—: ادھر برنن :—

ادھرامی دھرہیت کنھ بال سدھا دھر بھال

سینچو اوٹھن ناس مگ ادھر گاڑ مرنال

—: مسابرنن :—

لسا مسا ات رس مسا بسا پھولن سو بھ
دھنسا الی ال کمل مین پھنسا سو ربھ کی لوبھ

—: دسن برنن :—

لکھیت کچھو اتپات سوالی دسن ہی ناتھ
بھان اودی ہون دیکھئی نکھت بال بدہ ماتھ

—: دس برنن :—

دسن مکت کی ہوت ہی جہان ہنسن درسائی
بیج کہری دب جات ہی پھول جہری بجھ جائی

—: مکھ جوت برنن :—

انگ نہ انگ مینگ کی او مرگ انکھو ناتھ
تؤ مکھ وت لکھ رسن جبر دیو راک ہمیہ ماتھ

—: مکھ جوت برنن :—

مکھ دیپ وا بدن کی اپمان ہین سب ہین
جا مکھ جوتن ہوت ہئی رجنی پت دت چھین

—: مکھ باس برنن :—

ڈگر ڈگر تؤ بگر کی گنجت مدھکر پنج
کینو تؤ مکھ باس نی بھون کنج بن کنج

—: ٹھوڑہی برنن :—

تؤ ٹھوڑہی سوبھا چتئی کیون نہ لال للچاتہ

جنھہ لکھ ٹھوڈھی ہاتھ دئی کھری بال پچھتانھہ

—: کنٹھ برنن :—

ہاریو کوٹ کپوت کو دیکھہ کنٹھ ابھرام
گہنین لون ان نج گرین ڈاریو ٹپکا سیام

—: کنٹھ برنن :—

ہارا دارا کنٹھ لکھ بھیو کنب ات پاپ
اکلنکت تنھہ کرت ہین بیدھ پھونک من آپ

—: ریکھا برنن :—

پیکھ ریکھ تو کنٹھ کی جیہ کپوت دہر نیکھ
پھانسی پھانسی نج گرین پیت واگھہ بسیکھ

—: کنٹھ سر برنن :—

سنی جھنک سر بیت ہین تو سو کنٹھ کی کوک
چاتک ہیہ دو ٹوک ہوی جر کھوک بہی موک

—: نار برنن :—

نار نار لکھ کی رہین نارین نار نوای
ہارین سارین ہہر کی ہارین ہاری کھای

—: باہنہ برنن :—

پاس تلت تو باہنہ کی پیت اجگت ہیت
جیو لیت دھ کر پین بہہ پہنچم جیہ دیت

کانکھہ برنن

کنکھیان لکھ ان بانہہ تر سکھیان رہین اجیت

شدھا سندھ بب لہرتین پری سندھ کنھ ھیت

—: پہنچا برنن :—

کوٹ او پاین سون الی بلی کرین بدھ ساتھ
پیٔ پہنچن واکی ھنین پہنچت اپان ہاتھ

—: پورین برنن :—

بھاوت چت آوت ہین لکھ انگرین چھب این
پورن پورن رس کیو منون گانٹھ دی مین

—: روما دل برنن :—

مانگ انک جو سیامتا مٹی الی تون دیکھ
اُدر آن سو پرگھٹی روما دل کی بھیکھ

—: روما دل برنن :—

روما دل نہہ جان تون لکھ پپیر سکھی رنگ
گج شوتج منوتک چلیو نابھی بر بھونگ

—: کچ اگر سیامتا برنن :—

لست یام کچ سنبھ پر نہیں سیامتا رنگ
رہیو منو بھو کون دہی سرچڑھ رہیو کلنگ

—: ارج سندھ برنن :—

الی بھلی یہہ جان تون ارجن سندھ انوپ
ادہرا ای کی چرن ہست راہ مانہہ کی کوپ

—: نابھہ برنن :—

نابھہ بھنور لون دیکھی روپ سندھ تو گات

سکہان کیجئی کون سراپان بوڑی جات

—: کٹ برنن :—

ای ری تیری لنک تہین الکہ روپ سرسات
جاتین سب پرکاس ہی وہی نہین ورسات

—: الحہ :—

کٹ اڈیہڑ کون ایٹہ لون ہہو نبٹہ بدہ سنگ
پرگٹ بہیوہی بہیکہ دہر جگ ایک کوانگ

—: کام بھون برنن :—

تیری نابہ تر کوالی برنن کرت سکات
بدہ نج ہیہ سکچت جہان اوپان جات لجات

—: چرن برنن :—

امل کمل واچرن کی لہئی نہ سمتا این
جاپر بہنورن سون سدا ابہرمت ہین جگ نین

—: ایڑی برنن :—

توڑ ایڈن سکہان کی ہین اپمان سب ہین
موڈہ بوڈہ جا برن ہوی اندہ بدھو پہ لین

—: گات برنن :—

اپمان کو اولاگت نہین واتن اوپ انوپ
جات روپ سی گات لکہ جات روپ کو روپ

—: چہب برنن :—

چھب جہلکت منہ جہلک تین من لاگت اپمان

ہوت اودیٔ سس کی منون سمہ بیلل اولنھان

-: سکمارتا برنن :-

کیون وہ بھوکھن کنک کی سجئی انک سکمار

نیٹھ نیٹھ مگ ڈگ دہرت نار مہاودر بہار

-: سوبھا برنن :-

بن جیور جیہ برہری تا تین بدھ بچار

متوارہی ہتیارلون راکھی بہوکن ٹار

-: سکھ نکھ پورنتا :-

پرتہم پچھو سکھ نکھ برن عارف نپٹ اجان

بدہ جن جان سدھاریو چھمیو بدھ ندان

از سکھ نکھ کبت

-: جورا برنن :-

کیدہون بدہ ببدہ بدہان چہند بند کر باند ہیو گانٹھ سوہت اسیت ہے

کیدہون رس میچک کی للت نوین لتا سندر ادوار پہل تا کو چھب دیت ہے

کیدہون کام نٹ کھری کندن جہری ہین دہری نیلن کوئی دان پران کو لینت ہے

کیدہون ہم سان ہین بدن بیٹھو آسن کئی کیدہون تیہ تیرو جورو نیہ کو نکیت ہے

-: بینی برنن :-

کیدہون رتن سان ہین کے سکھا پی سوہی دہار ترن تو جاے ادہک سکھ دینی ہے

کیدہون مین کیتن نکیت کے نسینی سوہی کیدہون نب رسنا کے سپھم سینی ہے

کیدہون کل پدرم کے للت لتا کے پرت سندر سودیس سوہی الی ال سینی ہے

سکھان سوبکھ آدرس کی سہاونی ہی کیدہون منوہنی کی موہنی سی بینی ہے

:-نتر برنن:-

کیدہون مین کیتن کی سری ہین ادبھی مین کیدہون بیچ سرجہ کی سرا دوات ہین
کیدہون پرپھلت ارن سرسج تامین نیل کنج راکھی تا کی سوبھا سرسات ہین
کیدہون جوری بھوری کل کھنجن کی رنجن ہی رسک ملند کیدہون دنپت کبھا ہین
بنپٹ نویلی ال بیلی ہیم بیلی کیدہون تیری سچہہ اچھہ میری پچھن سہات ہین

:-مکھ برنن:-

باسرن ہو ابتو اوت امل جوت واکونس ہی مین ادلوکی لوک لوک ہے
بہان مد مان پاکے مہان سمان مان بہین دن واکون دن پر دیہہ سوک ہے
پورن پرکاس سدا سدا کو نواس دیکھو ہت دوکہت جاتین نت سوت کوک ہے
یاکون نکلنکت کلنکت لکھیوہی واکون تیرو مکھ چندبال چند سم کوک ہے

:-ناسا برنن:-

سکہان اکھنڈ سک تنڈن کی کھنڈن ہی منڈن مکھ منڈل کب ابھلاکھی ہے
تل کوسمن تلو تول تن پادئی نہین تون کیتن کی چھبین بدہ بہا کھی ہے
سکہان امل مہا کومل نوین ات روپ سرسج کلی کی سب تاکھی ہے
راجیو بچ نیر تین بہا تاتیہ مکھ دیپ تا کی دت ہیت ناسا بانی سم راکھی ہے

اروج برکا برنن

کالندیکے کول کیدہون کام کیل کلا کر کوک دوی اسوک چت کہت بسیری ہین
جوبن قنک ماتو مد کی ترنگ تنک تاکی کل کیتہہ کج بھیکھہ جاب تیری ہین
کیدہون کاہو سدہ ہیکی سا دھنان ہین ہیم لتا سو پھل بھی ہی تاکون بکہہ کب چیتیری ہین
کلکا سروج ہین منوج مانسر ہیکی کیدہون جب جوج سی اروج تیہ تیری ہین

—: رام راجی برنن :—

کیدہون منمنتھ کیا نے من بس کربیکون جلدل پان پر منتر پانت ساجی ہے
کیدہون پیہ منگے منور تھہ نین کج ڈاری کمندکاری ات چھب چھاجی ہے
درپن اور بین کی تیب کوری کوجا تین نیک کمار چھب کوٹ کٹ لاجی ہے
کری پیہ راجی دیت سوتن کو باجی یہ تیری روم راجی بدھ ایسی سبھ ساجی ہے

—: جان برنن :—

کری ہوئی ارہین کرسانکر کری ہی دیکھ نیت اچنبھا بھری رنبھاگت چھاجی ہے
سندر سرت ذنت سو بہونت راجت ہی رچنار چرچ کرن براجی ہے
ات ہین سروپ ڈھاری روپ ہیکی سانچی مانون کاریگر ٹین اچھی موڑ سماجی ہے
سکھان ترلوک کی سکیل سہج سوچ ات میری جان بدہ جان جان نیہ ساجی ہے

—: نو پربرنن :—

روپ کو کیدا سیم سندر اجرتا ہین ترل کنک کبسی لتا در سات ہے
کبدہون پچھری کہری کلد ہوت کی نورہی جاکے چھب مرگن کی چھتا چھرا ہے
نوپر نوبن نیلمن کی نگن جیٹو تاکو کردیٹھ انیتھ اپمان سہات ہے
بہوبرن کی پانت تامرس کے سمن پرسکھان سموہ لہہ سکھ سون اگھات ہے

—: پد برنن :—

پدم نہار ہار پنک پدکار بیٹھو باسر سرن داکون ہوت دن کر ہے
سانجھ مرجھائے جھوم جھکت ہی سوچ سوچ نلج بہات کری پھیر سر پر ہے
کومل امل مہات ہین سرنگ لکھ اپمان بھکت بھی کری کاہ سر ہے
ایری پرت بنب تیری بدھ بیکو جیہ جان لینہی ہی کمل اجون رمان منج کر ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الْمِنَّه کہ خامۂ خوشخرام بہ منتہای این قلمرو رسید و سیاحتے کہ

آغاز کردہ بود بہ انجام رسانید۔ و بہ اقتضای ترتیبی کہ درین تالیف اختیار افتادہ ختم کتاب بر نظم ہندی دست بہم دادہ۔ چہ مضایقہ۔ بعض الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم است وجواہر سلک کلام قدیم۔

شیخ جلال الدین سیوطی[1] رحمہ اللہ تعالے در تفسیر "درمنثور" می گوید تحت قولہ تعالی طُوبیٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ "اخرج ابن جریر وابو الشیخ عن سعید بن مسجوح قال طوبی اسم الجنۃ بالهندیۃ"

ونیز شیخ جلال الدین سیوطی[2] رح در تفسیر آیہ کریمہ سندس خضر از شیذلہ صاحب کتاب برہان نقل می کند "السندس رقیق الدیباج بالهندیۃ"

ونیز شیخ جلال الدین سیوطی[3] رح می فرماید "اخرج ابو الشیخ عن جعفر بن محمد عن ابیہ رضی اللہ عنہما فی قولہ تعالی یا ارض ابلعی ماءک اشربی بلغۃ الہند"

علماء فصاحت اتفاق دارند کہ این آیہ افصح آیات قرآنی است وابدع بینات آسمانی۔ ووقوع لفظ ہندی در کلام معجز نظام خصوص درین آیہ بلند پایہ از عجائب است۔

ختم این کتاب در سنہ ست وستین ومائۃ والف (۱۱۶۶) بوقوع پیوست۔ و خامہ آرام طلب تاریخ ختم چنین نقش بست لمؤلفہ

حبذا نو نہال موزونے کردہ ام سبز در ریاض سخن

سال اتمام آن خرد پرسید گفت آزاد "ختم او احسن" ۱۱۶۶ھ

چشم از یاران وادرس وعزیزان مسیحا نفس آنکہ اگر گوشہ چشمی برین متاع حقیر اندازند۔ وبا وصف عدم لیاقت منظور نظر التفات سازند مخلص را بہ ارمغان

---

[1] درمنثور جلد رابع صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر۔

[2] اتقان صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ جلد اول۔

[3] درمنثور جلد ثالث صفحہ ۳۳۵۔

دعائے یاد آرند۔ وسبزۂ احسانے برمزار خاکسار واگذارند۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نِھَایَاتِ الْاَوَّلِیْنَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمت بالخیر

(۱) حصہ اوّل میں مقدمہ مصنّف ہے جس میں وہ تمام وجوہ و اسباب درج ہیں جنھوں نے
جناب رسالت مآب صلعم اور اُن کے اصحاب کو لڑائیوں پر مجبور کیا۔ اس کے ضمن میں مسلمانوں کی
ابتدائی تاریخ اور مشرکین عرب کے مظالم کو مفصل بیان کیا ہے جن کی مدافعت کے لئے مسلمان
تلوار اٹھانے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے بعد اشاعت اسلام کے واقعات بیان کئے ہیں۔ اسلام کی تعلیم
اور تمدنی اصلاحات پر گہری نظر ڈالی ہے۔ اوامر و نواہی خصوصاً مسئلہ جہاد کے فلسفہ کو سمجھایا ہے۔
اور نتیجہ نکالا ہے کہ مذہب اسلام اصول انصاف اور قوانین فطرت کے مطابق ہے اس لئے
آسانی کے ساتھ لوگوں کے دل نشین اور دنیا میں مروّج ہوا۔ یہ مقدمہ (۱۲۸) صفحات کا ہے۔

(۲) حصہ دوم۔ مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس میں تمام غزوات کے
حالات درج ہیں۔ قرآن۔ حدیث۔ فقہ اور تاریخ کے ناقابل تردید حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ بانی
اسلام کی تمام لڑائیاں دفاعی تھیں۔ اشاعت مذہب میں آپ نے کبھی جبر و اکراہ سے کام نہیں
لیا۔ اسیران جنگ کے متعلق یورپین مؤرخوں کی افتراپردازیوں کی قلعی کھول دی ہے اور پورے
طور پر ثابت کر دیا ہے کہ آنحضرت نے اسیران جنگ کے ساتھ ہمیشہ نہایت رحیمانہ و منصفانہ برتاؤ کیا۔

(۳) حصہ سوم میں تین ضمیمے ہیں۔ پہلے ضمیمہ میں جہد و جہاد کی صرفی۔ لغوی اور فقہی قواعد
سے تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں یہ الفاظ بمعنی جنگ و جدل استعمال نہیں ہوئے۔
دوسرے ضمیمہ میں لونڈی غلام اور حرم بنانے کی تردید کی ہے۔ تیسرے ضمیمہ میں ان آیات قرآن مجید کے حوالے
درج ہیں جن میں دفاعی لڑائیوں کا ذکر وارد ہوا ہے۔ ان مباحث کے ذیل میں مصنف علّام نے تاریخ۔
تفسیر اور فقہ کے اکثر مسائل حل کئے ہیں مثلاً قبائل عرب کے انساب و مواطن کی تحقیق۔ رجم و رجوم کی لغوی
تشریح بنو نضیر و بنو قریظہ اور دوسرے یہودیوں کے قتل کی فرضی داستانیں۔ غزوۂ خندق کے متعلق [illegible]
[illegible] کے مباحث خاص طور پر پڑھنے
کے قابل ہیں۔ [illegible] کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ غرض کہ یہ کتاب مسئلہ
جہاد اور [illegible] کے متعلقات پر اس خوبی سے لکھی گئی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

[illegible] مولوی عنایت اللہ خاں صاحب کے نام سے علم دوست اصحاب بخوبی واقف
[illegible] "[illegible] الکلام" اور "عظیم الکلام فی ارتقاء الاسلام" اور
[illegible] جیسی معرکہ آرا کتابیں شائع کر کے ملک و قوم کی عظیم الشان علمی خدمت انجام
دی ہے۔ [illegible] کتاب تحقیق الجہاد کو [illegible] اسلامی لٹریچر میں ایک

قابل قدر اضافہ کیا ہے۔

مولوی غلام الحسنین صاحب پانی پتی کا نامی ترجمہ کی خوبی و عمدگی کے لئے ایک قابل اطمینان ضما
فاضل مترجم نے جا بجا نہایت عمدہ و قیمتی نوٹ بھی لکھے ہیں اور اس کے بے مثل ہونے کا مزید استحکام اد
یہ ہے کہ یہ ترجمہ عالیجناب شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب پانی پتی کی نظر سے گذرا اور ان کی ا
مزین ہوا ہے۔ خود پبلشر یعنے مولوی عبداللہ خاں صاحب نے بھی خاص طور پر نہایت توجہ و اہتمام کے
اس کی تہذیب و ترتیب کی ہے مصنف مرحوم نے انگریزی میں جو حوالے دئے تھے خان صاحب نے اُن
صفحات بھی بتائے ہیں تاکہ تلاش کرنے والے کو آسانی ہو اور خود دوسرے حوالے تلاش کر کے بکثرت اضا
کر دیئے تاکہ مصنف کے بیان کو مزید تقویت و تائید ہو۔ انگریزی میں آیات قرآن کا فقط ترجمہ تھا۔ خا
نے اس اردو ترجمہ میں اصل و متن کو جمع کر دیا و نصف کالم میں اصل آیت لکھ کر مقابل میں اس کا فصیح
اردو ترجمہ لکھا ہے۔ انگریزی سے عربی کے اسماء و اعلام کے نقل ہونے میں جس قدر دشواریاں ہیں ا
صرف علمی مذاق رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ خان صاحب نے نہایت قابلیت و محنت کے ساتھ سیکڑوں ع
کتابوں کی مدد سے ان مشکلات کو بھی حل کیا غرض کہ آپ نے اس کتاب کی تصحیح و تحشی میں نہایت جا
عرق ریزی اور کمال تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یورپ میں جو کام بڑی جم
کے ہاتھ سے ہوتا ہے وہ انہوں نے تن تنہا انجام دیا جس کے لئے وہ مبارکباد و شکریہ کے مستحق ہیں
حقیقت یہ ہے کہ کتب خانہ آصفیہ کا ایسا عظیم الشان بے مثل اور نادر خزانہ کتب اگر موجود نہ ہوتا تو یہ مرحلہ
طے ہونا ممکن نہ تھا۔ اب پبلک کو اس لاجواب کتاب کی خریداری کر کے قدردانی و امداد کرنی چاہئے تاکہ خان
ممدوح کو دوسرے مفید کتابوں کے شائع کرنے کا آئندہ حوصلہ ہو سکے صرف مولوی چراغ علی صاحب مر
کی بے مثل اور قابل قدر (۵۴) چھوٹی اور بڑی مذہبی کتب و رسائل قابل اشاعت موجود ہیں۔ اس کتاب
شروع میں مولانا مولوی عبدالحق بی اے علیگ کا مختصر مگر دلچسپ و مفید مقدمہ شامل ہے۔ اس کے علاو
کتاب کے ۴۰۰ صفحات ہیں اور نہایت عمدگی سے مطبع رفاہ عام لاہور میں چھپی ہے۔ اس کی قابل قدر خوبیوں کے
قیمت نہایت کم یعنے فقط (عہ) علاوہ محصول ڈاک مقرر ہے اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے
عبداللہ خاں صاحب کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

۵ شوال ۱۳۳۱ ہجری
مطابق ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء

شمس اللہ قادری
حیدرآباد دکن